عقیل احمد صدیقی

فرہنگ تصوّف

اردو لغت بورڈ

فرہنگِ تصوّف

عقیل احمد صدیقی رحمانی

نگراں

سید عقیل عباس جعفری

تدوین و نظرِ ثانی

مفتی مسعود احمد

(نائب امام و خطیب مسجدِ نور) علامہ اقبال روڈ سوسائٹی، کراچی

معاونین

نزہت سیما ارشاد، تبسم اختر ہاشمی

منتظم

سیّد عامر عالم رضوی

اردو لغت بورڈ

قومی تاریخ و ادبی ورثہ ڈویژن، حکومتِ پاکستان

ST-18-A، گلشنِ اقبال، بلاک نمبر 5، کراچی

اشاعت	:	اکتوبر ۲۰۱۹ء
تعداد اشاعت	:	۲۵۰
ناشر	:	اُردو لغت بورڈ کراچی، فون : 021-99244677
طابع	:	اُردو لغت بورڈ کراچی
مرتبہ	:	عقیل احمد صدیقی رحمانی 0300-2242274 Email:ahsanahmad01@gmail.com
تزئین و حروف کاری	:	سیّد معراج علی نواب (سیّد امیر علی ، سیّد ارشد علی ، طاہر اقبال ، محمد ریاض)
پروف خوانی	:	تبسم اختر ہاشمی، اخلاق احمد خان ، مفتی مسعود احمد
آئی ایس بی این	:	978-969-9113-02-1
قیمت	:	۵۰۰ روپے

اُردو لغت بورڈ

قومی تاریخ و ادبی ورثہ ڈویژن، حکومتِ پاکستان

ST-18-A بلاک نمبر 5، گلشن اقبال، کراچی

فہرست عنوان

☆☆☆

ابتدائیہ

اصطلاحات تصوف پر یہ جامع اور پر معنی کتاب مولوی حافظ محمد علی حیدر نے کم و بیش سو سال پہلے اپنے مرشدی مولوی شاہ حبیب حیدر قلندر کی خواہش پر مرتب کی ۱۳۳۹ ہجری میں یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ اس عاجز کو تحریک ہوئی کہ یہ کتاب محفوظ ہو جائے۔ مصباح التعرف لارباب التصوف پر اس کتاب کے مقدمہ سے تبرکاً یہ چند سطریں محفوظ کی ہیں۔

ارباب ذوق و وجدان و اصحاب شوق و ایقان پر پوشیدہ نہ رہے کہ اشرف علوم اُلطف فنون علم تصوف ہے جس سے قلوب تیرہ کا تجلیہ اور نفوس دنیہ کا تزکیہ ہوتا ہے اور یہی قلوب کو قبول امداد قدسیہ کے لیے مستعد کرتا ہے حجابات بشریت رفع کرنے والا اگر ہے تو یہی علم شریف اور عقبات غفلت سے نجات دلانے والا اگر ہے تو یہی فن لطیف عظمت اس کی محتاج بیان نہیں اور اہمیت اس کی ارباب نظر سے مخفی نہیں۔

مولوی شاہ حبیب حیدر قلندر کا خیال تھا کہ ایک کتاب اردو میں لکھی جائے جس میں اصطلاحات صوفیہ کے معانی و مطالب کی تشریح کردی جائے تاکہ ناظرین کتب تصوف بوجہ اصطلاحات سے ناواقف ہونے کے مطالب سمجھنے میں غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔

مولوی محمد ضیاء الدین حیدر صاحب کی فرمائش اور اصرار نے مجبور کردیا اور میں متوکلاً اس امر اہم کے انجام دہی پر مستعد ہوگیا۔ پس اس جزو مختصر کو ایک مقدمہ اور اکتیس باب پر منقسم کر کے نام اس کا مصباح التعرف لارباب التصوف رکھا اور اللہ تعالیٰ اس کو محض اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے۔

اس مقام پر اُن کی کتابوں کے نام بھی لکھ دوں جو اس جزوِ مختصر کے زمانہ تحریر میں میرے پیش نظر رہیں انسان کامل مصنفۂ حضرت شیخ عبدالکریم جیلیؒ نفحات الانس مولانا جامی مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز لطائف الالہام قلمی اصطلاحات صوفیہ از شیخ عبدالرزاق کاشی تعریفات الاشیاء میر سید شریف جرجانی جامع اصول الاولیاء شرح فصوص الحکم از شاہ مبارک علی حیدر آبادی معہ مقدمہ موسومہ بہ مفید العالم اصطلاحات صوفیہ متعلقۂ دیوان خواجہ حافظ شیرازی اصطلاحات نقشبندیہ مطالب رشیدی و مقالات صوفیہ از حضرت شاہ تراب علی قلندر قدس سرہ روض الازہر از حضرت اوستاذ حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر قدس سرہ۔

اصطلاح کے معنی لغت میں باہم صلح کرنے کے ہیں۔ علم تصوف میں اس کے معنی یہ ہیں کہ بزرگان دین اپنے علوم بزبان غریب یعنی نادر بیان کریں۔

حضرات صوفیہ کرام نے قرآن و حدیث سے بالہام ربانی اذکار و اصطلاحات وغیرہ مقرر فرمائے اور اُس پر علمائے کرام نے بھی کوئی اختلاف نہیں کیا بلکہ مستحسن و مندوب قرار دیا۔

تصوف کے لغوی اور اصطلاحی معانی اور اشتقاق تصوف۔ جاننا چاہیئے کہ تصوف بروزن تفعل اس کے معنی صوف پہننے کے ہیں اور صوف بضم صاد اُس کپڑے کو کہتے ہیں جو پشم گوسفند کا بنایا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس وقت کوہِ طور کلامِ الٰہی سے مشرف ہوے اس وقت آپ کرتہ پائیجامہ اور صوف کی کملی اور گدھے کی کھال کے جوتے پہنے ہوئے تھے اور اس لباس کے اختیار کرنے سے ان کی غرض انکسارِ نفس اور تواضع اور ترکِ زینت دنیا تھی۔

صوفی لغت میں مخلص کے معنی میں بھی آیا ہے۔

صوفیہ منسوب اہل صفہ کی طرف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تھے اور وہ چارسو ۴۰۰ آدمی تھے مدینہ طیبہ میں نہ اُن کے رہنے کے لیے کوئی مکان تھا اور نہ وہاں اُن کا کوئی عزیز و شناسا تھا وہ لوگ مسجد کے صفہ یعنی چبوترہ پر رہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ منجملہ اہل صفہ ستر (۷۰) آدمیوں کو میں نے دیکھا۔

اولاً جو صاحب صوفی کہلائے وہ سید ابو ہاشم محمد ابن احمد تھے جنہوں نے ۱۶۱ھ میں انتقال فرمایا۔ سید ابو ہاشم صوفی نفحات الانس میں مولانا جامیؒ لکھتے ہیں کہ یہ اصلاً کوفی ہیں لیکن شام میں رہتے تھے اور حضرت سفیان ثوری کے معاصر تھے۔ سفیان ثوری فرماتے تھے اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں وقایق ریا نہ پہچان سکتا۔ ابو ہاشم صوفی مرض الموت میں بیمار تھے۔

ایک روز آپ نے قاضی شریک کو یحیٰ ابن خالد کے گھر سے نکلتے دیکھا تو رو کر فرمایا کہ ترجمہ: پناہ مانگتا ہوں میں ساتھ اللہ کے اس علم سے کہ نہ نفع دے۔

حضرات صحابہ کرام کو جمال باکمال مصطفوی کے نظارہ سے اس قدر کشائش ہوتی تھی جو مشائخ کو اربعینیات اور خلوت میں حاصل نہیں ہوسکی اسی واسطے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ترجمہ: اصحاب میرے مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جن کی اقتدا کرو ہدایت پاؤ گے۔

علوم طریقت اور رموز حقیقت کا اجراء صحابہ کرام کے عصر میں بھی ثابت ہے اگرچہ یہ قرن ملقب بہ لقب صوفی نہ تھا صحابہ کرام میں سے بعض جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ اور اعلان شریعت کرنے کے علاوہ علوم باطنیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی رائج کرتے تھے اور وہ خلفائے راشدین تھے علی الخصوص حضرت علی کرم اللہ وجہہ نیز حذیفہ بن الیمان اور سلمان فارسی اور

عبداللہ ابن مسعود اور عبداللہ ابن عباس اور ابو ہریرہ اور انس بن مالک اور ابو ذر غفاری اور حضرات حسنین وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

ان حضرات میں تھے اور بعض صرف علم ظاہر کو رواج دیتے تھے جیسے ابو موسیٰ اشعری اور عبداللہ ابن عمر ابن عاص وغیرہم اسی طرح تابعین میں بعض علمِ باطن کے اجراء میں سعی وافر فرماتے تھے جیسے علی ابن الحسین زین العابدین اور محمد ابن علی ملقب امام باقر اور محمد ابن الحنفیہ اور حضرت حسن بصری اور کمیل ابن زیاد وغیرہم اور بعض اجراء علم ظاہر میں مصروف رہتے جیسے امامِ اعظم اور امام مالک وغیرہم علی ہذالقیاس طبقہ تبع تابعین کے حامیان باطن میں سے امام جعفر صادق و امام موسیٰ کاظم اور ائمہ اہل بیت اور سفیان ثوری اور مالک ابن دینار اور محمد ابن سماک اور حبیب عجمی اور شیبان راعی اور داؤد طائی وغیرہم تھے اور حامیان ظاہر میں امام محمد اور امام ابی یوسف اور امام شافعی اور احمد بن حنبل وغیرہم تھے۔

جو لوگ اپنے قلوب کو غفلت سے بچاتے اور اپنے انفاس کی محافظت حق کے ساتھ کرتے تھے وہ صوفی کہلائے جیسے ابو یزید بسطامی و سہل ابن عبداللہ تستری و حارث ابن اسد محاسی و بشر حافی و سید الطائفہ جنید بغدادی و ابو حفص حداد و ابو سلیمان دارانی و محی الدین ابن عربی و ابوالقاسم قشیری و ابوبکر کلاباذی و شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی وغیرہم۔

طریقۂ اسلام آنحضرت سے دو طرح پر پہونچا عام فہم جیسے فقہ وغیرہ اور خاص فہم جیسے تصوف اور فقہ کو جو عام فہم ہے تصوف یعنی خاص فہم پر جو تقدم ہے وہ باعتبار ظاہر کے ہے لیکن تصوف مرتبہ میں اعلیٰ ہے۔

تصوف بغیر فقہ کے درست نہیں اس لیے کہ احکام الٰہی بغیر فقہ کے معلوم نہیں ہوتے اور فقہ بھی بغیر تصوف کے تمام نہیں کیوں کہ علم بلا عمل ٹھیک نہیں اور عمل بغیر حضور اور توجہ الی اللہ اور اخلاص کے تمام نہیں ہوتا ہے۔

تحقیق محبین و متبعین طائفہ علیہ صوفیہ کے لیے بشارت ترجمہ: آدمی اس شخص کے ساتھ ہے جس کو دوست رکھتا ہے۔

ترجمہ: وہ ایک قوم ہے کہ جس کا ہم نشین بد بخت نہیں ہوتا ہے اور نہ اُن لوگوں کا دوست رسوا ہوتا ہے۔

صوفی کامل کے پاس ایک دن بیٹھنے سے وہ چیز حاصل ہوتی ہے جو چالیس برس کے مجاہدہ و ریاضت سے نہیں حاصل ہوتی۔

یک زمانہ صحبتے با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

مولانا جلال الدین رومی (مثنوی مولانا روم)

تصوف وہ علم ہے جس سے ذات کی معرفت تفصیلاً حاصل ہوتی ہے اُس کو علم حقائق کہتے ہیں اور علمِ حکمت بھی جس طرح حکمائے فلاسفہ حقائق اشیاء سے بحث کرتے ہیں۔

علم تصوف ہی سے اہل کمال کی ترقی اور اُن کے کیفیات مدارج کا بقدر طاقت بشری حال معلوم ہوتا ہے کیونکہ کماحقہ (جیسا کہ چاہیئے۔) درجات اور مقامات کی تعبیر غیر ممکن ہے۔

باطنی کیفیات معلوم ہوتے ہیں اور اسی کو علم طریقت وحقیقت بھی کہتے ہیں۔

یہی علم وہ نور الٰہی ہے جس سے معرفت اشیاء ماہ و ماہی کماہی حاصل ہوتی ہے۔

سیدالطائفہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ تصوف کیا ہے آپ نے فرمایا کہ تصوف یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ بلا علاقہ رہے اور فرماتے تھے کہ تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ تجھ کو تیری خودی سے مردہ اور اپنی خودی سے زندہ کرلے۔

التصوف تصحیح الخیال یعنی تصحیح خیالات کو تصوف کہتے ہیں اور فرماتے تھے کہ تصوف صفا سے مشتق ہے جس کے معنی برگزیدگی کے ہیں جو شخص ماسوائے حق سے برگزیدہ ہو وہ صوفی ہے اس کا دل مثل دل ابراہیمی دنیا سے علیٰحدہ اور فرمانبردار حق ہو اور رضا وتسلیم میں مثل اسماعیلؑ اور اندوہ میں مثل داوٗدؑ اور فقر میں مثل عیسیٰؑ اور صبر میں مثل ایوبؑ اور شوق میں وقت مناجات مثل موسیٰ اور اخلاص میں مثل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو اور فرماتے تھے کہ صوفیہ ایک گروہ ہیں قائم بحق جن کو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

تصوف یہ ہے کہ دل کو صاف اور خواہشات نفسانی سے دور رکھے خلق کو امر حق کی نصیحت کرے اور شریعت کی متابعت کرے۔

تصوف تین چیزوں پر مبنی ہے ایک تعلق بفقر و افتقار دوسرے تحقیق بہ بذل و ایثار تیسرے ترک اعتراض و اختیار

حضرت سہل ابن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ ہر حال میں خدا کے ساتھ رہے۔

ابوالعباس نہاوندی فرماتے ہیں کہ فقر کی انتہا تصوف کی ابتدا ہے عمر ابن عثمان مکی فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ بندہ ہر وقت یادحق میں مشغول رہے۔ عبداللہ خفیف فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ بلا پر صبر کرے۔

حضرت معروف کرخی سے لوگوں نے پوچھا کہ تصوف کیا ہے آپ نے فرمایا کہ خلایق سے گریز کرنا اور حقائق اختیار کر کے ان کو دقائق سے کہنا تا کہ کوئی سمجھ نہ سکے۔

ابوالحسن نوری فرماتے ہیں کہ تصوف نہ علوم ہیں نہ رسوم اگر علوم ہوتے تعلیم وتعلم سے حاصل ہوتے اگر رسوم ہوتے مجاہدہ سے حاصل ہوتے بلکہ تصوف اخلاق ہیں۔

حضرت ابوبکر شبلی فرماتے ہیں کہ تصوف فناء ناسوت اور ظہور لاہوت ہے نیز فرماتے ہیں کہ تصوف ایک برق ماسوا سوز ہے نیز فرماتے ہیں کہ تصوف حواس کو ضبط کرنے اور انفاس کی رعایت کرنے کو کہتے ہیں۔ تصوف سے صوفی نہیں ہوتا تاوقتیکہ خلق کو اپنا عیال نہ سمجھے ابوالحسن حصیری سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا مذہب ہے آپ نے فرمایا کہ پہلے حنفی تھا پھر شافعی ہوا یاد ہی نہیں آتا۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہے اب ایسی چیز میں مشغول ہوں کہ کوئی مذہب نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تصوف پھر

پوچھا کہ تصوف کیا ہے آپ نے فرمایا کہ دونوں جہان میں بلاحق کے کسی چیز سے آرام و آسائش نہ ملے۔

حضرت سید نجم الدین قلندر غوث الدہر قدس سرہ فرماتے ہیں کہ تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کو کہتے ہیں۔

چونکہ علم تصوف جامع ہے تمام سب کا اس لیے اس کے مراتب بھی تین ہیں۔ اول مرتبہ واصلین و کاملین کا جو طبقۂ اعلیٰ ہے دوسرا مرتبہ سالکین کا جو طبقہ وسطیٰ ہے تیسرا طبقۂ مقیمین کا۔

تصوف مشتق ہے صفا سے۔ شریعت طریقت حقیقت شریعت ایک ایسی صراطِ مستقیم ہے جس کے اتباع سے انسان خصائل ذمیمہ سے نکل کر اخلاقِ حمیدہ تک پہونچتا ہے۔ اس شریعت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ظاہر میں عوام مومنین شریک ہیں اور باطن خواص کو نصیب ہے شریعت ابتداء مقام اور حقیقت انتہاے مقام کا نام ہے جو مقصود اصلی ہے اور درمیانی منازل و مراتب کا نام طریقت ہے اور ان میں سے ہر ایک کے تین تین مراتب ہیں ابتدا و اوسط و انتہا جملہ نو مراتب ہوئے ہر مرتبہ میں بسبب ریاضت کے ایک حالت اور کیفیت ہوتی ہے۔

ابتداء میں شریعت اسلام تقلیدی ہے یعنی انسان لوگوں سے سُن کے خدا کی وحدانیت کا قائل ہو جاتا ہے اوسط شریعت اسلام استدلالی ہے کہ انسان بزور عقل و علم خداوند تعالیٰ کے لاشریک ہونے کو برہان عقلی سے ثابت کرتا ہے اور مرتبۂ عامی تقلیدی سے کرتا ہے۔

سالک جب طریقت میں قدم رکھتا ہے تو علم اس کا متحرک ہو کر اولاً حجابات غفلت دور کرتا ہے اور مقصود کی تلاش کے درپے ہوتا ہے اسی کا نام فکر ہے یہیں پر انتہاے مرتبہ شریعت سے سالک ترقی پاکر حصول مقصود کی فکر میں لگا رہتا ہے اور یہی طلب طریقت کی پہلی منزل ہے۔

اس مرتبہ میں سالک کا اسلام ایمان ہو جاتا ہے۔ یہ طریقت کی دوسری منزل ہے پھر جب سالک اس مقام میں قائم اور ثابت قدم رہتا ہے تو عقل اس کی علم سے مبدل ہو جاتی ہے اور علم نور سے یہاں پر سالک کو مقصود کی جھلک معلوم ہوتی ہے اور ایمان ایقان ہو جاتا ہے۔ یہ انتہائے مقامِ طریقت ہے۔ یہ حقیقت کا پہلا زینہ ہے جب سالک اس مقام پر ٹھہر جاتا ہے تو آتش عشق بھڑک اٹھتی ہے اور نور علم علم نور علیٰ نور کے مثل ہو جاتا ہے۔

عقل علم میں علم عشق میں عشق عاشق میں عاشق معشوق میں فانی ہو جاتا ہے، حاصل یہ کہ شریعت پوست طریقت اور طریقت پوست حقیقت ہے۔

پیش لفظ

حمداً لِلّٰہِ وَ شُکراً

وَصَلاۃ وَ سَلاماً عَلیٰ سیدنا مُحمّدٍ وآلِ سَیّدنا مُحمّدٍ دَآئِماً اَبَدَاہ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ عَلیٰ الذَّاتِ عَظِیم الصِّفَاتِ رَفِیع الدَّرَجَاتِ خَالقِ الکَائناتِ وَالتَّحیَاتُ وَالتسیِمَاتُ عَلیٰ سَیّدِنَا مُحَمّدٍ صَاحِبِ المُعجزات البَاہِرَاتِ وَدَاعِیاً اِلیٰ اللّٰہِ باقصیٰ الغایات وَ عَلیٰ آلِہ واَصْحَابہ مَنبعِ البَرکَاتِ وَالحَسَنَات

تمام تعریفیں اُس بابرکت خالقِ کائنات اور اس کے حبیب ہمارے آقا جناب سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ ان برکات والے جملوں سے ہم اس کتاب ''فرہنگ تصوف'' کا آغاز کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائیں۔

۱۵/مارچ ۱۹۸۶ء سے ۲۶/ستمبر ۲۰۱۵ء تک اس عاجز نے دفتر ہٰذا میں ایک لُغت نویس کی حیثیت سے خدمات انجام دیں میرے استادِ محترم ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے مجھے اس راستے پر لگا دیا تقریباً تیس سال کی لُغت نویسی کے درمیان ۱۸۹۲ء میں شائع ہونے والی ایک کتاب مصباح التعرف لارباب التصوف جو مطبع ریاست رام پور سے شائع ہوئی تھی کو محفوظ کرنے کی نیت سے اس کام کا آغاز ہوا بحیثیت لُغت نویس میں نے محسوس کیا کہ وہ الفاظ جن کے معنیٰ عام آدمی کے لیے کچھ ہیں وہ تصوف میں آ کر کچھ اور ہو جاتے ہیں۔ اسی دوران ایک دوسری کتاب اصطلاحات صوفیہ حضرت خواجہ شاہ محمد عبدالصمد صاحب کی دیکھی یہ ایک اچھی کتاب تھی۔ یہ کتاب ۱۹۲۹ء میں دہلی سے شائع ہوئی۔ ایک لُغت نویس کی نظر سے اس میں کمی یہ تھی کہ ترتیب میں نہ ہونے کی وجہ سے میری معاون محترمہ تبسم اختر ہاشمی جو ہمارے دفتر کی انتہائی ذہین اور محنتی خاتون ہیں نے اس کتاب کی ترتیب انتہائی محنت سے کی ایک ایک لفظ کو ترتیب دینے میں تبسم صاحبہ نے جو محنت کی اس کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔

یہ کتاب مطبوعہ دلّی پرنٹنگ ورکس دہلی سے جنوری ۱۹۲۹ء میں طبع ہوئی۔

میری ایک اور رفیق کار محترمہ نزہت سیما نے میرے اس کام کی دل چسپی کو دیکھتے ہوئے ایک ایسی کتاب کی نشان دہی کی جس کا نام سر دلبراں تھا یہ حضرت شاہ سید محمد ذوقی کی کتاب تھی جس میں اصطلاحاتِ تصوف پر تشریحی بحث کی گئی تھی۔ میرے خیال میں تصوف پر اس سے زیادہ مستند کوئی دوسری کتاب میری نظر سے نہیں گزری یہ کتاب ۱۹۵۲ء میں پہلی بار شائع ہوئی تھی ۲۰۱۵ء تک اس کے آٹھ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

سِرّ دلبراں حضرت شاہ سید محمد ذوقی نے اصطلاحات تصوف پر تشریحی بحث کے ساتھ مرتب کی ۱۹۵۲ء عیسوی میں پہلی بار شائع ہوئی طبع ہشتم ۲۰۱۵ جناب طارق نذیر صاحب نے بہت تعاون کیا۔

اس طرح تقریباً ساٹھ سال کے عرصے میں شائع ہونے والی ان تین کتابوں کو میں نے محفوظ کیا ہے اس یقین کے ساتھ کہ شاید سو سال بعد پھر اس موضوع پر کوئی اس سے فائدہ بھی اٹھائے گا اور یہی اس کا حق ہو گا۔اس کام کے آغاز میں مصباح التصرف کے ساتھ اُردو لُغت کی پہلی جلد سے مدد لی جس میں بہت سے الفاظ بھی شامل ہو گئے جو تصوف کی اصطلاح نہیں تھے بعد میں اسے نکالنے کی کوشش نہیں کی اس لُغت کے آخری حرف ی پر کام کرتے ہوئے دل میں خیال آیا کہ لفظ یوم دن ایک دن یا ایک ساعت قرآن میں جا بجا استعمال ہوا ہے تو کیوں نہ ان لفظوں کے تحت حروف کو بھی شامل کر لیا جائے جو اہل ذوق کے لیے مفید ہوں گے۔

اس کتاب کی کمپوزنگ کے سلسلے میں جناب سید معراج علی نواب کی انتہائی محنت کا معاوضہ تو ادا نہیں کیا جا سکتا مگر وہ میرے لیے نہ صرف عزیز ہیں بلکہ میری خاص دعاؤں میں ہمیشہ شامل رہتے ہیں اور رہیں گے۔

ہمارے عزیز دوست سید عامر عالم رضوی جو ہر دل عزیز ہیں کیوں کہ انھوں نے دفتر کے ہر ساتھی کے لیے انتہائی اخلاص سے وہ خدمت کی ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی بے شک میرے جدِ المرشد اعلیٰ حضرت صوفی شاہ محمد فاروق رحمانی کے قول کے مطابق سید عامر عالم رضوی دعا لینے والوں میں سے ہیں۔

ہمارے دفتر کے دیرینہ ساتھی ارشد محمود کا بھی میں انتہائی ممنون ہوں کہ ان کی شادی میں شرکت سے میرے لیے پاک پتن جانے اور حضرت بابا مسعود فرید گنج شکر کی حاضری میری زندگی میں تبدیلی کا سبب بنا۔ میرے عزیز دوست اخلاق احمد خان جو معروف افسانہ نگار اور سینئر صحافی ہیں انھوں نے اس کتاب کے صفحات کے پروف کو اخلاص کے ساتھ پڑھا۔

مفتی مسعود احمد صاحب جو ''جامعہ دار العلوم کورنگی'' سے فارغ التحصیل ہیں اور مسجدِ نور میں نائب امام اور خطیب ہیں ان کے مفکرانہ خطاب اور علمیت نے مجھے اس بات پر القاً کیا کہ میں ان سے اس کتاب کی تدوین اور نظرثانی کی درخواست کروں مولانا نے انتہائی اخلاص سے اس پر نظرثانی کی میں سمجھتا ہوں کہ اب یہ ایک مستند کتاب ہو گئی ہے۔

حرف آغاز

تصوف کے بیان میں☆

میرے بھائی شمس الدین ۔ کہ تصوف کا ضابطہ اور قانون دیرینہ ہے ۔اس پر پیغمبروں اور صدیقوں کا عمل رہا ہے ۔ بری عادتیں اور زمانے میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں ان کی وجہ سے زمانے والوں کی آنکھوں میں صوفیوں کا حال برا دکھائی دیتا ہے ۔تصوف تو دین و ایمان کی جان ہے ۔ اہل طریقت کے یہاں تصوف کی تین قسمیں ہیں ۔صوفی ، متصوف اور مشتبہ ۔ صوفی وہ ہے جو اپنی ہستی فنا کر چکا اور اللہ کے ساتھ باقی ہے ۔خواہشاتِ نفسانی کے قبضے سے باہر اور حقائق موجودات کا ماہر ہے ۔متصوف کی یہ شان ہے کہ ریاضت و مجاہدہ میں اس لیے مصروف و سرگرم رہتا ہے کہ صوفیوں کے مراتب حاصل کر سکے ۔ اور قدم بہ قدم ان کی راہ چل کر اپنے معاملات ان کے ساتھ درست کرنا چاہتا ہے۔ اور مشتبہ کی یہ حالت ہے کہ اس میں صورۃً تو صوفیوں کے اکثر عادات ہوں ، مگر۔ روزہ ، نماز ، درودو وظائف ذکر و اشغال یا اور کوئی عمل وہ اس غرض سے نہیں کرتا کہ اللہ تعالےٰ سے ملے۔ بلکہ ان تمام آرائشوں کا مقصد جاہ طلبی اور حظوظ نفسانی ہے۔

شریعت کا فتوٰی یہی ہے کہ مَن تَشَبَّہَ بِقَوم فَھُوَمِنھُم ، جس نے کسی قوم کی روش طریقہ اختیار کیا اس کا شمار اسی قوم میں ہوگا ۔ بہر حال اگر تصوف کی ابتدا پر غور کروگے تو اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ہی سے پاؤ گے ۔اس عالم میں پہلے صوفی حضرت آدم علیہ السلام ہیں ۔ ان کو حق تعالےٰ نے خاک سے پیدا کیا ۔ پھر اجتباء اور اصطفاء کے مقام پر پہنچایا ۔ خلافت عطا فرمائی ۔ پھر صوفی بنایا ۔ان خاص معاملات کو اشارات کے طور پر سنو کہ کس طرح صوفی بنائے گئے ۔ مرید کو آغازِ ارادت میں چلّہ کرنا پڑتا ہے ۔ اول اول طایف و مکہ کے درمیان میں چلہ کیا ترجمہ :''میں نے اپنے ہاتھ سے آدم کی مٹی کو چالیس دنوں میں خمیر کیا ۔'' جب یہ تجرید کا چلّہ ختم ہو چکا تو حق سبحانہ نے اس میں روح عنایت فرمائی ۔ اور عقل و دانش کا چراغ اس کے دل میں روشن کر دیا پھر کیا ، دل سے زبان تک وہ باتیں آنے لگیں کہ منہ سے انوار و اسرار کے پھول جھڑنے لگے ۔ جب آپ نے اپنا یہ رنگ دیکھا تو مستی میں جھوم گئے ۔ خدا کا شکر و احسان بجالائے ۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہٗ وآلہٖ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے ترجمہ :''جس نے خلوص قلب کے ساتھ چالیس دن خدا کے لیے خاص کر دیے اللہ تعالی اس کی

زبان اور دل سے حکمت کے چشمے جاری فرمائے گا۔ پھر آپ نے بجا آوری شکر و احسان کے بعد آسمان کا قصد کیا۔ اور پہلے ہی جلوس میں ملائکہ کے سجود کی سلامی گزری۔ آپ کو اول خلافت میں یہ اعزاز مرحمت ہوئے۔ پھر اُٹھ کھڑے ہوئے اور مسافروں کی طرح بہشت کا قصد کیا۔ اور تمام بہشت کو دیکھا بھالا۔ یہاں کے رموز و اسرار سے آگاہی حاصل کی۔ کہا گیا کہیں اپنے جی سے کوئی بات نہ کر لینا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنا۔ ذرا سنبھل کے چلنا۔ مرید کو خود کوئی اختیار نہیں۔ آپ نے سب کچھ سن لیا۔ مگر از خود رفتگی اور انبساط کے عالم میں روکے نہ رُکے، جرات کر بیٹھے۔ پھر کیا تھا، غیب سے شمشیر عتاب کھنچی اور عَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَویٰ جان و دل سے اس کام میں لگ گئے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ''اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔''

صوفیوں کے استغفار کی اصل یہیں سے شروع ہوتی ہے جو کچھ اسباب خواجگی مرحمت ہوا تھا سب چھین لیا گیا۔ خلعتِ خلافت اتار لیا گیا۔ اب جسم ننگا بے ستر تھا اور زبان پر استغفار۔ کہا گیا، اے آدم، اسی مفلسی اور ذلت کے ساتھ دنیا کا سفر کر کیونکہ مرید کے لیے ضروری شرط ہے کہ جب اس سے کوئی لغزش صادر ہوتی ہے تو اس کو سفر کرنا پڑتا ہے۔ حضرت آدم نے تنہا دنیا کے سفر کا قصد کیا۔ جسم ننگا تھا حکم ہوا اے آدم ہر ایک درخت سے ایک پتا بھیک مانگ۔ تین پتے آپ کو ملے ان کو سی کر گدڑی بنالی۔ اسے پہن کر خود کو چھپا لیا اور اس خاکدان دنیا میں تشریف لائے مگر تین سو برس تک روتے رہے۔ پھر دریائے رحمتِ خداوندی جوش میں آیا اور درجہ اصطفا عطا گیا۔

اِنَّ اللّٰـہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَم اب کیا تھا تصفیۂ کامل ہوگیا۔ صوفی صافی بن گئے۔ وہ مرقع جو دریوزہ گری کے بعد پہنایا گیا تھا۔ آپ اس کو نہایت عزیز رکھتے تھے۔ آخر عمر میں وہ مرقع حضرت شیث علیہ السلام کو آپ نے پہنا دیا (یہ وہ مترشح شریعت تھا)۔ اور خلافت بھی سپرد کی۔ چنانچہ نسلاً بعد نسل اسی طریقہ پر عمل ہوتا رہا۔ اور تصوف کی دولت ایک نبی سے دوسرے نبی کو یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہی۔

صوفیوں کا یہ بھی معمول ہے کہ کسی خاص جگہ پر بیٹھ کر آپس میں مل جل کر راز و نیاز کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ صوفی صافی اول حضرت آدم علیہ السلام کی اس خلوت در انجمن کے لیے خانہ کعبہ کی بنیاد پڑی۔

دنیا میں پہلی خانقاہ کعبہ مکرم ہے۔ اس سے پہلے کسی خانقاہ کا وجود نہ تھا۔ خرقہ اور خانقاہ کی اصل حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے قائم ہوئی۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام نے دنیا میں صرف ایک کمل پر اکتفا کیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے خود ہمیشہ وہی ایک کمل رکھا جو پہلی ملاقات میں حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو عنایت فرمایا تھا (جو حضرت شعیب علیہ السلام کے تفکر کا نتیجہ تھا)۔

طریقت میں پیر کے لیے بہت بڑی شرط یہ ہے کہ مرید کو اپنا خرقہ پہنانے کے لائق بنا دے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ جامہ صوف پہنا کرتے تھے۔ خانقاہ کی تاریخ تو معلوم ہو چکی۔ اسی بنا پر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے بیت المقدس کو خانقاہ بنایا۔ چنانچہ اور اور ملکوں میں بھی خانقایں بنائی گئیں جن میں عبادتیں کی جاتیں۔ اور اسرار الٰہیٰ کا بیان ہوا کرتا۔ پھر جب دور مبارک حضرت سیدنا ونبینا سلطان الاولیاء والانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپہنچا حضور نے اسی طرح کمل اختیار کیا۔ مِلَّةَ اِبِیکُمْ اِبْرَاهِیمَ (تمہارے باپ ابراہیم کا یہی طریقہ رہا۔ اور ان کی روش بھی یہی رہی) اور اسی خانقاہ کعبہ کا قصد کیا۔ علاوہ اس کے خود مسجد نبوی میں ایک گوشہ معین کر دیا۔

اصحاب میں وہ گروہ جو سالکانِ راہِ طریقت بعنوان خاص تھا، ان سے وہیں راز کی باتیں ہوا کرتیں ان میں بعض پیر تھے اور بعض جوان۔ جیسے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت سلمان، حضرت معاذ و بلال و ابوذر و عمار رضی اللہ عنہم۔ ان حضرات کو خاص خاص اوقات میں آپ وہاں بٹھاتے اور اسرار الٰہیٰ کی باتیں کرتے۔ ایسی ایسی باتیں ہوا کرتی تھیں کہ بڑے بڑے فصحائے عرب اور عام صحابہ اس کے مغز تک پہنچ نہیں سکتے تھے۔ اس خاص جماعت صوفیہ کے لوگ قریب قریب ستر اشخاص تھے۔ حضرت مہتر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی معمول تھا کہ جب کسی صحابہ کی عزت وتکریم فرماتے تو ان کو ردائے مبارک یا اپنا پیراہن شریف عنایت فرماتے۔ صحابہ میں وہ شخص صوفی سمجھا جاتا تھا۔ اب تم جان سکتے ہو کہ تصوف اور طریقت کی اوّل اوّل ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، اور اس کا تتمہ جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اب زیادہ طول کی ضرورت نہیں۔ بہر حال اس مکتوب کو دیکھ کر تمہارے دل میں شاید یہ خیال گزرا ہو کہ کہاں ہم اور کہاں تصوف، تو سمجھ لیجیے کہ اس طرح کی بے دلی ہرگز مناسب نہیں۔ دل کو قوی رکھو، اپنی مفلسی پر مطلق نظر نہ رکھو۔۔ کارخانہ الٰہی محض فضل وکرم پر موقوف ہے، کسی کے عمل پر نہیں۔ تم دیکھتے نہیں کہ راکع وساجد کتنے ہزار تھے، تسبیح وتحمید گو کئی لاکھ تھے، متجر ان اسرار کی کتنی تعداد کثیر تھی، سوختگان عظمت وجلالت کے افراد کس قدر تھے۔ لیکن ہوا کیا۔ آخر یہی نا کہ خاکِ ناچیز سے ایک قوم بے باک پیدا کی گئی۔ اور سب عابد ومطیع پر اس کو افضلیت حاصل ہوگئی۔

اس بات کو دیکھو تو سہی کہ خطاب اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (اے مشتِ خاک، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) یہ کون سی خدمت کا صلہ اور کون سی شفاعت کی بدولت ہوا۔ حق تو یہ ہے کہ جس طرح لطف کام کر رہا ہے، اسی طرح قہر بھی اپنے کام میں سرگرم ہے۔ والسلام۔

☆ حضرتِ شیخ شرف الحق احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات "مکتوب صدی سے انتخاب"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ا

ا : اللہ کے لیے لفظ الف .اللہ کا مخفف، ذات احدیت جو اوّل الاشیا ہے۔ اسم ذات جمیع صفات کمال ، الآزال میں ۔
اللہ کا پہلے الف سے احدیت مراد ہے جس میں کثرت گم ہے ۔ پہلے لام سے مراد جلال کیوں کہ جلال کو ذات سے زیادہ قرب ہے بمقابلہ جمال کے ۔ دوسرے لام سے مراد جمال مطلق ہے ۔
الف جو تلفظ میں ہے اس سے مراد کمال ہے اور ہ سے مراد ہویت ہے دائرہ ہ کوحق سے تشبیہ دی جائے گی گویا ہ کے گول ہونے سے وجود حقی وخلقی کی چکی کا انسان پر گھومنا یہ ایک لطیف اور کھلا اشارہ ہے ۔

اب/ابوالارواح : مراد روح محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جو روح کل ہے اور مبدء تخلیق کیونکہ بعد ظہور نور محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تخلیق شروع ہوئی ۔

اِباحت : جواز ،شرعی اجازت ،شریعت میں کسی چیز کا جائز یا حلال ہونا.

اِباحتی : وہ شخص جو حرام و حلال کا قائل نہ ہو ، فرقہ اباحیہ کا پیرو.

اِبتداع : بدعت احکام شریعت میں کوئی نئی چیز شامل کرنا جو اصل شرع نہ ہو.

اِبتہال : گریہ وزاری کے ساتھ دعا بارگاہ الٰہی میں ، رجوع قلب و عجز وانکسار

اَبد : ازل کے مقابل دوام ، ہیشگی جس کی انتہا ذات کے لیے نہ ہو؛ جیسے کہ ابتدانہیں ویسے انتہا بھی نہیں۔ ابد سے مراد بعدیت خدا جو کہ سمجھی گئی ہے.

ابداع : انعال الٰہی کا پہلا مرتبہ یعنی بغیر مادہ و مثال کے اور بلا کسی ذریعہ یا وسیلہ کے کسی چیز کو پیدا کرنا اور مدت اور آلہ ، غرض مقصد ، حرکت اور قوت کے محتاج ہیں۔ اللہ ان باتوں سے مستغنی ہے۔
جیسے اللہ نے عقل کو بلا کسی واسطے کے خلق فرمایا انعال الٰہی کے جملہ مراتب میں پہلا مرتبہ ابداع ہے اللہ کا کوئی شریک نہیں افعال انسانی مادہ اور مدت اور آلہ غرض اور مقصد حرکت اور قوت کے محتاج ہیں ۔
حق تعالیٰ ان تمام باتوں سے مستغنی ہے نیز عقل اول جو مسمّیٰ ہے قلم سے اور مظہر ہے ابداع کی ۔ بلا کسی واسطہ کے خلق فرمایا۔

ابدالآباد: اول سے آخر، ازل سے ابد، ابتداء سے انتہا تک بلکہ لاانتہا۔

اَبدالآدہر : ہستی کی انتہا ، قیامت تک کا ، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ۔

اَبدال : ابدال ، انہیں بدلاء بھی کہتے ہیں ۔ چالیس اور بعض کے نزدیک ستر یا سات اولیاء کا ایک گروہ جن سے ہفت اقلیم کی نگرانی کی جاتی ہے۔ یہ جو شکل چاہتے ہیں بدل لیتے ہیں اور جہاں سے سفر کرتے ہیں وہاں ایک شخص اپنی صورت کا چھوڑ دیتے ہیں۔ جب ان میں سے کوئی مر جاتا ہے تو اللہ کے حکم سے دوسرا شخص اس جگہ مامور ہو جاتا ہے ابدال اسی لیے کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کی برائیاں نیکیوں سے بدل دی ہیں ۔
ابدال برقلب حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی برکت سے بلیات خلق سے دور ہوتی ہیں ، تین سو پچاس ابدال بعض روایت سے ۴۰۴ ہیں جو مختلف انبیاء کے مشرب پر ہوتے ہیں اور مختلف خدمات جن کی تفویض میں رہتی ہے ۔

(۱) ابدال اقلیم اول برقلب حضرت ابراہیم علیہ السلام نام عبدالحیٔ ۔

(۲) ابدال اقلیم دوم برقلب حضرت موسیٰ علیہ السلام نام عبدالعلیم۔

(۳) ابدال اقلیم سوم برقلب حضرت ہارون علیہ السلام نام عبدالمرید۔

(۴) ابدال اقلیم چہارم برقلب حضرت ادریس علیہ السلام نام عبدالقادر۔

(۵) ابدال اقلیم پنجم برقلب حضرت یوسف علیہ السلام نام عبدالقاہر۔
(۶) ابدال اقلیم ششم برقلب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نام عبدالسمیع۔
(۷) ابدال اقلیم ہفتم برقلب حضرت آدم علیہ السلام نام عبدالبصیر۔

اَبدان زاکیہ: جو آمیزش بشریت سے پاک ہیں؛ جیسے: ملائکہ۔

اَبر: ا. وہ حجاب جو مراتب کے حصول میں مائل طالبین کے لیے لطف انگیز اور بنابریں محرومی تجلی حق کا باعث ہو۔
حجاب جو حصول مطلب میں حائل ہو وصول الی اللہ میں سدّ راہ ہوں۔
۲. اکثر طالبین اس کے لطف میں محو ہو کر تجلی جلالی حق کے منکر ہو جاتے ہیں اور کمال سے محروم رہتے ہیں۔

اِبرا: کسی مرض سے شفاء پانے کا عمل۔حضرت عیسیٰ کے معجزے میں سے۔

اِبرار: پرہیزگار اور نیک لوگ، اصفیاء۔ وہ گروہ اولیا جو تقویٰ اور عبادات اختیار کرتا ہے؛ ترجمہ: ''بے شک ابرار جنت میں جائیں گے''، ابرار جو احکام شریعت، معمولات اور عبادت میں ریاضت اور مجاہدہ نفس کی نفی کر کے واصل بحق ہوتے ہیں، چالیس ابرار ابدال کہلاتے ہیں۔

اَبرو: ا. چشم کا ایک جز ہے۔ ابرو صفات کو کہتے ہیں، صفات الہیہ، وہ تجلی جو الہام غیبی یا کلام کی صورت سالک کے دل پر بطور تجلی الٰہی وارد ہوتی ہے۔
۲. ابرو اشارہ ہے مرتبہ قاب وقوسین کی طرف ابرو دو کمانوں کے مشابہ ہیں اور آنکھ سے اُنھیں قرب ہے۔
سالک کے اپنے مرتبہ سے بوجہ قصور کے گر جانے کو ابرو کہتے ہیں۔
۳. ابرو کی حرکت سے کبھی کوئی اشارہ بھی کردیا جاتا ہے اس بنا پر ابرو سے کبھی الہام غیبی مراد ہوتا ہے جو سالک کے دل پر وارد ہوتا ہے

ابطن کل باطن و بطون: مراد اس سے وہ حقیقت جو عالم غیب میں ہے کی طرف ہے یعنی غیب ہویت ہے یہاں پر غیب ہویت کی طرف مضاف ہے یعنی ہویت کا غیر مرتبہ ہویت خود غیب ہے غیب الغیب اس کا ذات ساذج (ساذج معرب ہے سادہ کا) ہے۔

ابطن الظهورات: اس سے تجلی اوّل مراد ہے یہیں سے ذات کا ظہور ہے اور اسی کو احدیت بھی کہتے ہیں۔

اِبلیس: یہ نفس کی جہت جلالی و گمراہی کا مظہر ہے ابلیس کے وجود میں ننانوے مظاہر ہیں ان میں سات مظاہر بطور اصل ہیں (۱) دنیا و مافیہا (۲) شہوات (۳) عجب (۴) ریا (۵) علم (۶) طلب راحت (۷) معارف الہیہ جو اولیا اللہ پر ظاہر ہوتی ہے۔
ابلیس کے پاس گمراہ کرنے کے یہ آلات ہیں ا. غفلت یہ اس کی تلوار ہے.۲۔شہوت یہ اس کا تیر ہے.۳۔ ریاست یہ اس کا قلعہ ہے.۴۔ جہل اس کی سواری ہے.۵۔لہو ولعب.۶۔عورتیں اس کا لشکر ہیں۔

اِبن اللہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے خدا کا بیٹا عیسائیوں کا عقیدہ۔

ابن الوقت: وہ صوفی جو وقت کا تابع ہو۔ حال کا آنا جانا اس کے اختیار میں نہ ہو اور حسب مقتضائے وقت عمل کرے۔
اسے مغلوب الحال اور صاحب تلوین بھی کہتے ہیں۔

اَبوالاجساد ابوالبشر: حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام۔

ابوالحال: شیخ مکمل جو خود بھی کامل ہو اور دوسرں کو بھی کامل بنا دے۔

اَبوالانبیاء: نبیوں کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کی نسل میں سلسلۂ نبوت نبی کریم ﷺ تک پہنچا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہیں۔

ابوالائمہ: اماموں کے باپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ اور ان کی نسل میں نو اماموں کے باپ دادا اور پردادا تھے۔

ابوالقاسم: حضور نبی کریم ﷺ کی کنیت، قاسم بانٹنے والا (ایمان کی دولت).

ابوالوقت: جو قوت اور حالات کو مغلوب کرے، حاکم وقت، صوفی کامل، قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں، وقت بغیر ان کے ارادے کے نہیں گزرتا۔
وہ منتہی صوفی جو تابع حال نہ ہو اور حال کا آنا اور قائم رہنا اور چلے جانا اس کے اختیار میں ہو اسے ابوالحال اور صاحب تمکین بھی کہتے ہیں۔

ابوبکر: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوست، جب صدیق اکبرؓ کی عمر اٹھارہ سال تھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیس سال کے تھے عیسائی راہب نے ان کے نبی ہونے کی اطلاع دی اس کے بعد

حضرت ابوبکر صدیقؓ ہر لمحے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے، مردوں میں ایمان لانے والے سب سے پہلے مرد، واقعہء معراج کی تصدیق کرنے پر صدیق کا لقب ملا۔
پہلوئے رسول ﷺ میں مدفن ہیں۔
ابوتراب: حضرت علیؓ کی کنیت۔ مسجد میں زمین پر خاک آلودہ دیکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نام سے آپ کو پکارا۔
اِتباع: اطاعت، تقلید، پابندی۔
اتحاد: ا. اس کو کہتے کہ دو کا ایک ہوجانا اور یہی وجود مطلق کا شہود ہے اس طرح پر کہ تمامی موجودات اور افراد عالم حق ہی سے موجود ہیں پس تمامی موجودات حق کے ساتھ متحد ہیں اس اعتبار سے کہ وجود انکا حق ہی سے ہے اور وہ معدوم بنفسہ ہیں نہ اس اعتبار سے کہ عالم اور افراد کے واسطے علیحدہ کوئی وجود فی نفسہ مستقل ہے اور متحد ہے حق کے ساتھ۔
۲. اتحاد حق سبحانہ تعالیٰ کی ہستی میں سالک کے مستغرق ہونے کو کہتے ہیں۔ دوسرے معنی کہ وجود مطلق کا اس طرح مشاہدہ ہو کہ تمام موجودات و افراد عالم میں غیریت نظر نہ آئے سالک کا حق کی ہستی میں مستغرق ہونا۔
اتحاد الذات بالاسماء و الصفات: مرتبہ واحدیت مرتبہ ذات کا تفصیل اسما و صفات کے ساتھ اور اس میں صور علمیہ کہ مراد اعیان ثابتہ سے ظاہر ہوتے ہیں اتحاد اسی تمام کثرت کی اصل اور سب کا منشا ہے۔
اتحاد الشریعت و الحقیقت: یہ اتحاد اس طرح پر ہے کہ شریعت عین حقیقت ہے اس لیے کے وہ بہ امر حق واجب ہوئی کمال اسما و صفات کی تفصیل و ترتیب اسی سے ہے۔
حقیقت عین شریعت کے لیے معرفت ضروری ہے، تفسیر ابن عباسؓ ہے جب تک اصل سے واقفیت نہ ہو فروعات پر عبور واقعی غیر ممکن ہے بلکہ ان کی حقیقت و محل نہ پہچاننے سے غلطی میں پڑ جانے کا اندیشہ اور پھر اصرار کی صورت میں ضلالت میں پڑ جانے کا احتمال قوی تر ہو سکتا ہے۔
اِتصاف: ذات و صفات حق سے متصف ہونا کیونکہ حقیقتاً ذات و صفات حق تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور بندے کی ذات و صفات اعتباری اور مجازی ہیں اس کا وجود اور صفات حق کے وجود اور صفات کا ظل ہیں۔
اِتصال: ا. پیوستگی، یکجائی جملہ اعتبارات کا ذات احدیت میں گم ہونا مشاہدہ معیت حق بندے کا حق تعالیٰ کو اپنے سے متصل پانا۔ نفس رحمانی کا علی الدوام بلا انقطاع اپنے سے اتصال پانا۔
۲. بندہ تقلید سے قطع نظر کر کے اپنی ذات کو وجود حق سے متصل دیکھے ایسا کہ اپنے وجود کی اضافت بھی حق کے وجود کی طرف نہ کرے جو دوئی کو مستلزم ہے پس اس وقت وہ وجود حقانی اور نفس رحمانی کو ہمیشہ اپنی طرف بلا انقطاع دیکھتا ہے جسکے سبب سے اس کا وجود باقی رہتا ہے۔ محب کے وجود کا فنا ہوکر ذات محبوب میں جذب ہو جانا اور بقائے دوام حاصل کر لینا ہے عارف کامل۔
اتصال الاعتصام: اس سے مراد شہود حق ہے۔ حالت تفرید میں یعنی شہود و منفرد بلا بشرط شے۔
اِتصال الانفصال: مرتبہ رویت، وحدت فی الکثرۃ جس کو کثرت میں وحدت کی دید ہو وہ بڑا عارف اور بڑا مشاق ہے۔
اِتصال الشہود / الشہودی: ا. سقوط حجاب بالکلیہ یعنی حجاب کا بالکل مرتفع ہو جانا۔
۲. اتصال شہودی میں دل کے قفل اور گرہیں کھل جاتی ہیں اور سربستہ راز منکشف ہو جاتے ہیں۔
اِتصال الوجود / الوجودی: ا. اتصال وجود حق بالتزیہ عین تشبیہ میں اس طرح پر کہ وہ تمام معلومات کا عین ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ معلومات اسی کے اور اسی سے ہیں اور پھر عین توجہ الی العلم کی حالت میں بحیثیت عالم ہونے کے ہر معلوم سے ماوراء ہے کیونکہ عالم کا شمار معلومات میں نہیں ہوتا۔
۲. اتصال وجودی میں محب محبوب کی صفات تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔
اِتقا / اِتقیٰ: ممنوعات اور محرمات شرع سے اجتناب، زہد، خدا خوفی۔
اتقیاء: خدا کا خوف کرنے والے لوگ اولیا اللہ، اللہ کے دوست۔
اِتمام حجت: سمجھانے کی آخری کوشش، آخری دلیل، فیصلہ کن بات۔
اتہام التوبہ: اپنے نفس کا حالت توبہ میں کسی خیال کے ساتھ متہم کرنا۔

اتہام الطاعت: اس سے مراد نفس کے خطرات سے توبہ کرنا۔
اتیان: عمل میں لانا، بجالانا؛ جیسے: معجزہ خلق اس کے اتیان سے عاجز ہے۔
اِثبات: ا. حق کا ظہور اور خلق کا مخفی ہونا۔
۲. حکام عبادات کا قائم رکھنا، احکام کی پابندی جو اللہ سے ملاتی ہیں بشریتی صفات کی نفی۔
اِثبات الحقیقت: حق اثبات عین میں اور خلق کا تعین میں اس حیثیت سے کہ حق منفرد مع الخلق نہیں اور نہ خلق مع الحق اس کو اثبات خلاصۂ اہل الخصوص کہتے ہیں۔
اِثبات الخصوص: اثبات حق اور نفی ما سوائے حق۔
اِثبات المواصلات: احکام عبادت کا قائم رکھنا۔
اَثر: ا. اسماء و صفات کے جمال و کمال کے مظاہر مثلاً معلومات اسم علیم کے اور مرحومات رحمت کے آثار ہیں۔
۲. اصول حدیث کسی صحابی یا تابعی کا قول یا فعل حدیث موقوف یا مقطوع۔
اثر الامر: امر الٰہی کے تین مراتب ہیں۔
ا. حقیقت الامر علم ذاتی کل چیزوں پر اسے علم الٰہی بھی کہا جا سکتا ہے۔
۲. اثرالامر جبرئیل علیہ السلام ہیں امر الٰہی یہ خدمت ان کے سپرد ہے امر الٰہی کا اثر یہ ہے کہ اجسام کو حرکت ہو اور روح کی پیدائش ظہور میں آئے امر کی حقیقت الٰہیت سے ہے اور امر کا اثر ربوبیت سے روح امر ربی ہے۔ امر کے آثار یہ ہیں کہ احکام الٰہی کی تبلیغ ہو۔
۳. صورت الامر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ علم الٰہی ارادۂ الٰہی اور احکام الٰہی آپ کی صورت ہیں۔
اَثرہ: بعض مستحقین کو نظر انداز کر کے بعض کو ترجیح دینے کا عمل، ایک مستحق کو دینا دوسرے کو نہ دینا۔
اَثم: گناہ، اخلاقی یا مذہبی جرم جس سے شرعاً اور طبعاً بچنا چاہیے۔
اِجابت: دعا کی قبولیت، دعا مقبول ہونا۔
اِجابت امتثال: خلق کا قبول کرنا جس وقت کہ حق تعالیٰ ان کو اپنے طرف بلائے۔
اِجابت اِمتنان: خداوند تعالیٰ کا قبول کرنا جب خلق اس کو پکارے۔

اِجازت: ازروئے مذہب جواز کسی عمل کا اختیار یا آزادی۔
مرشد کی طرف سے بیعت لینے کا نیز تلقین اور ارشاد ہدایت کرنے کی اجازت، کسی بزرگ یا عامل کا کسی شخص کو کوئی وظیفہ بتانا اور اس کے پڑھنے یا کام میں لانے کا اختیار دینا۔
اجازت مطلقہ: مستقل اجازت مرشد کا قائم مقام خلق خدا کی ہدایت کرتا ہے اور مریدوں کو اپنے نام شجرہ دیتا ہے۔
اجازت نیابتی: صاحب مجاز شیخ کے حکم سے بیعت لیتا ہے اور اُنہیں اپنے شیخ کا مرید بناتا ہے۔
اِجازہ: ا. محدث کا شاگرد یا کسی معتمد کو روایت حدیث کا اختیار دینا۔
۲. درس، فقہ و حدیث وغیرہ کی تکمیل کے بعد فتویٰ دینے کی اجازت دینا۔
اِجتناب: (مجازاً) محرمات شرعیہ سے دوری تقویٰ یا پارسائی۔
اِجتہاد: (لفظاً) کوشش جدوجہد (فقہ) مقررہ اصولوں کے مطابق شرعی حکم کا استنباطِ اجتہادی، مجتہدین، قرآن و حدیث اور آثار سے دلائل۔
اِجماع: صحابہ یا مجتہدین علماء کا کسی امر شرعی پر اتفاق، متفقہ حکم، اجماعاً سب متعلق لوگوں کا ایک بات پر متفق ہونا، جدوجہد کرنا اور دلائل قائم کرنا۔
اجمال: انسان عالم صغیر ہے اور کائنات عالم کبیر، کائنات میں تفصیل ہے اور انسان میں اجمال۔ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جو اجمال ہے وہ اجمال قبل از تفصیل ہے اور حقیقت انسانیہ میں جو اجمال ہے وہ اجمال بعد از تفصیل ہے۔ یہ اجمال ثانی تجلی ہے ظِل ہے پرتو اجمال اوّل کا گویا حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جز ہے حقیقت انسانیہ کی۔
آدم علیہ السلام میں بظاہر حضرت الوجوب والامکان جمع ہوئے مگر حقیقتاً یہ اجتماع تعین اوّل یعنی مقام محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قبل تخلیق آدم واقع ہو چکا تھا۔
اَحبار: توریت کے معنی و مطالیب جاننے والے یہودی پیشوا۔
اِحتساب: عبد کا محاسبہ کرنا، نفس عارف کا تفصیل اور تعینات سے یعنی حقائق الٰہیہ کو ڈھونڈنا۔ ترجمہ؛ پڑھ لے لکھا اپنا تو بس ہے آج کا

دن اپنا حساب کرنے والا۔

إحتظاظ : حظ روحانی باطن میں محظوظ و مسرور ہونے کی کیفیت ۔

احتلام شیطانی : خواب کی تیسری قسم جو نفس امارہ والوں کے حصہ میں آتی ہیں یہ سب شیطانی خواب ہیں جو غلبہ اور اخلاق خبیثہ کے خوگر ہونے اور طہارت و عبادت سے بے التفاتی کا نتیجہ ہوتے ہیں انہیں خواب شیطانی اور احتلام شیطانی بھی کہتے ہیں ۔

أحد : اسم ذات ، تمام اسمی اور وصفی تعینات سے ہٹ کر خالص ذات باری تعالیٰ وجود محض ، اسی کو مرتبہ لاتعین اور مرتبہ سلب صفات اول لا انتہا اور آخر لا ہدایت اور اجمال الاجمال بھی کہتے ہیں ۔

إحداث : احکام یا اعمال میں کوئی ایسی بات شامل کرنا جو شارع سے مروی نہ ہو، بدعت، احداث و انجاس موانعات کی رکاوٹوں میں سے ایک

أحدی: اللہ تعالیٰ سے تعلق یا نسبت رکھنے والا یکہ وتنہا عربی تراکیب میں مستعمل

أحدیت : ا.حقیقت الحقائق اللہ تعالیٰ کی یکتائی ، خدا کا لاشریک ہونا ۔

۲. اعتبار ذات بلا اسماء و صفات سے عاری ہو بلکہ اس طرح کہ اس مرتبے میں اسمائے صفات پر نظر نہ جائے ۔

۳. ذات پاک کے اس مرتبہ کو کہتے ہیں جس میں کسی وہم و خیال یا لفظ کی گنجائش نہیں زبان تعریف سے قاصر ، عقل ادراک سے عاجز مرتبہ لاتعین ، مرتبہ الا بشرط شیء ذات بحت وجود المطلق ۔

احدیت اسمائیہ : ذات کا کثرت اسما وصفات میں ایک ہونا۔

احدیت الکثرت : وہ ذات واحد ہے کہ اس میں ادراک کثرت نسبیہ کا ہوتا ہے اور اسے حضرت جمع اور واحدیت الجمع بھی کہتے ہیں ۔ اور اسے کثرت فی الوحدت بھی کہتے ہیں ۔

احدیت الجمع : مرتبہ وحدت اور حقیقت محمدی ﷺ ابوالاروح اور اسم اعظم اور آدمی حقیقی کو کہتے ہیں یہ مرتبہ بااعتبار اجمال صفات کے ہے بلا اسقاط اور بلا اثبات صفات کے اور یہ مرتبہ جامع ہے احدیت اور واحدیت کا

احدیت ذاتیہ : اعتبار کرنا ذات کا اس طرح کہ اس کو کسی شے کی طرف بالکل نسبت نہ ہو اسی کو مرتبۂ لابشرط شیء کہتے ہیں ۔

احدیت صفاتیہ : ذات کا کثرت اسماء و صفات میں ایک ہونا واحدیۃ الذات اور احدیہ اسمائیہ بھی کہا جاتا ہے۔

احدیت العین : خلق کو حق میں اور حق کو خلق میں دیکھنا اسی کو جمع الجمع بھی کہتے ہیں .

احدیت فعلیہ : کل افعال کو حق کا فعل سمجھنا اور اسی نظر سے دیکھنا۔

احرام : اہل عرفان کے نزدیک حج بیت اللہ بھی سلوک إلی اللہ ہے ۔ حج ایک سفر ہے سلوک بھی ایک سفر ہے۔ ارکان حج بھی طلب الٰہی کے کسی نہ کسی رکن کی جانب اشارہ کرتے ہیں ۔

احرام سے اس جانب اشارہ ہے کہ مخلوقات کے شہود کو ترک کر دیا جائے ۔ پسندیدہ لباس لوگوں کی نظر میں وہ ہے جس میں وجاہت اور شان شوکت ہے احرام وہ سادہ کپڑا ہے جو کمر پر باندھ لے اور ایک چادر جو کندھے پر ڈال لے احرام باندھتے وقت مخلوقات اس کی نظروں سے گرگئی اور ماسویٰ کی اس نے نفی کر دی ۔

احساس : ادراک بصیرت احساس باطنی حواس خمسہ ظاہری سے کسی چیز کو معلوم کرنے کو احساس کہتے ہیں ۔

إحسان : ا. نیکی کا عمل ، خیر ، نور بصیرت سے حق کا مشاہدہ صفات کے پردے میں۔ ذات باری تعالیٰ کا دیدار مشاہدہ صفاتیہ جس کو عین العین کہتے ہیں ، مشاہدہ عبد کا حق کو حجاب صفات حق تعالیٰ کے ساتھ ہے اور یہی عین صفت عبد کے تعین کے ساتھ ہے ۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عبادت کر تو اپنے پروردگار کی گویا کہ تو اس کو دیکھتا ہے'' ، خودی عبد کی اُس وقت باقی نہ رہے گی۔ سالک جو کچھ دیکھے گا حقیقتاً بلاحجاب صفات حق دیکھے گا اس لیے کہ بعد فنا عبد کے باقی نہ رہا تو اس وقت حق کو حق دیکھے گا اس مقام کو حق الیقین کہتے ہیں ۔

۲. احسان کو عملی صورت میں لانے کا نام تصوف ہے ، مکارم اخلاق یعنی بدی کے مقابلے میں نیکی کی جائے ، تحقیق اور ثبوت عبد کا عبودیت کے ساتھ اور حق کا مشاہدہ کرنا نور بصیرت سے اور یہ مشاہدہ عبد کا حق کو حجاب صفات حق تعالیٰ کے ساتھ ہے ، عبد حق کو وراء استار صفات حقانیت سے عین صفات عبدیہ کے ساتھ پس یہ مقام مقام مشاہدہ صفاتیہ کا ہے جس کو عین الیقین کہتے ہیں اس مقام میں خودی سالک کی باقی رہتی ہے ۔

(بمعنی جدا ہونا) یہ محال ہے کیونکہ قیام صفات کا بغیر ذات کے ممکن نہیں اس جگہ خودی عبد کی باقی نہ رہے گی کہ پس جب کہ ذات باقی رہی اس وقت سالک جو کچھ دیکھے گا حقیقتاً بلاحجاب صفات کے حق دیکھے گا اس لئے کہ اس وقت کوئی حجاب باقی نہ رہا پس اس صورت میں حقیقت عبد کی حقیقت حق کو نہ دیکھے گی اس لئے کہ بعد فنا عبد کے عبد باقی نہ رہا تو اس وقت حق کا حق دیکھے گا عبد کے اس مقام کو حق الیقین کہتے ہیں ، ترجمہ : اور عبادت کر تو پروردگار اپنے کی یہاں تک کہ آوے تجھ کو یقین ۔

۳. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کی یہ تعریف فرمائی (متفق علیہ) احسان یہ ہے کہ عبادت کرے تو اس طرح کہ گویا تو اسے دیکھتا ہے پس اگر نہیں دیکھ سکتا تو اس کو تو وہ یقیناً تجھ کو دیکھتا ہے ۔

احسان وہ مقام ہے جس میں بندہ خدا کے اسماء و صفات کے آثار کو دیکھتا ہے ، میں خدا کے سامنے ہوں کم تر درجہ یہ کہ خدا میری طرف دیکھتا ہے کا احسان یہ مراقبہ کا پہلا زینہ ہے ، بندے کا ہر کام اللہ ہی کے واسطے ہوتا ہے اس کے جلال سے ڈرتا ہے اور جمال کی طرف رغبت کرتا ہے گویا تصوف کو شریعت کی اصطلاح میں احسان کہتے ہیں۔

احسان کو عملی صورت میں لانے کا نام دراصل تصوف ہے ھل جزآءُ الاحسانِ الاحسان ، جس نے دنیا میں نیکی کی اس کی جزا آخرت میں احسان الٰہی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا جس نے کلمہ پڑھا اور شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عامل ہوا اس کی جزا جنت ہے۔

احصاء : ۱. (چیز یا مفہوم کے) کل جزئیات اور متعلقات کو (بیان وغیرہ میں) گھیر لینے کا عمل ، حصر ، احاطہ ، تحقیق اور ثبوت .

اِحصائے الاسماء الٰہیہ: تحقیق اور ثبوت عبد کا اسماء الٰہیہ کے ساتھ حضرت واحدیت میں اور عبد کا فانی ہونا ہوا نفسانیہ اور خلقیہ سے اور باقی رہنا حضرت احدیت کے ساتھ ، نیز عبد کا اسماء الٰہیہ کو باعتبار تخلیق احصا کرنا بندہ متابعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متصف باسماالٰہیہ ہو جائے ۔

احصائے اسما سے مراد حق تعالیٰ سے متحقق ہونا صفات الٰہی سے موصوف ہونا اخلاق الٰہیہ کا خوگر بننا ۔ اسما کو سن لینا پہلا درجہ ہے۔ اس کو سمجھ لینا دوسرا درجہ ہے۔ تیسرا درجہ اسما و صفات کا عرفان کشف و شہود سے سالک کو حاصل ہوتا ہے وہ علم الیقین سے عین الیقین اور حق الیقین تک پہونچتا ہے ۔

رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے (۹۹) ننانوے نام جس نے ان کا احصاء کرلیا وہ جنت میں جائے گا اس کا ثمرہ جو بندے کو حاصل ہوتا ہے اس آیت میں اشارہ ہے (ترجمہ: ''وہی ہیں میراث لینے والے جو میراث پائیں گے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے وہ اس میں رہیں گے'' اسی کو جنت الوراثت اور جنت الاخلاق بھی کہتے ہیں) .

اُحکام: وہ احکام جو شرع یعنی قرآن و حدیث اور اجماع سے ثابت ہوں ، جو احکام کیفیتِ عمل سے متعلق ہوں وہ فروعی احکام کہلاتے ہیں جو اعتقاد سے تعلق رکھتے ہوں ان کو علم التوحید اور علم الصفات کہا جاتا ہے ، احکام بالادست یا بزرگوں کی تقریری یا تحریری ہدایات جن میں کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا لازم یا مستحسن قرار دیا جائے اعمال و عبادات نیز ان سے متعلق ہدایات جن پر عمل کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے اور جن کی تعمیل موجب ثواب اور جن سے سرتابی باعث گناہ قرار دی ہے ، دینی اوامر یا نواہی .

اُحکام عشرہ: دین موسوی کے دس بنیادی قوانین جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس وقت نازل ہوئے جب وہ کوہ طور پر خدا کی ہم کلامی سے مشرف ہوئے تھے ۔ وہ دس احکامات یہ ہیں ۔

۱. خدا کے حضور غیر معبودوں کا نہ ماننا۔ ۲.تم کسی بھی چیز کی صورت خواہ وہ اوپر آسمانوں میں یا نیچے زمین پر یا پانیوں میں ہو بت نہ بنانا ۔ ۳.تم خدا کا نام بری نیت سے نہ لینا۔ ۴. یوم سبت یعنی ہفتے کے دن کو یاد رکھنا چھ دن تم نے محنت سے کام کیا ساتواں دن کسی کو کوئی کام نہیں کرنے دینا۔ ۵. ماں باپ کی عزت کرنا کہ تمہاری عمر دراز ہو۔ ۶.تم کسی کا خون نہ کرنا۔ ۷.تم زنا نہ کرنا۔ ۸. چوری نہ کرنا۔ ۹. اپنے پڑوسی کے خلاف گواہی نہ دینا۔ ۱۰. پڑوسی کے گھر اس کی بیوی اس کے مال یا کسی بھی چیز کا لالچ نہ کرنا۔

أحکم الحاکمین سب (دنیاوی و دینی) حاکموں پر حکمراں اور ذی اقتدار، جس کا حکم ہر حاکم کے حکم پر فائق اور غالب ہے (خدائے تعالیٰ کے لیے مستعمل)، خداوند عالم (وصفی نام کے طور پر مستعمل).

أحمد : ۱. پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عَلَم (تنہا نیز احمد مجتبیٰ، احمد مختار، احمد مرسل وغیرہ) ۲. بہت زیادہ یا سب سے زیادہ تعریف کرنے والا، ''سَیِّدنا احمد'' پڑھنے والا تمام خلقت میں فرماں بردار رہے گا۔

أحناف : ۱. حنفی عقیدے کے مسلمان، فقہی مسائل میں حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کی تقلید کرنے والے ۲. وہ لوگ جنھوں نے قبل اسلام بت پرستی ترک کر دی تھی اور ملت ابراہیم کا اتباع کرتے تھے، دین حنیف کے پیرو، حنفاء۔

أحوال : روحانی ہوائے نفس صفائی باطن اور درجات قرب کی طرف ان سے تصفیہ قلب کا ہوتا ہے، وجد اور سرمستی و سرشاری کی کیفیت جو حسن عمل کے اجر میں یا بطور الطاف خفی خداوند عالم کی طرف سے انسان پر وارد ہو، ان فیوض کا نزول کسبی بھی ہوتا ہے اور وہبی بھی۔

أحوط : ۱. دو یا زیادہ باتوں میں جو احتیاط سے قریب تر ہو، جس میں غلطی سے بچنے کا زیادہ امکان ہو، زیادہ احتیاط پر مبنی عمل۔
(فقہ جعفریہ) فروعی مسائل میں اجتہاد اور تقلید کے علاوہ راہ عمل جس میں فی نفس الامر حکم شارع کے مطابق ہو جانے کا یقین ہو جائے۔

إحیاء : جسم میں از سرنو روح پھونکنے کا عمل، زندہ کرنے یا جلانے کا کام، زندہ کرنا. جیسے محی الدین، دین کو زندہ کرنے والا غوث پاکؒ.

اخبار بالغیب : (کشف و کرامات کی بنا پر) ان دیکھی چیزوں کے حالات بتانا، ماضی کا حال سنانا، مستقبل کی پیش گوئی کرنا۔

إخباط : ۱. تواضع، انکسار ۲. سکون کو کہتے ہیں۔
کلام مجید میں ہے: واخبتو الی اللہ ''سکون حاصل کرو اپنے رب کی طرف'' بے شک اللہ کا ذکر ہی دلوں کو اطمینان دیتا ہے۔

إخباط البالغین : شہود حق میں سالک کا مستغرق ہونا۔

إخباط الخواص : وہ حالت جس میں انسان کے نزدیک تعریف برائی مدح وذم دونوں یکساں ہوں اور ملامت کرنے والے کی پروا نہ رہے۔

إخباط العوام : اس سے مراد اخلاق ذمیمہ میں ''سکون نفس''۔

إخباط المتوسطین : سکون قلب کا خطرات وغیرہ سے اور سکون نفس کا ترک ذمیمہ و اخذ اخلاق حسنہ میں۔

إخراج : (حدیث) کسی روایت کا سلسلے کے ساتھ حدیث کی کتاب میں اندراج

إخفاء : ۱. (فقہ) دھیمی آواز سے قرأت کہ پاس کھڑا ہوا شخص بھی نہ سن سکے.
۲. (تجوید) حرف 'ن' یا تنوین کے اظہار و ادغام کی درمیانی حالت (یعنی ناک میں آواز پوشیدہ کرکے پڑھنا)۔ إخفا مراتب محبت کے مدارج میں پانچواں درجہ۔ دوست ہی سے دوست کی شکایت کرنا مثل یعقوب علیہ السلام یا ایوب علیہ السلام کے إخفا ہے۔

اخفیا : اُن اصحاب کو کہتے ہیں جو بحکم الٰہی لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ کر دیئے گئے، اگر سامنے آتے ہیں تو لوگ انہیں نہیں پہچانتے اور اگر غائب ہوتے ہیں تو انہیں یاد نہیں کرتے.

إخلاص : ماسوا اللہ کی محبت اور خیال سے نیز شرک سے دل کا پاک و صاف ہونا اس کا ہر فعل خالصتاً اللہ کے لیے ہو صدق اصل ہے۔ اخلاص اس کا تابع اوّل ہے۔

اخلاق : اس سے مراد تکمیل عبودیت ہے اس کے دس مرتبہ ہیں، صبر، شکر، رضا، حیا، صدق، ایثار، خلق، تواضع، فتوت، انبساط۔

إخوان الشیاطین : شیطان کے بھائی بند، شیطان کی سی خصلت والے، مفسد، شریر، بدمعاش لوگ۔

إخوان الصفاء : ۱. پرخلوص اور سچے احباب۔
۲. جن کا ضمیر لذّت دنیا سے پاک و صاف ہو، اہل تقویٰ۔

أخیات : آوازیں، غیبی صدائیں۔

أخیار : ۱. نیک، پارسا، برگزیدہ لوگ نماز، روزہ، تلاوت، حج کی کثرت کرنے والے، سلوک کی منازل طے کرنے والے۔
۲. تین سو چھپن یا ستاون مردان غیب میں کے سات افراد جنہیں اخیار کہا جاتا ہے، احکام شریعت میں واصل بحق ہونے والے۔

اَدا (۱) : تجلیات اسمائی و صفاتی میں بے کیفی ذات کا انعکاس جس کو خود بینی اور خود نمائی کہتے ہیں اور منشا اس خود بینی و خود نمائی کا 'فاحببت ان اعرف ' ہے . (ترجمہ : ''پس دوست رکھا میں نے یہ کہ پہچانا جاؤں میں'') اس لئے ادا میں ایک خاص کشش ہے کیونکہ یہ حقیقت کے حسن و عشق دونوں پہلوؤں کی جامع ہے حسن کی اس لئے کہ معشوق حقیقی کنز مخفی تھا یعنی تمام اسماء و صفات کنزیت ذات میں باعتدال موجود تھی اور اسی اعتدال کا نام حسن ہے جو فطرتاً گمنامی و معدومیت میں رہ سکتا ہی نہیں ہے یعنی اللہ جمیل کا مقتضےٰ ہی یہی ہے کہ یحب الجمال یہی عشق ہے پس حسن بالذات مقتضی ظہور و عشق ہے اور عشق بالذات طالب حسن و اعتدال اور اسما و صفات بے انتہا میں جو ذات مجہول الکفیت میں مندمج ہیں ۔

اعتدال کا احساس یہی عرفان ہے اس لیے شاہد حقیقی نے عرفان سے محبت کی جو فاحبیت ان اعرف سے ظاہر ہے .

ادا (۲) : (فقہ) عبادات کی مقرر وقت پر انجام دہی ؛ وہ عبادت جو مقرر وقت پر انجام دی جائے ۔

اَدب : ا.نگاہداشت عبودیت، عبد کو تمیز رکھنی چاہیے ان چیزوں کی جو حق تعالیٰ کے لیے مختص ہے اور ان کی جو عبد کے لیے مختص ہیں یہ ادب ہے.
۲.شریعت کی رعایت ، شعائر اللہ کی حرمت ، آقا کی حق شناسی ، خدمت شیخ، رویت حق میں فنا ہو جانا یہ تمام اعمال ادب ہیں ۔

ادب الشیوخ : تربیت باطن جس کے بعد دل میں دوئی کے خیال تک کی گنجائش نہ رہے .

ادب الصبیان : اوامرحق پر قیام کرنا (جو سلوک کی پہلی تعلیم ہے) .

اَدب حق : اللہ تعالیٰ اور اس کے صفات وغیرہ کو پہچاننا .

اَدب حقیقت : سالک کا حق کو حق اور خلق کو خلق سمجھنا اور یہ پہچاننا کہ خلق کو اپنی خلقیت میں حق سے کیا علاقہ ہے .

اَدب خدمت : اپنے کو رویت حق میں مبالغے کے ساتھ فنا کرنا ۔

اَدب خلق : مخلوق کو بشہود حق مشاہدہ کرنا ۔

اَدب شریعت : رسوم حق سے واقفیت ، شعائر الٰہیہ کی عظمت کو سمجھنا، دل کو پرہیزگاری کے ذریعے پاک و صاف کرنا۔
(ترجمہ : اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا وہ دل کی پرہیزگاری سے)۔

اِدراج : (حدیث) متن حدیث میں اپنے راوی کی بجائے اس سے اوپر کے راوی کا نام لینا اور لفظ ایسا اختیار کرنا جس سے سماع کا احتمال ہو .

اِدراک : معنی ہیں پانے کے یعنی یافت ذات اس کی دو قسمیں ہیں ۔ ادراک بسیط اور ادراک مرکب ۔ ا. حواس باطنی سے دریافت یا علم ، درک (احساس کے بعد کی منزل)۔
۲. دریافت وجود حق ، بصیرت ، احساس باطنی ۔
۳. حواس خمسہء ظاہری سے کسی چیز کو معلوم کرنے کو احساس کہتے ہیں حواس ظاہری محسوسات ہیں ۔ حواس باطنی جو باطنی طور پر کیفیات اور معانی کا ادراک کرتے ہیں ان باطنی قوتوں سے کشف حقائق کا انحصار ہے ۔

قوت لامسہ کے مقابل باطن میں ذوق وشوق ہے ۔
قوت باصرہ کے مقابل باطن میں ادراک ہے ۔ قوت سامعہ کے مقابل باطن میں القا والہام ہے جو اخذ کرنے کی صلاحیت ہے ۔
قوت ذائقہ کے مقابل باطن محویت ہے ذائقہ کے کچھ ظاہری اور کچھ باطنی ادراک ہیں ۔ مٹھاس کے مقابل باطن میں ذوق وشوق ہے ۔ کھٹاس کے مقابل مسرت اور خوشی ہے تلخی اس کے مقابل باطن میں غیر مفید اشیاء سے پرہیز اور صحبت ناجنس سے اجتناب میں شدت ہے۔ نمک اس کے مقابل باطن میں دلائل اور براہین اور کشف ہے ۔ سوندھاپن اس کے مقابل باطن میں محویت جسے حضور بھی کہتے ہیں اور نایافت بھی کہتے ہیں یہ سب ادراک کے مراحل ہیں ۔

ادراک بسیط : ہستی حقیقی کے ادراک کا ایک درجہ یا کیفیت ، وجود حق کا ادراک موافق ادراک حق کے ، کیونکہ جو چیز کہ ادراک کی جائے گی سب سے پہلے ، ہستی حق مدرک ہوگی ، اگرچہ مدرک اس ادراک سے غائب اور بوجہ غایت ظہور کے پوشیدہ کیوں نہ ہو ۔
کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص اور چیز کے درمیان حائل ہے ، لیکن شدت ظہور نے پردہ ڈال رکھا ہے۔

ادراک مرکب: ''وجودحق کا ادراک مع الشہود'' کرنا۔

اِدغام: (تجویدعربی) نوں ساکن یا نون تنوین کے بعد' رل م ن و ی' میں سے کوئی متحرک حرف آنے پر' ن' کو بعد کے متحرک سے اس طرح ملانا کہ وہ متحرک حرف مشدد پڑھا جائے (رل، میں بلا غنہ اور باقی حروف میں با غنہ)، جیسے: غفور رحیم، رزقاً لکم، کثیراً من، سلطاناً نصیرا، صحیفۃ واحدۃ، رجل یسعیٰ.

ادلّہ اربعہ: (اصول فقہ) چار حجتیں یا دلیلیں جن سے شرعی مسائل استنباط کیے جاتے ہیں: کتاب، سنت، اجماع اور قیاس (اہل سنت)، یا عقل (جعفری).

ادنیٰ: مقام حضرت محمد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے ہیں اور اُسی کو قاب وقوسین او ادنیٰ اور مقام وحدت بھی کہتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ مقام وحدت تمامی مقامات انبیاء علیہم السلام سے اقرب ذات حق کا ہے اور اس مقام وحدت میں دو قوس ہیں۔

قوس عروجی اور وقوس نزولی، قوس عروجی جو باطن اس دائرہ کا ہے اور اس کو قوس احدیت اور قوس وجوبی بھی کہتے ہیں اور یہ باعتبار سلب کے ہے اس قوس عروجی میں ذات کا اعتبار ہے صفات کا نہیں اور قوس نزولی کو کہ جو ظاہر اُس دائرہ کا ہے قوس واحدیت اور قوس امکانی اور قوس کونی بھی کہتے ہیں۔

اس قوس نزولی میں ثبوت اور اعتبار علم ذات کا ہے معہ ثبوت اور اعتبار دیگر صفات کے اور اس دائرہ قاب کو یعنی قطر دائرہ کو باختیار اثنینیت کے قاب قوسین اور برزخ کبریٰ باعتبار انتفاے اثنینیت مذکورہ کے حقیقت محمدی ﷺ اور او ادنیٰ کہتے ہیں۔

ادنیٰ: مقام حضرت خاتم الانبیا صلعم کو کہتے ہیں اور اوسی کو قاب قوسین ادنے او اور مقام وحدت بھی کہتے ہیں جاننا چاہیئے کہ مقام وحدت تمام مقامات ابنیا علیہم السلام سے اقرب ذات حق کا ہے اور اس مقام وحدت میں دو قوس بین قو عروجی وقوف نزولی قوس عروجی جو باطن اوس دائرہ کا ہے اوس کو قوس احدیث اور قوس و جوبی بھی کہتے ہیں اور یہ باعتبار سلب کے ہے اس قوس عروجی میں ذات کا اعتبار ہے صفات کا نہیں اور قس نزولی کو کہ جو ظاہر اوس دائرہ کا ہے قوس و احدیث اور قوس امکانی اور قوس کونی بھی کہتے ہیں اس قوس نزولی میں ثبوت اور اعتبار علم ذات کا ہے معہ ثبوت اور اعتبار دیگر صفات کے اور اس دائرہ قاب کو یعنی قطر دائرہ کو باعتبار اثفینیت کے قاب قوسین اور برزخ کبریٰ اور باعتبار انتقامی اشثنیت مذکورہ کے حقیقت محمدی اور اوادنی کہتے ہیں۔

ادنی مراتب التجرید: تجرید افعال کو کہتے ہیں کیونکہ فاحل سوائے حق کے کوئی نہیں۔

ادنیٰ التجلیات: تجلی افعالی کو کہتے ہیں۔

ادنیٰ الوجود: کہتے ہیں اپنی جان و مال سب کو خدا کی محبت اور اوکی طلب میں صرف کرنا۔

اَدیب: عارف ربانی کو کہتے ہیں۔

اَذان: ۱.مسجد میں بلانے کے مقررہ کلمات جو موذن بآواز بلند مقرر طریق سے ادا کرتا ہے۔

بانگ نماز (یہ کلمات نومولود کے داہنے کان میں اور کبھی آفات ارضی یا سماوی کے دفعیے کے لیے بھی مقرر طریقے سے کہے جاتے ہیں)۔

اَذکار: وظائف، دعائیں؛ ذکر الٰہی۔

اِذن پڑھنا: حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ائمہ و اولیا کے مزارات میں داخل ہونے کے وقت خاص مقرر کلمات منہ سے ادا کرنا.

اِرادت: ۱.مریدانہ اطاعت کا جذبہ،عقیدت ۲.بیعت، اقرار یا اظہار عقیدت

ارادت گزیں: جو اپنے پیر کے تکیے میں گوشہ نشیں ہو، مرید۔

اِرادہ: ۱.تجلی ذات برائے ایجاد معدوم، کائنات کا ظہور اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ اس کا حکم اس کے ارادہ کے تابع ہے۔ اس کا ارادہ حب ظہور کے تابع ہے، یہ حُب ارادہ بالقوۃ ہے اور ارادہ حُب بالفعل۔ گو اُس کی حرکت ارادی سب سے پہلی عنایت ہے جو کائنات کے ظہور کا باعث ہوئی ہے۔

۲.نفس دل کا غذائے روح چاہنا یا مرادات نفس کا قطع اور امرحق کی طرف توجہ اور اس پر راضی رہنا۔

ارادہ آتش محبت کی ایک چنگاری ہے قلب طالب میں جو مقتضی ہے واسطے اجابت دواعی (بمعنی خواہش) معشوق حقیقی کے، پہلی چیز ارادہ

اور دوسری چیز قدرت ہے جن کے ذریعہ سے عالم الغیب کو عالم شہادت کی جانب لایا گیا۔

اِرادہ اُولی : وجود عالم کو کہتے ہیں اسی کو ارادہ کلیہ بھی کہتے ہیں۔

اَرائک التوحید : جمع اریکہ کی ہے اریکہ کے معنی تخت کے ہیں اور اصطلاح میں اسماء ذاتیہ کو کہتے ہیں چونکہ اسما ذاتیہ اعلیٰ ہیں اور ان کا ظہور حضرت واحدیت میں پہلا ہے اس لئے ان کو ارائک التوحید کہتے ہیں بسبب ان اسماء کے حضرت واحدیت میں مظاہر ذات ہونے کے۔

اَرباب باطن : روحانی تصرف رکھنے والے، معرفت کے ایسے درجے پر فائز اصحاب جو اسباب ظاہر کی پابندی سے آزاد ہوں۔

اَرباب ظاہر: علما کا وہ گروہ جو اسباب ظاہر کو حجت سمجھتا ہے اور روحانیت، کشف و الہام وغیرہ کا قائل نہیں ؛فلسفی۔

اِرتباط :تعلق خاطر، محبت و مودت (جو عقیدت مندی کی بنا پر ہو).

اِرتداد : اسلام کے بعد کفر، اسلام سے انحراف، مرتد ہونا۔

ارتفاعِ نسبت زمان و مکان : انتہائے جبروت میں سالک کی سمع و بصر اور اس کی جملہ صفات تقیدات سے تجاوز کر کے رنگ اطلاق کی جانب مائل ہوجاتی ہے اور سالک کی نظر سے نسبت زمان و مکان اٹھ جاتی ہے پھر وہ اشیاء قریب اور بعید کو یکساں طور پر دیکھتا ہے اور ان کی آوازیں یکساں طور پر سنتا ہے۔

ارتقاء: تصوف میں اس لفظ سے مراد ہوتی ہے ارتقائے نفس ناطقہ انسانی بمراتب عالیہ! دنیا میں قاعدہ ہے کہ طفل شیر خوار شیر مادر سے پرورش پاتا ہے۔ پھر باپ کی تربیت سے تحصیل علم کے بعد مراتب عالیہ حاصل کرتا ہے۔

روحانی طفل جس نے نفس ناسوتی سے خلاصی نہ پائی ہو جب اس میں آثار رشد نیک و بد کی تمیز آتی ہے تو وہ سفر معنوی اختیار کرتا ہے اور کسب امور میں مشغول ہوتا ہے تحصیل علم حقائق کے بُعد مادر طبیعت سے اسے بعد ہو جاتا ہے اور پدر علوی سے اسے قرب حاصل ہوتا ہے پھر وہ مراتب عالیہ پر فائز ہوتا ہے۔ عناصر اربعہ مرتبہ سفلی رکھتے ہیں اور مثل ماں کے ہیں افلاک علوی باپ سے مشابہت رکھتے ہیں، ان دونوں کے ازدواج سے انسان پیدا ہوتا ہے، اس ارتقاء میں نسب مجازی کوئی چیز نہیں۔

ارتقائے تحلیلی : کائنات میں ہر چیز ایک دوسرے میں تحلیل ہوتے ہوتے بالآخر انسان میں تحلیل ہو کر قابلیت معرفت پیدا کرتی ہے جو ایجاد عالم کی غایت ہے۔

حدت آفتاب سے بخارات سمندر ابر بنتے ہیں، ابر باراں زمین کی نمی سے خاک میں گل بن جاتے ہیں زمین سے صورت ترکیبی پا کر نبات برآمد ہوتے ہیں جانور کی غذا بن کر حیوان ہو جاتے ہیں۔

انسان کی غذا بن کر نطفہ پھر علقہ۔ پھر مضغہ حتی کہ رحم مادر میں صورت انسانی پھر متولد ہوتے ہیں اور انسان کامل الحقیقت ہو جاتے ہیں پھر مدت عمر صوری ختم ہوتی ہے تو مبداء اصلی کی طرف رجوع ہو کر پاکی پاکی مل جاتی ہے اور خاک خاک میں جس طرح ایک قطرہ سے یہ کچھ ہوا اسی طرح جملہ عالم دریائے وحدت حقیقی کے ایک قطرہ سے ظہور میں آئے اجزائے موجودات کا ہر جز قطرہ ہے بحر توحید میں اور ہر قطرہ سمندر ہے معرفت کردگار کا۔

اِرتماسی : (وہ غسل یا وضو) جو پورے جسم یا اعضائے وضو کو غوطہ دے کر کیا جائے۔

ارتیابی: ہر حقیقت کو شک کی نگاہ سے دیکھنے کا مسلک رکھنے والا شخص۔

اِرتیاح: خوشی، مسرت، خوش ہونا، شادمانی (جس سے نفس کو راحت پہنچے)۔

اَرحم : صف. بہت رحم کرنے والا، بڑا رحیم، ارحم الراحمین۔

ارحم الراحمین: رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحیم، اللہ تعالیٰ۔

اِرسال : (اصول حدیث) تابعی کی اس حدیث میں جو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہو کسی صحابی کا ذکر نہ ہونا، حدیث کا مرسل ہونا۔

ارکان : عناصر اربعہ یعنی آب و آتش و خاک و باد۔

ارکانِ ایمان: (اسلام لانے کے بعد) حسب ذیل چھ باتیں جن پر دل سے یقین رکھنا ضروری ہے اور ان کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا (ا) اللہ

تعالیٰ (۲) ملائکہ، (۳) کتب آسمانی (توریت، زبور، انجیل اور قرآن پاک)، (۴) انبیا و رسل، (۵) قیامت، (۶) تقدیر (قضا و قدر)۔

ارکانِ کعبہ: کعبے کے چار پتھر ہیں جن کے نام یہ ہیں: ۱. رکن یمانی۔ ۲. (حجر اسود)۔ ۳. رکن شامی۔ ۴. رکن عراقی۔

ارکانِ کمال: معرفت حق اور اس پر عمل اور معرفت باطل اور اس سے اجتناب

اَرِنی/اَرنی: کلمۂ عربی، اردو میں مستعمل۔ مجھے (اپنا جمال) دکھا دے (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی: رب ارنی انظر الیک (= اے خدا میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں مجھے اپنا جمال دکھا دے)، جواب میں ایک درخت سے آواز آئی 'لن ترانی' (= تم مجھے دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتے) اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے اصرار پر ایک بجلی چمکی، جس کی جلالت سے حضرت موسیٰ بیہوش ہو گئے)۔

ازل: ۱. ازل سے مراد وہ معقول قبلیہ ہے جو حق تعالیٰ کا ایک حکم ذاتی ہے جس کا کہ وہ بوجہ اپنے کمال کا مستحق ہے یہ ازل دراصل ازل الآزال ہے اور اس میں اس کے غیر کو کسی طرح کا استحقاق نہیں۔ نہ حکمی طور پر نہ عینی طور پر نہ اعتباری طور پر اس کا ازل اب بھی ایسا ہی موجود ہے جیسا کہ ہمارے وجود سے پہلے موجود تھا۔ وہ اپنی ازلیت میں مستطیر نہیں ہوتا۔

۲. جس کی ابتدا نہیں۔ اس کو دو جگہ پر اطلاق کرتے ہیں۔ اول مرتبہ بلاصفات میں جس کو لاتعین اور احدیت اور مرتبہ ذات اور واجب الوجود کہتے ہیں کہ جو خود بخود موجود ہے اور اپنی موجودیت میں کسی کا محتاج نہیں نہ تھا اور نہ ہو گا اور نہ اُس کے وجود کے لئے ابتدا ہے۔ دوسرے تعین ثانی میں اطلاق کرتے ہیں کہ جس میں تفصیل صفات اور حقائق الٰہی اور حقائق کونی اور اعیان اور حقائق اشیاء ثابت ہیں۔ اس کو ازل ممکنات بھی کہتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ حق نے اس امر کو ازل میں مقرر فرمایا ہے یعنی حق تعالیٰ نے حقائق اشیاء کو ازل میں مقرر فرمایا ہے اس کو علم الٰہی اور تقدیر الٰہی بھی کہتے ہیں۔

ازل الآزال: ذات بحت اور خالص مرتبہ ذات بلاصفات کو کہتے ہیں۔

اساس: سورۂ فاتحہ کا نام۔ قرآن پاک کی پہلی سورت باترتیب۔

استباح: ناجائز شے کو اپنے یا کسی کے لیے جائز و مباح ٹھہرانے کا عمل۔

استبرا: (فقہ) (i) طلاق کے بعد عورت کا عدت میں رہنا یا وضع حمل تک (جسکے بعد وہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے)۔
(ii) نجاست خور جانور یا پرند کو مدت مقرر تک میلا کھانے سے روکنے اور پاک چارہ یا دانہ کھلانے کا عمل۔

استتابت: گناہ پر ندامت کا احساس، توبہ۔

استتار: ۱. پردہ، اِخفا یا چھپنا یا چھپانا، اظہار و اشتہار کی ضد۔ تصوف میں اس سے اشارہ ذات بحت کی جانب ہوتا ہے۔
۲. اخفائے ذات، ابرار کا مشاہدہ تجلی اور استتار کے درمیان ہے تجلی سے ظہور ذات کی طرف اشارہ ہے اور استتار سے اصل ذات کی جانب جو ہمیشہ اور ہر جگہ پوشیدہ رہتی ہے۔

استجابت: قبولیت، مقبولیت (خصوصاً دعا کی)۔

استجلاء: ظہور باری تعالیٰ کے تعینات کو کہتے ہیں، ظہور ذات کا جلا۔

استحباب: (لفظاً) پسندیدہ یا محبوب ہونا، (فقہ) کسی امر کا مستحب یعنی شریعت کی رو سے موجب ثواب یا مسنون ہونا۔

استدراج: ۱. استدراج صرف ان لوگوں کے لیے ہوتا ہے جو حق تعالیٰ سے دور ہیں اور امر خسیس پر قناعت کئے بیٹھے ہیں۔
۲. عقل کلی سے کبھی اہل شقاوت کو بھی استدراج حاصل ہو جاتا ہے۔

استحذا: قرب باری تعالیٰ، مطلق قرب۔

استحسان: ۱. پسندیدگی، مستحسن جاننا، اچھا سمجھنا۔
۲. (اصول فقہ) قیاس خفی جس سے کسی فقہی مسئلے کے حل میں مدد لی جائے یا مجتہد کی اپنی رائے جو حکم شرعی کی صورت میں بیان کی جائے۔

استحضار: ۱. دلی لگاؤ، پوری توجہ، حضور قلب، خلوص۔
۲. سالک کو "اس قدر قدرت ہو کہ جس وقت جس خیال یا حال کو چاہے اپنے اوپر طاری کر لے" پوری توجہ اور خلوص سے دل کو کسی طرف لگانا، لو لگانا۔

استخارہ: ۱. کام کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کلام اللہ یا دوسرے

مقرر طریقوں سے استصواب یا مشورہ ؛ خواب وغیرہ میں اشارہ غیبی کا انتظار، حسب ذیل صورتوں میں کسی صورت سے :۔
(i) عشا کی نماز کے بعد دعائے استخارہ پڑھ کر اس امید میں سوجانا کہ خواب میں رہنمائی ہو۔
(ii) خاص دعا پڑھ کر قرآن کریم کھولنا اور مقرر اصول کے مطابق حکم الٰہی دریافت کرنا۔
۲. نیکی اور بھلائی طلب کرنا (اللہ تعالیٰ سے)۔
استخراج : (فقہ) قرآن وحدیث سے شرعی مسائل کا استنباط، اجتہاد۔
استراحت: (فقہ) دو سجدوں کے درمیان قعود (بیٹھک) جلسۂ استراحت۔
استرجاع : (موت یا حادثے پر) زبان سے 'انا للہ وانا الیہ راجعون' کہنا۔
استسقاء: ا. (خدائے تعالیٰ سے) بارش کی دعا، مینھ برسنے کی خواہش۔
۲. (فقہ) وہ نماز جو طلب بارش کے لیے پڑھی جاتی ہے۔استسقا کی نماز، دو رکعت نماز جو خشک سالی میں طلب باراں کی غرض سے اکثر بستی سے باہر جا کر مقرر طریقے سے پڑھی جاتی ہے۔
استصحاب : (فقہ) جس مسئلے کے متعلق کوئی حکم صریح نہ ہو اس پر ویسے ہی کسی دوسرے مسئلے کی رو سے (جس کے متعلق حکم صریح ہو) حکم لگانا یا فتویٰ دینا۔
استعاذہ : خدا تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا کلمہ، پناہ مانگنا، اعوذ باللہ کہنا۔
استغاثہ: ایک متداول فریادی دعا جو 'استغیث باللہ' (= میں اللہ سے فریاد کرتا ہوں) سے شروع ہوتی اور مصائب میں پڑھی جاتی ہے۔
استغراق: خدا کی صفات و اسماء کے ذکر میں بے خودی کا عالم، مراقبہ۔
استغفار: مغفرت، توبہ، گناہوں کی معافی کے لیے دعا کرنا، بخشش طلب کرنا۔
استغناء: ا. دنیا اور اس کی لذتوں سے روگردانی، ضروریات کی فکر نہ ہونا، (خودداری کے ساتھ) قناعت اور توکل۔
۲. سلوک کی وہ منزل جہاں پہنچ کر سالک خدا کے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔
استفتاء: کسی شرعی مسئلے میں کسی عالم دین یا مفتی یا مجتہد سے فتویٰ لینا۔
استفتاح ا. طلب امداد، مدد طلب کرنا، فتوح چاہنا۔
۲. ایک دعا کا نام جو حصول تائید غیب کے لیے تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جاتی ہے (وہ یہ ہے: سبحانک اللھم وبحمدك و تبارك اسمک و تعالی جدك و لااله غیرك) نماز جنازہ میں وجل ثناءك کا اضافہ کیا جاتا ہے۔
استقامت : عبودیت کی رعایت کرنا، ہر امر دینی و دنیوی میں عبودیت کو ملحوظ رکھنا، اپنے کل عبادات اور تمام کاموں یہاں تک کہ کھانے اور پینے میں احکام شرع کا پابند ہونا .یہ مثل صراط مستقیم ہے۔ استقامت کے تین درجے ہیں۔
ا. تقویم یعنی ادب دنیا نفس کا جو عبادت ہے استقامت عامہ ہے۔
۲. اقامت مہذب کرنا قلوب کا۔
۳. استقامت یعنی قریب کرنا اسرار کا ہے اس کو استقامت خاصۃ الخاصہ کہتے ہیں، استقامت سب سے بڑی کرامت ہے دلیل ہے مقبولیت کی، توفیق استقامت کا فیضان حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتا ہے۔
استلام : بوسہ دینا، چومنا، قریب یا دور سے حجر اسود کو۔
استنباط:(اصول فقہ) مقرر اصول کے تحت قرآن وحدیث وغیرہ سے مسائل شرعیہ فرعیہ کا حکم نکالنے کا عمل، کسی شرعی مسئلے میں اجتہاد۔
استوا / استویٰ: آیۂ قرآنی "الرحمٰن علی العرش استویٰ" رحمٰن (خدائے کریم) عرش پر غالب ہے، (مجازاً) علو اور بلندی کا سب سے اعلیٰ اور بلند تر نقطہ۔
استہلاک : اس سے مراد بالکل فنا ہو جانا ہے۔
استہلاک الکثرت فی الوحدۃ و استہلاک الوحدۃ فی الکثرت:
اول سے مراد عالم اور وجود حق ہے سب ایک وجود سے موجود ہوئے اور اسی میں فانی ہوں گے۔ دوسرے سے مراد وہی وجود ہے جو ہر ذرہ میں متجلی ہوا ہے یا یہ کہ اول سے مراد بطون ذات ہے جس میں کثرت کونیہ غائب ہے اسی کو ہویت کہتے ہیں اور اسی کی طرف اشارہ ہے (نہیں دوست رکھتا ہوں میں چھپنے یعنی غروب ہونے والوں کو)۔ اور دوسرے سے مراد ظہور ذات ہے بانیت مطلقہ کہ (ترجمہ : بے شک میں حق ہوں، نہیں کوئی معبود مگر میں) جس سے ذرہ ذرہ مظاہر میں انا و لاغیری (ترجمہ : میں ہوں اور نہیں غیر میرا) کا دم مار رہا ہے۔
اسرا : ا. سیر عالم سماوات جو اللہ نے نبی کریم صلی اللہ وآلہ وسلم کو شب

کے ایک حصے میں اپنے بندے کو کرائی ؛ معراج ۔۲۔ قرآن شریف کی سترھویں سورت ، سورۃ بنی اسرائیل ۔

اسرار : ا۔ جمع سِرّ کی ہے ، نظر سے چھپی ہوئی چیزیں ، امورِ غیب ، راز کی باتیں ، رموز ۔۲۔ نکایت ، لطائف ۔

اسرار الظاہرہ : (لفظاً) ظاہری بھید ، (تصوف) قلب کے وہ مشاہدات جن کے ورود سے دنیا کی طلب باقی نہ رہے ۔

اسرار حروف : اٹھائیس اسمائے الٰہی کلی کے تحت اٹھائیس اسمائے کونی اور اٹھائیس حروف ملفوظی علی ترتیب مخارجھا (یعنی حلق و زبان و لب) کو ترتیب اظہار وجود میں جگہ دی گئی ہے ان حروف کے تحت میں بھی اسرار الٰہی مخفی ہیں اور ہر حرف کا سِرّ عالم علوی میں موجود ہے ۔

اسراف : طالب کو اس قدر فیض دینا جو سنبھالے نہ سنبھل سکے ، سلوک میں اسراف اسے کہتے ہیں کہ بے اندازہ بے موقع اور بے تکے پن سے ریاضت کرنا ۔

اسرافیل : فرشتے کا نام جو اسلامی روایات میں اس امر پر مامور ہیں کہ روز قیامت دو بار صور پھونکیں گے (پہلے صور کی ہیبت ناک آواز سے کل مخلوق مر جائے گی اور دوسرے صور کی آواز سے تمام لوگ زندہ ہو جائیں گے) ۔

اسرائیل : یعقوب علیہ السلام (ابن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام) کا لقب جو یہود کے بارہ خانوادوں (اسباط) کے جداعلیٰ ہیں ۔ اسی بنا پر یہود بنی اسرائیل کہلاتے ہیں ۔

اسفل السافلین : ا۔ دوزخ کا سب سے نیچے کا طبقہ ۔۲۔ زمین کی سب سے نیچے کی تہ ، تحت الثریٰ ۔

اسلام : انبیاء علیہم السلام کی متابعت کرنا نیز اسلام کی دو قسمیں ہیں ۔ ا۔ اسلام شرعی ۔۲۔ اسلام طریقی ، اسلام شرعی یعنی نماز ، روزہ ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ ۔ احکام شرع شریعت کے بجالانا ۔

اسلام طریقی ، تصوف یعنی ریاضت شاقہ ، کسب ، نفس کشی ، ذکر ، شغل اور مراقبہ وغیرہ کرنا ۔ بعض اہل علم نے اسلام کی دو قسمیں اور کی ہیں ۔ اسلام مجازی اور اسلام حقیقی ۔

اسلام مجازی کہتے ہیں ممکن اور واجب کو غیر جاننا یعنی ایک کو دوسرے سے علیحدہ کرنا اور اسلام حقیقی کہتے ممکن کو واجب سے غیر نہ جاننا ۔ مسلمانوں کا مذہب ، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیش کیا ہوا دین جس کی بنیاد قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے یعنی شریعت پر ہے ؛ (مجازاً) اسلام کے عقائد پر ایمان ۔ اللہ تعالیٰ کا دین حق حضرت آدم علیہ السلام سے آج تک برقرار ہے ، اللہ اور اس کے تمام انبیاء پر ایمان ۔

اسم اللہ : ا۔ اسم اس لفظ یا عبارت کو کہتے ہیں جس سے حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف اشارہ کیا جائے وہ اشارہ باعتبار اس کی ذات کے ہو خواہ باعتبار اس کی کسی صفت کے ، اسم مسمی کی تخصیص کرتا ہے اور صفت موصوف کی حالت بیان کرتی ہے ، صفات کی اصل الٰہیت اور اسما کی اصل ربوبیت کل اسماء کا اشتقاق رب سے ہے اور کل صفات کا استخراج اللہ اور الٰہ سے ہے اسماء و صفات کا حجاب ۔

اسم اللہ میں چونکہ جامعیت ہے اس کی مظہریت کا شرف صرف حقیقت انسانی ہی کو حاصل ہے اور جامعیت الٰہی کا پرتو حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے آئینہ میں رونما ہوا ۔

اللہ تعالیٰ کے کسی جلالی یا جمالی نام یا اسم اعظم کا ورد ؛ بزرگان دین میں سے کسی کے نام کا وظیفہ ، کوئی خاص تاثیر رکھنے والی دعا ۔

ذات مسمیٰ صفت وجودیہ کے اعتبار سے ہو یا صفت عدمیہ کے اعتبار سے ۔ اسم ذات ، صفت وجودیہ کے جیسے علیم ، قدیر وغیرہ اور اسم ذات صفت عدمیہ کے جیسے قدوس و سلام یہ کسی غیر پر موقوف نہیں ہو سکتے ہیں ۔

اسم اعظم : اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا نام جو جامع ہے جمیع اسماء کا جو موصوف ہے جمیع اسماء و صفات سے اکثر عارفین کہتے ہیں اسم اعظم لفظ مبارک اللہ ہے (جو بہ اختلاف اقوال اللہ ، صمد ، الحی ، القیوم ،

الرحمٰن ، الرحیم ، مہیمن ، بعض اسم "ہو" کو اسم اعظم کہتے ہیں کہ اس نام کے واسطے سے جو دعا کی جائے قبول ہوتی ہے)۔

اسم جامع : اسماء و صفات متناہی کا مرجع ننانوے (۹۹) اصول متناہی کی جانب ہے جنھیں اسماء حسنیٰ کہتے اور اسماء حسنیٰ کا مرجع (۷) سات امہات اسماء کی جانب ہے تو لازمی طور پر یہ سات امہات اسماء بھی حقیقت میں ایک ہی اصل سے راجع ہیں اور وہ اللہ ہے۔

اسم جلالی : خدائے تعالیٰ کا وہ نام جس سے جلال و جبروت ظاہر ہو، جیسے : جبار ، قہار ذوالجلال والاکرام (کہا جاتا ہے کہ اس اسم کا ورد اگر الٹا پڑے تو خود پڑھنے والے کو نقصان پہنچ جاتا ہے)۔

اسم جمالی : خدا تعالیٰ کا وہ نام جس سے شان رحمت کا اظہار ہو؛ جیسے : رحمان ۔ رحیم ۔ لطیف ۔ خبیر ۔ مجیب ۔ رؤف ۔ عفو۔

اسم ذات/ذاتیہ : اسماے الٰہی میں 'اللہ' یا 'ہو' جو صفات سے قطع نظر اس کی ذات پر دلالت کرتے ہیں۔

سم صفات/صفت: اسمائے الٰہی میں سے (اللہ کے علاوہ) ہر ایک نام جو اس کی کسی نہ کسی صفت پر دلالت کرتا ہے، ستار (بڑا پردہ پوش) غفار (بڑا مغفرت کرنے والا)۔

اسما : ۱. (اللہ تعالیٰ (اور اشخاص و اشیاء وغیرہ کے) ایک سے زیادہ نام۔ ۲. وہ رموز یا کلمات جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم فرمائے تھے۔

اسماعیل: ۱. حضرت حاجرہؓ کے بطن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدامجد کا نام . (ان کی نسبت سے عرب بنواسماعیل کہلائے . حضرت ابراہیم مشیت الٰہی سے انھیں اور ان کی والدہ کو خانہ کعبہ کے قریب جو اس وقت لق و دق میدان تھا چھوڑ گئے. وہاں ان کی اولاد عرب مستعربہ کے نام سے آباد ہوئی)۔

۲. حضرت امام جعفر صادق کے بیٹے جو ان کی زندگی میں وفات پا گئے تھے (فرقہ اسماعیلیہ انھیں سے منسوب ہے)۔

اسماء الرجال: ۱. (لفظاً) لوگوں کے مردوں کے نام، (حدیث) فن درایت حدیث کا ایک شعبہ جس میں راویوں کے اخلاق و کردار جاننے کے بعد ان کے قول کو معتبر یا نامعتبر قرار دیا جاتا ہے، راویان حدیث کے نام اور حالات۔

اسمائے الٰہیہ : ایک قوس حقایق الٰہی سے متعلق ہے جس میں اٹھائیس (۲۸) اسمائے الٰہی درج ہیں ۔ (دیکھیے نقشہ ارباب و مربوب).

اسمائے اول/ذاتیہ : وہ اسمائے الٰہی جن کا وجود غیر پر موقوف نہ ہو، اگرچہ بعض اسمائے ذاتیہ تعقل غیر پر موقوف ہیں جیسے علیم نام رکھا جاتا ہے بعض عارفوں نے اللہ اور احد اور واحد اور فرد اور وتر اور صمد ، قدوس ، حی ، نور ، اور حق کو اسماء وصفات ذاتیہ سے شمار کیا ہے، یہ ائمۃ الاسماء اور مفاتیح الغیب بھی کہلاتے ہیں.

اسمائے جلالیہ : اللہ تعالیٰ کے حسب ذیل اسما جن میں اس کے جلال کے مظاہر ہیں : کبیر ، متعال ، عزیز، عظیم ، جلیل ، قہار ، قادر ، مقتدر ، ماجد ، ولی، جبار ، قابض ، متکبر ، مذل ، رقیب ، واسع ، شہید ، قوی ، متین ، ممیت ، معید ، منتقم ، ذوالجلال والا کرام ، دیان ، معذب ، مفضل ، اور المجید الذی لم یکن لہ کفواً احد ، قانع ، وارث ، ذوالبطش ، ذوالحول الشدید ، قاہر ، غیور ، شدید العقاب صفات جلالیہ لیے ہوئے ہیں۔

اسمائے جمالیہ : اللہ تعالیٰ کے حسب ذیل اسما جو اس کے جمال کے مظاہر ہیں: علیم ، رحیم ، سلام ، مومن ، باری ، مصور ، غفار ، وہاب ، رزاق ، فتاح ، باسط ، رافع ، لطیف ، خبیر ، معز ، حفیظ ، مقیت ، حسیب ، جمیل ، حلیم ، کریم ، وکیل ، حمید ، مبدی ، محی ، واجد ، مجیب ، کفیل ، حنان ، منان ، دائم ، باقی ، منعم ، رشید ، قریب ، کامل ، لم یلد ولم یولد ، کافی ، جواد ، شافی ، ذوالطول ، معافی ، عفو ، غفور ، رؤف ، مغنی ، معطی ، نافع ، ہادی ، بدیع یہ اسما صفات جمالیہ میں سے ہیں۔

اسمائے حسنیٰ : اسماء صفات اگرچہ لامتناہی ہیں لیکن ان سب کا مرجع اصول

لامتناہی کی جانب ہوتا ہے، تعداد میں ایک کم سو ہیں اللہ تعالیٰ کے ان ناموں کو اسماء حسنٰی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) یعنی ایک کم سو نام ہیں جس نے ان کا احصا (یعنی یاد کیا) کرلیا وہ جنت میں جائے گا۔
اسمائے دنیا: لوح چار ہیں۔ ا۔ لوحِ قضاء: یہ لوح عقل اول ہے۔ ۲۔ لوحِ قدر: اس کو لوح محفوظ کہتے ہیں۔ ۳۔ لوحِ نفس جزویہ سماویہ: اس میں جو کچھ اس عالم میں ہے ان نقوش کو اسمائے دنیا کہتے ہیں۔ ۴۔ لوحِ ھیولیٰ: اس میں وہ تمام کیفیات اور واردات شامل ہیں جو عالم شہادت میں پائی جاتی ہے۔
اسمائے کمالیہ: اللہ تعالیٰ کے حسب ذیل اسمائجو اس کے کمال کے مظاہر ہیں: رحمٰن، ملک، رب، مہیمن، خالق، سمیع، بصیر، حکم، عدل، حکیم، ولی، ظاہر، قیوم، مقدم، موخر، اول، آخر، باطن، والی، متعال، مالک الملک، مقسط، جامع، غنی، الذی لیس کمثلہ شیئ، محیط، سلطان، معید، متکلم کو اسمائے صفات مشترکہ کہا ہے یہ اسما کمالیہ کے مظہر ہیں۔
اسمائے کونی: ایک قوس حقائق الٰہی سے متعلق ہے جس میں اٹھائیس (۲۸) اسمائے الٰہی مندرج ہیں۔ اسمائے الٰہی کے قوس کی طرح دوسری قوس حقائق کونی سے متعلق ہے اس میں اٹھائیس (۲۸) اسمائے کونی ہیں جنھیں حروف عالیات بھی کہتے ہیں مندرج ہیں۔ (دیکھیے نقشہ ارباب و مربوب)۔
اسمائے متقابلہ: وہ اسما جو آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں مثلاً یا منعم یا منتقم یا قابض یا باسط یا ضار یا نافع۔ اسمائے متقابلہ کے درمیان ایک اسم ذوالوجہین ہوتا ہے جو ان دونوں اسموں سے حاصل ہوتا ہے اس کا رخ دونوں جانب رہتا ہے اور وہ دونوں کے درمیان برزخ کا کام کرتا ہے۔ مختلف اسماء کی ترکیب سے غیر متناہی اسماء پیدا ہوتے ہیں جو حدِ حصر سے باہر ہیں۔

حجرِاسود: سیاہ کالا سنگ اسود جو خانہ کعبہ میں کسی قدر بلندی پر نصب ہے اور طواف کے وقت حاجی اسے بوسہ دیتے ہیں۔
اسیر: جو مجاز میں مقید ہو یعنی حقیقت کے برعکس۔
اشارات: صرف بدنی حرکتیں جو نہ تحریر میں نہ تقریر میں لائی جاسکتی ہیں مثلاً چشم ابرو کے اشارات، غصہ کے تیور چہرے سے عیاں ہوتے ہیں۔
اِشارہ: ا۔ دل کے رجحان کا اعمال و افعال سے اظہار جو بوجہ لطافت معنی عبارت اور الفاظ میں ادا نہ ہو سکے۔
۲۔ ہمراہ قرب اور بُعد کا ہونا اور حضور اور غیب کو بھی کہتے ہیں۔
اشتمال: صفات کے باہم اس طرح مشروط ہونے کو اشتمال کہتے ہیں اسماء حسنٰی کے سات اصولوں کو امہات کہتے ہیں یہ صفات بعض کے ساتھ مشروط ہیں مثلاً حیات نہ ہو تو علم کیسا، قدرت نہ ہو تو ارادہ کیسا ارادہ نہ ہو تو کلام کیسا، صفات کے باہم اس طرح مشروط ہونے کو اشتمال کہتے ہیں۔
اِشتیاق: ا۔ متوجہ ہونا، شوق، آرزو، تمنا۔ ۲۔ جوش طلب اور عشق دوامی جو وصال و فراق دونوں حالتوں میں یکساں رہے۔ ۳۔ طلب تمام اور عشق مدام کی وہ کیفیت جو یافت و نایافت میں یکساں رہے۔ وہ حالت جو دیدار سے ساکن نہ ہو اشتیاق کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔
اشتیاقِ کمال: سرگشتگی و حیرانی میں کلی اور طلب تمام اور عشق مدام جو بطریق یافت و نایافت یکساں ہو اس سے مراد ہے۔
اشجان: مطلوب کی جدائی سے اندوہ گیں ہونا اور غم حاجت مندی رکھنا۔
اِشراق: ا۔ اس سے مراد ہے قلب کا نورِ محبت سے منور ہو جانا یہ تجلی حُبی کے لوازمات میں سے ہے۔
۲۔ صفائے باطن کی وجہ سے روشن ضمیری؛ کشف، الہام۔
۳۔ طلوعِ آفتاب سے تمازت تک کا وقت؛ وہ نماز جو مکروہ وقت گزرنے

اور سورج چڑھنے پر پڑھی جاتی ہے۔
۴. بغیر کسی خارجی ذریعہ کے ایک دل یا جذبے کا اثر دوسرے پر پڑنا یا ڈالنا، ٹیلی پیتھی۔
۵. صفائے باطن کے باعث مکاشفے اور مراقبے کے ذریعے دور ہی سے تعلیم و تعلم۔
اشراقین : وہ حکما جو صفائے باطن کے باعث مکاشفے اور مراقبے کے ذریعے دور ہی سے تعلیم و تعلم کرتے تھے۔
اشعۃ مفاتیح الغیب : حواس خمسہ ظاہری و حواس خمسہ باطنی۔
اشفاق العامہ / المرید : خوف الٰہی نیز ترحم' معاصی سے اجتناب کرنا' قلب کو (خواطر) خوف الٰہی سے نگاہ رکھنا۔
اشقیاء : شقی لوگ، پتھر کا دل رکھنے والے، ظالم، سنگدل، اصفیا کی ضد۔
اشہر : حرمت والے مہینے، اشہرالحرم، محرم، رجب، شعبان، رمضان۔
اشیاء : جمع ہے شئے کی اور شئے مصدر ہے شاء یشاء" سے جس کے معنی ہیں چاہنے اور مشیت الٰہی کے ہیں۔ کوئی چیز بغیر ارادہ الٰہی کے ظہور پذیر نہیں ہوتی لفظ شئے میں خدا کے خالق الکل ہونے کا ایماء ہے۔
اصابت : (فکری اور ذہنی قوتوں کی) راستی و درستی، رائے فکر یا تدبیر وغیرہ کا صائب ہونا، صحیح نتیجے پر پہنچنا۔
اصابع : صفت علم اور قدرت کو کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ ''ترجمہ مومن کا قلب رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان ہے''۔
اصح : ۱. زیادہ صحیح یا معتبر بات۔
۲. (فقہ) وہ حکم شرعی جس کی صحت کے زیادہ سے زیادہ قرائن شرعی پائے جائیں۔
۳. منشائے شریعت سے قریب تر بات۔
اصحاب : (آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحبت یافتہ) وہ لوگ جنھوں نے بحالت ایمان حضور (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو دیکھا اور ایمان کی حالت میں وفات پائی۔

اصحاب الرائے : (دینیات) وہ علماء جو اصول کے مطابق غور و فکر کے بعد فروعی مسائل استنباط کریں۔
اصحاب الرقیم : اصحاب کہف جن کے ناموں کا اس غار پر جس میں وہ سوگئے تھے بادشاہ وقت نے کتبہ لکھ کر لگا دیا تھا۔
اصحاب الشمال : (لفظاً) بائیں طرف والے، (مراداً) اصطلاح قرآن میں گنہگار لوگ جن کے اعمال نامے قیامت کے دن ان کے بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے (اور یہ دوزخ میں بھیجے جانے کی علامت ہوگی)، بداعمال لوگ۔
اصحاب الفرائض : (فقہ) میت کے وہ وارث جن کا حصہ قرآن پاک کے احکام کے مطابق معین ہے۔
اصحاب الکہف : (لفظاً) غار والے ساتھی، (مراداً) ملک روم میں جزیرۂ افسوس کے شہر افسوس کے رہنے والے چھ یا سات باایمان نوجوان جو مذہباً نصرانی تھے. ۲۴۹ تا ۲۵۱ میں اپنے زمانے کے کافر و ظالم بادشاہ 'دقیانوس' کے خوف سے ایک غار میں جا چھپے تھے، ان کا کتا بھی ساتھ تھا. وہ سب قدرت الٰہی سے اس غار میں زمانہ دراز تک سوتے رہے (قرآن پاک، سورۂ کہف میں اس واقع کی تفصیل ہے)۔
اصحاب الیمین: (لفظاً) دائیں طرف والے، (مراداً) قرآنی اصطلاح میں نیک لوگ جن کے اعمال نامے قیامت کے دن ان کے داہنے ہاتھ میں دیے جائیں گے (اور یہ جنت میں بھیجے جانے کی علامت ہوگی)۔
اصحاب صفہ: وہ مہاجرین اصحاب جو مسجد نبویﷺ کے باہر ایک چبوترے پر رہتے تھے (اس چبوترے پر پتلی لکڑی اور پتوں کا ایک چھتا سا بنا دیا گیا تھا. ہمہ وقت وہ عبادت میں رہتے، مسائل سیکھتے سکھاتے اور ان کی معاش کا انتظام دوسرے اصحاب کرتے تھے یہ قریب ستر (۷۰) اسی (۸۰) اصحاب تھے صفہ اسم صوفی سے مشتق ہے)۔
اصحاب طیران : وہ اولیا جو فضا میں طیران (پرواز کر سکتے ہیں) کرتے ہیں اور جسم مثالی ان کا مصفا اور جسم عنصری ان کا مانند ہوا کے لطیف ہے۔
اصحاب ظاہر/ظواہر : وہ لوگ جو قرآن و حدیث کے ظاہری معنی پر یا ان معنی پر جو منقول ہیں حصر کرتے ہیں اور ان کے علاوہ کوئی مطلب لینا جائز نہیں سمجھتے۔

اصحاب عجل : وہ لوگ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے۔

اصحاب کساء : (لفظاً) کملی والے، (مراد) حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضور کی بیٹی بی بی فاطمہؓ، حضرت علیؓ اور دونوں نواسے امام حسنؓ اور امام حسین (رضوان اللہ علیہم) (جنہیں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک کملی میں لے کر ان کے حق میں دعا فرمائی تھی)، آل عبا.

اصطباغ : طواف کے دوران داہنی بغل سے چادر کو نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا۔ پہلے تین چکروں میں مردوں کے لیے اصطباغ اور رمل کا حکم ہے.

اصطلام : (لفظاً) جڑ سے اکھاڑنا، تباہ و برباد کرنا۔ (تصوف) شیفتگی اور فریفتگی جو طالب کے قلب پر غالب ہو اور سرگشتگی و حیرانی کے قریب پہنچ جائے۔

اصفیاء : پاک باطن لوگ، اولیاء اللہ، وہ لوگ جنہوں نے باطن کو صاف کیا اور قلب کو اپنے خالق کی طرف رجوع کیا۔

اصل : ا. قائم بالذات، جو کسی شے سے ماخوذ یا کسی شے پر مبنی نہ ہو، ۲. (دینیات) عقیدہ جس پر دین کی بنیاد، رکن دین، فرع کے بالمقابل.

اصل الاصول : وحدت کو کہتے ہیں کہ جو اصل فاعلیت و قابلیت ہے اس کو اصل حقائق بھی کہتے ہیں.

اصل الاصول معارف الٰہیہ : 'احدیت اسمائیہ اور تجلی ذاتی کیونکہ ذات کا متجلی ہونا یہ احدیت اسمائیہ ہے اور احدیت ذاتیہ میں تجلی ممتنع ہے' وحدت کو کہتے ہیں جو اصل فاعلیت و قابلیت ہے.

اصل الزمان: وقت کہ جو متوسط ہے ماضی اور مستقبل میں جس کو آن دائم یا نقد حال بھی کہتے ہیں اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی گرفت و یافت مشکل ہے کیونکہ جب اس کا ادراک چاہتے ہیں وہ فوراً زمانہ ماضی ہو جاتا ہے.

اصول : ا. (i) دین کے بنیادی عقائد (جو مذاہب عالم کی کتب دینیہ میں مذکور ہیں)۔

(ii) مسائل دینی میں فقیہ یا امام کے فتوے، احکام شرع۔

(iii) تقسیم میراث میں وہ وارث جن کا حصہ متعین ہے، آبا و اجداد، ذوی الفروض۔

(iv) مسائل شرعی (روزہ نماز وغیرہ) میں امام یا مجتہد کے فتوے پر عمل کرنے کا مسلک، اجتہاد، اخباریوں کے مسلک کی ضد۔

اصول اربعہ: فقہ اسلامی کے وہ چار ماخذ جن پر مسائل فرعیہ کی بنیاد ہے، یعنی: قرآن، سنت، اجماع، قیاس یا عقل۔

اصول اسماء الٰہیہ : 'امہات اسماء کہ جو حی و علیم و مرید و قدیر و سمیع و بصیر و کلیم ہیں. ان کو ائمۂ سبعہ بھی کہتے ہیں'۔

اضافت : اضافت اور نسبت درمیان عبد اور رب کے دو طرح پر ہے ایک حقیقی یعنی کہ عبد باعتبار اپنی حقیقت کے عین رب ہے مجاز کا اس میں بالکل دخل نہیں۔ دوسرے اضافت اور نسبت اعتباری کہ باعتبار تعین اور اطلاق کے عبد غیر ہے رب کا جیسے: کہ موج اور دریا حباب اور موج۔ تخم اور شجر۔ گل اور بو۔ آفتاب اور ضو، شخص اور عکس۔ حروف اور سیاہی، لفظ اور معنی یہ دونوں عبد اور رب میں موجود ہیں۔ اسی واسطے صوفیہ کرام ہمہ اوست کہتے ہیں کیونکہ بجز ایک وجود کے دوسرا وجود موجود نہیں۔ موجودات اشیاء اور اضافت اور نسبت ان کی اس ایک وجود حقیقی ہی سے ہے۔

اضطراب : ا. (حدیث) سند یا متن میں راویوں کا اختلاف یا کسی درجے میں اشتباہ، حدیث کا مضطرب ہونا۔

۲. محبت کے مراتب اور ان کے مدارج میں وَلَہ کے مرتبے کا چوتھا درجہ اضطراب ہے۔

اضطرار : وہ تڑپ اور رقت قلب جو ہر طرف سے مایوسی کی حالت میں انابت رجوع قلب اور خضوع و خشوع کا باعث ہوتی ہے۔ مراتب محبت میں مودّت کے مرتبے میں پہلا درجہ گریہ و اضطرار ہے۔

اضعف : (حدیث) وہ قول یا روایت جو نامعتبر اور دلائل شرعی کی رو سے غیر مستحکم ہو۔

اطوار: جمع ہے طور کی۔ وجود حقیقی کے حالات جو عرش سے فرش تک تعینات میں جھلک رہے ہیں سب اطوار ہیں۔ روح جسم بچپن شباب بڑھاپے کے اطوار سے گزر کر موت پھر اطوار برزخ سے گزر کر قبر حشر کی منزل سے ہو کر جنت یا دوزخ کی راہ لے۔ اللہ تعالیٰ کا قول خَلَقَکُم اَطواراً کو پورا کیا نیز اس کو سیر اطواری وجودی النفسی کہتے ہیں، حقائق

الٰہیہ اور تنزلات کونیہ کی سیر کو سیر اطواری وجودی آفاقی کہتے ہیں ۔
اطوار ستہ : وہ چھ طور یا طریقے جو (سلسلہ نقشبند کے نزدیک) سالکوں کو حاصل ہونا ضروری ہیں : (۱) لفظ 'اللہ کا دم' نفس سے کھینچنا جس کا مقام ناف ہے ۔ (۲) کھینچنا جس کا محل سینے میں بائیں جانب ہے ، (۳) روح سے کھینچنا جس کا محل سینے میں دائیں جانب ہے ، (۴) درمیان سینہ سے کھینچنا جس کا محل فم معدہ ہے ، (۵) پیشانی سے کھینچنا اور اسے لطیفۂ خفی کہتے ہیں ، (۶) کاسۂ سر سے کھینچنا اور اسے لطیفۂ اخفیٰ کہتے ہیں (محققین صوفیہ اور عرفائے کامل فرماتے ہیں کہ سالک کو ان لطائف و اطوار سے معرفت حاصل نہ ہوگی کیونکہ یہ اطوار لطائف تجلیات صفات کے ہیں اور وصال ذات توحید ہی سے حاصل ہوتا ہے) ۔
اطہار : جو پاک و پاکیزہ ہوں (عموماً ائمہ، آل یا عترت، بیت اطہار) ۔
اعتبار : ا۔ وہ حیثیت یا منزل جو خداوند تعالیٰ نے مقرر اور متعین فرمائی ہے اس کا اطلاق تجلیات اور تعینات پر آتا ہے یعنی ان کو اعتبارات کہتے ہیں 'حقیقت کے مقابلے میں ہر وہ چیز جو حقیقی نہیں اعتباری ہے۔ ہر وہ چیز جو ظنی وہمی اور فرضی ہے اعتباری ہے ۔
صرف حق سبحانہ تعالیٰ ذات حقیقی ہے ماسوا اس کے جو کچھ ہے اعتباری ہے ۔
۲۔ اعتبار کا ایک استعمال جو تصوف میں ملتا ہے ایک عارف کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی ﷺ بیان کرتا ہے اگرچہ اس معرفت کی جانب دلالت وضعی نہ پائی جاتی ہو اس انتقال ذہنی کو اعتبار کہتے ہیں ۔
مثلاً حدیث نبوی ﷺ جس گھر میں کتا اور تصویر ہو اس میں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا یہ سن کر صوفی جو تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن میں منہمک ہے بولے سچ ہے جس خانہ دل میں حرص دنیا کا کتا اور ماسویٰ (اللہ) کی تصویر ہو اس میں قدس کا فرشتہ نہیں آتا۔ یہ انتقال ذہنی بالکل جائز ہوگا ۔
شاہ ولی اللہ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں " آگاہ رہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفت اعتبار کو تدبر قرآن کے وقت نگاہ میں رکھا ہے اور اس کے موافق ایک دریا چھوڑ دیا ہے۔ غرض کہ اعتبار ایک فن ہے۔ بہت بڑا اور عمدہ اور بہت وسیع سب اسی مقولہ اعتبار سے ہے ۔
ترتیب موجودات جن منزلوں یا سیڑھوں پر سے وجود نے نزول فرمائیں حسب موقعہ کبھی تنزلات کبھی تعینات کبھی تجلیات کبھی تقیدات اور کبھی اعتبارات کہتے ہیں ۔
اعتبارات اربعہ : 'وجود اور علم نور اور شہود' کو کہتے ہیں ۔
اعتدال : نفس انسانی میں دو قوتیں ہیں (۱) ادراک (۲) تحریک۔ ان دونوں قوتوں کی دو دو اقسام ہیں ۔ ا۔ ادراک بقوت فطری۔ ۲۔ بقوت عملی اسی طرح تحریک۔ ا۔ بقوت شہوی۔ ۲۔ بقوت غضبی۔ یہ چار قوتیں فطری عملی شہوی غضبی ان قوتوں میں اعتدال اور تناسب رکھنا باعث فضیلت ہے ۔
اعتصام : ا۔ پناہ لینا ، خود کو گناہ سے بچانا ۔۲۔ (تصوف) 'محافظت طاعت، فرض واجب اور سنت کی پابندی' ۔
اعتقاد : عقیدہ ، مسلک ، مذہب ، ایمان ۔
اعتکاف : ا۔ (فقہ) دنیا سے یکسو ہو کر مدت معین کے لیے مسجد یا کعبۃ اللہ میں عبادت کی غرض سے صائم کی خلوت نشینی ۔
۲۔ (تصوف) 'قلب کو شغل دنیا سے فارغ کرنا اور مولیٰ کے ساتھ یکسو رہنا' لوگ اعتکاف اور عکوف کو اقامت یعنی غلبہ عشق بھی کہتے ہیں ۔
اعجاز : ا۔ خرق عادت جو منکرین کو قائل کرنے کے لیے انبیا سے ظہور میں آئے ، معجزہ ؛ (مجازاً) وہ حیرت انگیز بات جو معجزہ سی معلوم ہو ، کرشمہ ۔
اعجاز عیسیٰ/عیسوی/مسیحا/مسیحائی : حضرت عیسیٰ کا معجزہ قُم باذنِ اللہ کہہ کر مردے کو زندہ کر دیا تھا اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو شفا بخشی تھی ۔
اعراس : بزرگان دین کے مزارات پر معتقدوں کے سالانہ اجتماع (جن میں قرآن خوانی ، وعظ و تقریر ، تقسیم تبرکات اور لنگر کے علاوہ نعت خوانی اور ایصال ثواب اور سماع وغیرہ کا اہتمام ہوتا ہے) ۔
اعراض : وہ اشیا جو قائم بالذات نہ ہوں اور اپنے وجود کے لیے جسم یا مل (جوہر) کی محتاج ہوں ، مثلاً : رنگ و بو وغیرہ (اعراض نو ہیں : (۱) کیف (۲) کم (۳) این (۴) متیٰ (۵) اضافت (۶) وضع (۷) فعل (۸) انفعال (۹) مِلک ۔
اعراف : ا۔ دوزخ اور جنت کے درمیان ایک مقام ، جہاں کے رہنے والے دوزخیوں اور جنتیوں کو پہچانیں گے ، اعراف ایک دیوار عالی

ہے ، درمیان بہشت اور دوزخ کے جو درمیان دونوں کے حجاب واقع ہوئی ہے ، اس میں وہ لوگ رہیں گے جو عارف تر ہیں ۔
احوال اہل بہشت و دوزخ کے ۔
صوفیا کی اصطلاح میں تمام مخلوقات اور جملہ کائنات کی ان تجلیات اور روشن صفات کواعراف کہتے ہیں ۔
۲. قرآن پاک کی ساتویں سورت جو آٹھویں پارے سے شروع اور نویں میں ختم ہوتی ہے ۔
۳. (تصوف) 'وہ مطلع جو مقامات شہود حق کے ہیں اشیاء میں جس حال میں حق صفات کے ساتھ انہی اشیاء میں متجلی ہے کیونکہ وہ اشیا مظاہر ان صفات کی ہیں اور یہ مقام اشراف اور اطلاع کا ہے اطراف اشیاء کے اوپر'.
اعلیٰ التجلیات/المقامات : (تصوف) 'تجلی ذاتی' اور مقام اتحاد کو کہتے ہیں ۔
اعلیٰ علّیین : بہشت کا سب سے اونچا درجہ ، فردوس بریں کا سب سے اعلیٰ مقام ، اسفل السافلین کی ضد ۔
اعلیٰ مراتب الارادہ : نفی ارادۂ عبد اور اثبات ارادۂ رب کا صورت عبد میں.
اعلیٰ مراتب التجوید/التوحید : 'حقیقت الجمع ، یہیں پر سالک اجمال کو تفصیل اور تفصیل کو اجمال میں ملاحظہ کرتا ہے کل مراتب خلقیہ اور حقیقت میں' 'تجرید ذاتی جو تعینات میں ظاہر ہو' ۔
اعلیٰ مقامات التقویٰ/المعرفت: وہ مقام جہاں سالک کا ظاہر باشریعت آراستہ اور باطن باطریقت پیراستہ ہو۔ یہی مقام امامت کمالیہ کا ہے جو جامع ہے۔ علمیہ و عملیہ دونوں کو اسی مقام سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ سالک جو کچھ کرتا ہے حق کے ارادے سے کرتا ہے ۔
حالت تمکین یہی مقام امامت ہے۔ اس مقام پر جب سالک فائز ہوتا ہے تو اس کو امام العارفین کے لقب سے ملقب کرتے ہیں ۔
اعمال : ۱. (دینیات) عبادت ، واجبات یا سُنن ، فرض یا نفل ؛ وہ مستحب عبادتیں جو کسی خاص تقریب کے لیے کی جاتی ہیں۔ اوراد ، وظائف ۔
۲. (تصوف) متعابت 'اوامر کو بجا لانا اور نواہی سے بچنا' اوامر جن باتوں کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے ، نواہی جن باتوں سے منع کیا گیا ہے ۔

اعیان : 'حقائق عالم کی صورتیں جو علم باری تعالیٰ میں ہیں ، تعینات اور اجسام جو وجود ذات کے مظاہر ہیں ، صور علمیہ' .
اعیان ثابتہ/خارجیہ : ممکنات صور معانی صور علمیہ حق تعالیٰ جو جمیع موجودات غیب اور شہادت پر شامل ہیں ، آئینہ عالم جو علم الٰہی میں قبل تخلیق موجود تھا اب بھی موجود ہے اور آیندہ بھی رہے گا ، صور علمیہ کو حقائق الاشیاء بھی کہتے ہیں نیز اعیان خارجیہ عالم ارواح کو کہتے ہیں ۔
وہ مظاہر جو خارج میں ظاہر ہوتے ہیں اعیان ممکنات اور وجود عینی اور عالم شہادت کے نام سے پکارے جاتے ہیں ۔
اعزام : مراتب محبت کے درجات میں آٹھواں درجہ اعزام یعنی طلب مطلوب میں اپنے کو ہلاک کر دینے کے در پے ہو جانا ۔
اغیار : وہ لوگ جو محجوبان عن الحق اور وہم غیریت میں گرفتار ہیں ، کلام پاک میں ہے وہ لوگ مثل چوپایوں کے بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اگرچہ وہ بھی احاطہ وجود سے باہر نہیں ہیں مگر بوجہ اپنی کلیت سے غفلت اور خبریت میں گرفتاری کے وحدت سے دور اور غیریت میں مستور ہیں ۔ اور یہی یاس سبب غیریت ہے ۔ حالانکہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں مگر کافر یعنی وہ لوگ حق سے حجاب میں ہیں اور اس یاس کو رفع کرنا درمیان خوف اور امید کے رہنا شان ایمان ہے ۔ حدیث میں ہے یعنی ایمان درمیان خوف اور اُمید کے ہے ۔
افتا: دینی مسائل میں شریعت کی رو سے فیصلہ دینے کا کام ، فتویٰ دینا ۔
افتادگی : 'حالت کا ظہور نیز ظہور جلالت الٰہی اور عبودیت' حالات اور کیفیات کا مخفی نہ رہ سکنا بلکہ حاجت کا ظاہر ہو جانا ۔
اِفراد : ۱. یہ مانند اقطاب کے اولیا کامل ہیں۔ یہ تحت میں دائرہ قطب کے داخل نہیں اور نہ قطب کا تصرف ان پر ہے کیونکہ یہ نظر قطب سے خارج ہیں۔ ان افراد کو مفردان بھی کہتے ہیں جب قطب عالم ترقی کرتا ہے تو فرد ہو جاتا ہے ۔
۲. (فقہ) حرم سے باہر آ کر عمرے کا احرام باندھنا اور اس کے ارکان و اعمال پورے پورے بجا لانا ۔
اَفضل الاذکار : (لفظاً) وہ ذکر جو دوسرے ذکر سے افضل یا بہتر ہو ، (تصوف) 'کلمۂ لا الٰہ الا اللہ ، کا خفی و جلی ورد جس کا تصوف میں

خاص طریقۂ کار مقرر ہے ۔ (جزو اوّل (لا اِلٰہ) کو نفی ماسوائے حق اور جزو دوم (اِلّااللہ) کو اثبات حق سے تعبیر کیا جاتا ہے)۔

افعال الٰہی: جملہ افعال الٰہی آثار ہیں قدرتِ الٰہی کے۔ افعال جزوی ہوں یا کلی، کلیات تقدیم کی جہت حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہے، انسان اپنے فعل کو عمل میں لانے کے لیے محتاج ہے افعال الٰہی کے کئی مرتبے ہیں ابداع۔ خلق۔ صنعت۔ فعل۔ عمل۔ اقسام الٰہی ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے ہیں (یہ تمام الفاظ ترتیب سے اپنی جگہ درج ہیں)۔

اُفق: 'وہ غایت جہاں سلوک مقربین کا تمام اور مکمل ہوتا ہے اسی کو معراج اور معارج بھی کہتے ہیں'۔

اُفق اعلیٰ/العلا: 'نہایت مقام روح اور مرتبۂ واحدیت'، 'مرتبۂ الوہیت کہ جس کو حضرۃ المعانی اور تعین ثانی بھی کہتے ہیں اور یہ اس کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جب سالک اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس سے صفات خالق ظاہر ہوتے ہیں جیسے مردے کا زندہ کرنا اور مادرزاد اندھے کو اچھا کرنا۔ اس واسطے اس کا نام حضرت ظہور التجلی بصورۃ الحق ہے اور یہی مقام تعانق الطراف اور مجمع الاضداد و مجمع البحرین و قاب قوسین کا ہے'۔

اُفق مبین: روشن اور منور، (تصوف) 'نہایت مقام قلب'۔

افول: امکان کو کہتے ہیں۔

اقامت: ۱۔ (تصوف) غلبۂ عشق کو کہتے ہیں اس کا تعلق تہذیب قلب سے ہے۔ ۲۔ (فقہ) مقیم ہونے کی حالت، حضر، سفر کی ضد ۳۔ وہ کلمات جو ائمۂ اربعہ کے نزدیک باجماعت نماز کے لیے اور فقہ جعفری میں ہر نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت پکار کر ادا کیے جاتے ہیں۔ (اس میں اور اذان میں یہ فرق ہے کہ اقامت میں آخر کی دو تکبیروں سے پہلے 'قد قامت الصلوٰۃ'، دو مرتبہ کہتے ہیں، اور فقہ جعفری کے مطابق شروع میں چار کی بجائے دو تکبیریں: اور آخری دو تکبیروں سے پہلے قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ اور آخر میں 'لاالٰہ الا اللّٰہ'، ایک مرتبہ کہا جاتا ہے۔

اقطاب: وہ اولیا جو عالم میں نگاہِ حق ہوتے ہیں اور ہر زمانے میں ان میں کا ایک موجود رہتا ہے اور دنیا کے کاروبار کی نگرانی اور نگہبانی کرتا ہے۔

ہر زمانے میں تمام دنیا میں سب سے بڑا قطب ایک ہوتا ہے جسے قطب عالم، قطب کبریٰ یا قطب ارشاد یا قطب مدار یا قطب الاقطاب یا قطب جہاں یا جہانگیر عالم کے ناموں سے پکارتے ہیں، عالم سفلی و علوی میں اس کا تصرف ہوتا ہے۔

اقطاب کے بے شمار انواع ہیں جو سب قطب عالم کے ماتحت ہوتے ہیں۔

اقضاالذات: اعتبار احدیت اسمائیہ کو کہتے ہیں کہ جو مقام تخلیق ہے۔

اقصیٰ مراتب الظہور: صورت بدن انسانی کو کہتے ہیں۔

اکبر القربات: ذکر الٰہی کو کہتے ہیں، اللہ کا ذکر بزرگ تر ہے۔

اِکم دَم: یکتائی اور وحدت کا نعرہ، اللہ ھُو کی ضرب۔

اَل یاس: (تصوف) حالتِ قبض کو کہتے ہیں، الیاس۔

اِلا: حرف استثنا کلمۂ 'لا الٰہ الا اللّٰہ' میں سے 'الا اللّٰہ' کا مخفف، وجود باری تعالیٰ کا اقرار، وجودِ ذات۔

اِلا اللّٰہ: کلمۂ ناتمام۔ ۱۔ کلمۂ توحید، (لا الٰہ الا اللّٰہ) (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کا دوسرا جزو اور اس کا اختصار، اقرار توحید، اہل ذکر کا وظیفہ۔ ۲۔ (تصوف) 'ریاضت میں صوفیائے کرام کا اپنے سینے پر ضرب لگانے کا ایک کلمہ (جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اوّل لا الٰہ کہتے ہوئے اپنے سر کو داہنے شانے سے وسط سینہ تک لاتے ہیں، اور پھر الا اللہ کہتے ہوئے بائیں شانے سے اپنے سر کو وسط تک لاتے ہیں اور دونوں دفعہ سر کی حرکت کو اس طرح روکتے ہیں جیسے ضرب لگا رہے ہیں)۔

الآن: اس وقت کا نام ہے جس وقت کے اندر تم ہو اور وہ ایک ظرف غیر متمکن ہے، الآن الدایم یہ مرتبہ تفصیل صفات ہے۔

التیام الفطور: اس سے مراد رویت وحدت فی الکثرۃ ہے اور کبھی مراد لیا جاتا ہے اس سے وصول سالک اور انتہائے سیر اس کی حضرت جمع اور وجود تک ہے۔

التجا: اعتصام بالحق یعنی طلب کرنا حق سے محافظت، طاعت اور توفیق رضا بقضا الٰہی کو۔

اِلٰہ: ۱۔ اللہ، خدا، معبود، وہ ذات جس کی پرستش اور عبادت کی جاتی ہے۔ ۲۔ (مجازاً) وہ انسان جو ظاہرا کسی چیز کا موجد یا خلاق ہو۔

اِلٰہ العالمین: تمام دنیاؤں کا خالق اور پروردگار، اللہ تعالیٰ.

اِلٰہی : (منادیٰ) اے میرے اللہ، (بطور دعا) خدا کرے، اللہ کرے.

الٰہیات :(فلسفہ) وہ علم جس میں ذات و صفات باری اور اس کے متعلقات سے بحث کی جاتی ہے.

الحاح : طلب یا گزارش کے موقع پر منت سماجت، عاجزی، رو رو کر اور گڑگڑا کر عرضداشت.

الحاد : کفر، اصول اسلام سے انکار یا انحراف ؛ لامذہبیت، دہریت.

اَلست : خلقت عالم سے پہلے عالم ارواح میں خدائے تعالیٰ کے حضور اس کی الوہیت کا قول و قرار (ادبیات میں بطور تلمیح روز یا عہد وغیرہ کے ساتھ مستعمل)، میثاق (قرآن پاک میں آیا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے خلقت کائنات سے پہلے جب انسانوں کی روحیں پیدا کیں تو ان سے خطاب فرمایا : الست بربکم، (= کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) تمام روحوں نے بے ساختہ جواب دیا 'بلیٰ' (کیوں نہیں؟ تو ہی ہمارا رب ہے). اَلست بربکم آیت کا اقتباس۔

الفت : شیخ عبدالعزیز رسالہ عشقیہ میں محبت کے دس مراتب اور ہر مرتبہ کے تحت پانچ پانچ مدارج تحریر فرماتے ہیں ا. الفت۔۲. صداقت۔ ۳. مودت۔۴. ہوا۔ ۵. شغف۔ ۶. خلت۔ ۷. محبت۔ ۸. عشق۔ ۹. تیم۔ ۱۰. ولہ۔

الفت کے مدارج۔ ا. افعال اور صنائع سے متاثر ہونا۔۲. مشقت و مصائب کا تحمل۔۳. تمنا۔۴. اخبار دوست سے لطف لینا۔ ۵. تضرع۔

القا: خدائے تعالیٰ کی طرف سے خود بخود انسان پر کسی بات کا انکشاف، الہام علم غیب کا عالم غیب سے عارف سالک کے دل پر وارد ہونے کو کہتے ہیں القا۔ ابتدائی حالت ہے۔ الہام اور وحی انتہائی حالت ہے۔ اولیاء اللہ کو الہام ہوتا ہے۔ انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام پر وحی نازل ہوتی ہے، القا ہر وہ چیز جو بطریق استدلال حاصل نہ کی گئی ہو۔

القائے سبوحی : وہ القائے رحمانی ہے جو حق تعالیٰ کی جانب سے بلا کسی واسطہ کے بندہ کے قلب پر وارد ہوتا ہے اور بندہ اپنے آقا کی طرف رجوع کرتا ہے اسے داعی الی اللہ بھی کہتے ہیں۔

اللہ : ا. معبود، اللہ تعالیٰ کا اسم ذات، اسماء صفاتی کے مقابل، احدیت مطلقہ۔۲. تنہا، جس کا سوائے اللہ کے کوئی یار و مددگار نہ ہو، مقام وحدت .۳. مقام واحدیت۔

وہ سیدھی لکیر جو آزاد فقراء اپنے ماتھے پر مانگ کے کنارے سے ناک تک کھینچتے ہیں (کہا جاتا ہے کہ اس سے وحدانیت باری تعالیٰ کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے). اللہ نام ہے واجب الوجود کا جو مستجمع ہے جمیع صفات کمال کا اور یہ مستعمل ہوتا ہے تین جگہ پر۔

اول مقام لاتعین میں جو ذات بحت منقطع الاشارہ ہے۔ نہ وہاں اسم ہے اور نہ رسم اور اسی کو احدیت مطلقہ بھی کہتے ہیں۔

دوسرے مقام وحدت میں کہ اس مقام میں جملہ صفات ذات کے ساتھ اجمالاً ملحوظ ہیں، مرتبہ وحدت جس میں اللہ اسم جامد ہے۔

تیسرے مقام واحدیت میں اطلاق کرتے ہیں۔ اس مقام میں کل صفات ذات کے ساتھ تفصیلاً ملحوظ ہیں۔ پس اس مرتبہ واحدیہ میں اللہ ماخوذ ہے اِلٰہ سے کہ جس کو فارسی میں خدا کہتے ہیں اور مرتبہ احدیت مطلقہ میں اللہ ماخوذ سے ولہ اور ولہ کے معنی حیرانی کے ہیں۔ اس مرتبہ میں حیرانی اور پریشانی دم نقد ہے اور مرتبہ وحدیت میں اللہ اسم جامد ہے۔

اللہ بطنی : وہ چھوٹا سا الف جو عربی کے بعض الفاظ کے رسم الخط میں کسی حرف کے اوپر اشباع کے لیے لکھا جاتا ہے، جیسے الحٰق، زکوٰۃ وغیرہ.

اللہ اکبر: فقرہ .ا. اللہ بہت بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، (مراداً) نعرۂ تکبیر، حسبِ ذیل مواقع پر مستعمل .۲. اذان اقامت نماز اور دیگر عبادات و اذکار میں جہاں جہاں مقرر ہے .۳. عید کی نماز کو گھر سے جاتے اور آتے اور قبرستان میں گزرتے وقت مقررہ کلمات کے ساتھ۔

اللہ الغنی : فقرہ. (لفظاً) اللہ بے نیاز ہے، (مراداً) ایسے شخص کی مذمت یا ہجو جس کا فعل متکلم کی طبیعت یا توقع کے خلاف ہو.

اللہ بس (اور) باقی (۔۔۔ ماسوٰی) ہوس: فقرہ۔ اللہ کے سوا باقی تمام دنیا ہیچ اور فانی ہے، دنیا سے کوئی امید نہیں صرف اللہ پر بھروسا ہے (دنیا سے بے دلی یا مایوسی کے موقع پر مستعمل)۔

اللہ کا دیدار محمدﷺ کی شفاعت: فقرہ۔ (لفظاً) خدائے تعالیٰ کا دیدار اور گناہوں کی معافی کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفارش (مراداً) سب سے بڑی نعمت۔

اَلم نشرح: قرآن مجید کے تیسویں (۳۰) پارے میں ایک سورت کا نام جو اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ (اے رسول کیا ہم نے تیری شرح صدر نہیں کر دی) سے شروع ہوتا ہے۔

اُلوہیت: ۱. خدائی یا خداوندی، خدائی کا رتبہ، اللہ یا معبود ہونا۔ ۲. (تصوف) اسمائے الٰہی اور صفات کے درمیان ایک منزل، رب اور مربوب یا عبد اور معبود کے درمیان برزخ کی مثل ہے۔

الہام: کہتے ہیں شے کا سالک کے دل پر یقین کامل کے ساتھ وارد ہونا بعد صفائی قلب کے اور یہ صفائی قلب خواہ کسب سے یعنی ذکر و شغل وغیرہ سے ہو یا محض عنایت حق سے ہو بلا کسب کے۔ ابتدا میں سالک کے دل پر الہام ہوتا ہے اور انتہا میں بلا واسطہ حق سے مکالمہ کرتا ہے، غیب سے دل میں کسی بات یا خیال کا نزول یا ورود، القاء کشف (خصوصاً انبیا و اولیا پر ظاہر ہوتا ہے)، الہام کے ذریعے معنی کا انکشاف ہوتا ہے۔

الہامی/الہامیہ: الہام سے منسوب، وہ بات جو بطور الہام معلوم ہو۔

الیاس و خضر: الیاس سے عموماً کنایہ کیا جاتا ہے حالت قبض کی جانب اور خضر سے حالت بسط کی جانب۔

اَلیم: وہ چیز جو رنج و الم پہنچائے، دردناک صعوبت یا تکلیف میں مبتلا کرنے والا (اکثر عذاب کے ساتھ لفظ الیم مستعمل ہے)۔

اُم الانسان: حضرت حوا کا لقب جو حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ تھیں۔

اُم الائمہ: (لفظاً) اماموں کی ماں، (مراداً) حضرت فاطمہؑ کا لقب جو پیغمبر اسلامﷺ کی بیٹی اور امام حسنؑ اور امام حسین علیہما السلام کی والدہ تھیں

اُم البلاد: (لفظاً) قدیم ترین شہر، (مراداً) مکۂ معظمہ کا لقب۔

اُم الخبائث: (لفظاً) برائیوں کی جڑ، (مراداً) شراب۔

اُم القرآن/اُم الکتاب: عقل اول اور مقام وحدت یعنی حقیقت محمدیﷺ کو کہتے ہیں اور بعض مرتبہ احدیت کو بھی اُم الکتاب کہتے ہیں اور یہ وہی احدیت اسمائیہ ہے، قرآن پاک، کلام اللہ کی سورۃ، جو کلمۂ 'الحمد' سے شروع ہوتی ہے، سورۃ فاتحہ۔

امارہ: فقط اپنی مرضی پر چلنے والا، نفسانی خواہش کی پیروی کرنے والا، سرکش، بے قابو (عموماً نفس، کے لیے مستعمل) نفس امارہ۔

امام: ۱. نماز پڑھانے والا، پیش نماز ۲. تسبیح کا پیش دانہ جسے تسبیح کے ڈورے میں دونوں سرے ملا کر پرو دیا جاتا ہے۔ ۳. (i) (اہل سنت) وہ فقیہ جس نے قرآن و سنت و اجماع و قیاس سے استنباط و استخراج مسائل کر کے فقہ کو مدون کیا۔ (ii) (جعفری) حضرت علیؑ اور ان کے گیارہ جانشینوں میں سے ہر ایک (اور یہی بارہ امام یا ائمۂ اثنا عشر کہلاتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں: حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ، امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادقؑ، امام موسیٰ کاظمؑ، امام علی رضاؑ، امام محمد تقیؑ، امام علی نقیؑ، امام حسن عسکریؑ، امام مہدی آخر الزماںؑ)

امام اعظم: حضرت ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کا لقب، (اہل سنت کے چار اماموں میں سے پہلے امام، جن کے مقلد حنفی کہلاتے ہیں)۔

امام اوّل: (جعفری) حضرت علیؑ بن ابی طالب جو آنحضرتﷺ کے بعد سلسلۂ ائمۂ اثنا عشری کے پہلے امام ہیں۔

امام العارفین: اس سے مراد وہ شخص ہے کہ جو اعلیٰ مقامات تمکین پر فائز یعنی حق کو مظہر میں مع التنزہ دیکھے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام المتقین: اُس کو کہتے ہیں کہ جس کو اللہ نے محفوظ رکھا ہے مخالفت امر و نہی اور قضا اور قدر سے اور اُس سے کوئی ایسے افعال صادر نہیں ہوتے ہیں جو بحکم حق نہ ہوں۔

امام آخر الزماں : (جعفری) بارھویں امام جن کا نام محمد اور القاب امام مہدی ، امام غائب اور امام منتظر ہیں ۔

امام ضامن : ا. (جعفری) بارہ اماموں میں سے آٹھویں امام کا لقب جن کا نام علی اور لقب رضا تھا (کہا جاتا ہے کہ آپ خلیفہ ہارون رشید کے عہد میں زائرین کربلا کے ضامن ہو جاتے تھے کہ وہ زیارت کر کے واپس آ جائیں گے اور حکومت کی عائد کردہ پابندیوں کے خلاف کوئی عمل نہیں کریں گے ، یہ بھی خیال ہے کہ آپ جس طرح خلق اللہ کی بخشش کے ضامن ہیں اسی طرح حیوانات کے بھی بعض اوقات صیادوں سے ضامن ہوگئے ہیں) ۔

امام مبین : ا. اس سے مراد کتاب اللہ ہے اور بعضوں کے نزدیک انسان کامل مراد ہے کلام مجید میں ہے (کل شئی احصیناہ فی امام مبین) ۔
۲. علم الٰہی اُم الکتاب ہے اور عقل اول امام مبین ہے ۔

امامان: ا. قطب الاقطاب کے دو وزیر ہوتے ہیں انہیں امامان کہتے ہیں۔ داہنے ہاتھ والے کا نام عبدالملک اور بائیں ہاتھ والے کا نام عبدالرب ہے ۔ داہنے ہاتھ والا قطب مدار سے فیض حاصل کرتا ہے اور عالم علوی پر اس کا افاضہ کرتا ہے ، بائیں ہاتھ والا قطب مدار سے فیض حاصل کر کے عالم سفلی پر افاضہ کرتا ہے۔ بائیں ہاتھ والے کا مرتبہ داہنے ہاتھ والے سے بلند تر ہے ، جب قطب اقطاب کی جگہ خالی ہوتی ہے تو بائیں ہاتھ والے کو ملتی ہے اور دائیں ہاتھ والا بائیں ہاتھ والے کی جگہ آ جاتا ہے۔ عالم کون و فساد میں انتظام رکھنا زیادہ مشکل ہے بہ نسبت عالم علوی کے اس لیے بائیں ہاتھ کا وزیر زیادہ قوی اور تجربہ کار رکھا جاتا ہے ۔
۲. یہ دو شخص ہیں ایک ان دونوں کا داہنی طرف غوث کے یعنی قطب الاقطاب کے رہتا ہے اور نظر اس کی ملکوت پر ہے دوسرا بائیں طرف اور نظر اس کی عالم شہادت پر ہے یہ افضل اور اعلیٰ صاحب ملکوت سے ہیں اور ان ہی میں سے ایک بعد قطب کے قطب کا خلیفہ ہوتا ہے ۔

امامین : (لفظاً) دو امام ، (مراداً) امام حسن اور امام حسین علیہما السلام ۔

امانت : ا. ودیعت الٰہی ، خدائے تعالیٰ کی بخشی ہوئی دولت ایمان (جسے دنیا سے صحیح سالم اس کی بارگاہ میں لے جانے کی پابندی ہے)۔ نیز بعض عشق الٰہی اور اسرار حق تعالیٰ کو کہتے ہیں اور اکثر لوگ انانیت حقیقی کو کہتے ہیں یعنی حقیقت ہویت الٰہیہ جو متجب ہے تعینات کے ساتھ اور متصف ہے جمیع صفات الٰہیہ کے ساتھ اور تعبیر کی جاتی ہے اناء مطلق سے اور یہ انسان میں ودیعت ہے بسبب اس کی استعداد کے بخلاف دوسری مخلوق کے کہ ان میں یہ استعداد نہیں اور انسان ظہور انانیت میں بہ سبب خودی اور صفات نفس کے اپنے اس کے ادائی حق سے قاصر اور جاہل ہو جاتا ہے ۔
۲. وہ بار امانت جس کا ذکر سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۷۲ میں ہے انسان نے اس بار امانت کو فوراً قبول کر لیا کیوں کہ انسان مثل آئینہ زنگاری کے ہے۔ اس کے ایک جانب لطافت ملکوتی ہے اور دوسری جانب کثافت حیوانی ، ایک جانب وجود کا نور ہے دوسری جانب عدم کی ظلمت، ایک جانب علم کی روشنی دوسری جانب جہل کی تاریکی، اس جامعیت نے انسان کو اس قابل بنا دیا کہ امانت جامعیت ذات و صفات کو اٹھائے ظلوماً جھولاً سے مراد ظلم نہیں بلکہ ظلمت ہے جو ضد ہے نور کی ۔ جہل بھی تاریکی ہے جو ضد ہے علم کی اور علم نور ہے ۔ امین کو یہ حق نہیں کہ پرائی امانت میں اپنا کوئی ذاتی تصرف کرے ۔ امانت کے جو احکامات ہیں انہیں شریعت کہتے ہیں علم شریعت کا جاننا ضروری ہے۔ جب تک شریعت کی پاسداری نہ کی جائے ذات و صفات کی مظہریت کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔

اَمثال : وہ مادی مظاہر جن میں عارف کو جلوۂ الٰہی نظر آئے ۔

امر: ا. ایک عالم ہے جو بے مادہ مدت کے موجود ہے۔ عقول اور نفوس اسی عالم سے ہیں اور اس کو عالم ملکوت اور عالم غیب بھی کہتے ہیں ، اللہ تعالیٰ کا امر ہی موجودات کی علت ہے۔ جو چیز نہ تھی پھر ہوگئی ۔ وہ امر الٰہی سے ہوئی ۔
۲. امر الٰہی کے تین مراتب ہیں ۔ ا. حقیقت الامر علم ذاتی ہے جو شامل

ہے کل چیزوں پر ، اسے علم الٰہی بھی کہا جا سکتا ہے ۔۲. اثر الامر جبرئیل علیہ السلام ہیں ۔ امر الٰہی کا اثر یہ ہے کہ اجسام کو حرکت ہو اور روح کی پیدائش ظہور میں آئے ۔۳. صورت الامر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ علم الٰہی اور مشیت الٰہی اور ارادہ الٰہی اور احکام الٰہی کی آپ ﷺ صورت ہیں۔ آپ ﷺ اصل ہیں۔ جملہ انبیاء کی آپ ﷺ اوّل خلق آپ ﷺ خاتم الرسل آپ ﷺ افضل البشر ہیں ۔ اللہ کی جناب میں بندگان خدا کی شفاعت فرمانے والے اُن کے اور اللہ کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہیں ۔

امر بالمعروف : (لفظاً) نیکی کی ہدایت ؛ (دینیات) واجبات سے آگاہ کرنا، فرائض شرعی بجالانے کا حکم دینا (عموماً 'نہی عن المنکر' کے ساتھ مستعمل) امر بالمعروف ونہی عن المنکر ؛ نیکی کی ہدایت دینا اور برائی سے روکنا ۔

امر و خلق : وہ عالم جو کہ موجد کے امر سے دفعتاً بے مادہ و مدت کے موجود ہو گیا۔ عالم امر ہے برعکس عالم خلق کے جو مادہ اور مدت کے ساتھ مقید ہے۔ بسیط چیز کا عدم سے وجود میں لانا امر ہے واسطے اس کے ہے خلق اور امر (الاعراف ، ۱۷ : ۵۴) ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے (یٰسین ، ۳۶ : ۸۲) ۔

امر و نہی: ۱.حکم اور ممانعت ۲.(اسلامیات) تکلیفات شرعی ، حلال وحرام .

امکان : کہتے ہیں کہ جس کا سلب ضرورت جانب عدم اور وجود دونوں سے ہو مراد اُس سے ماسواء اللہ ہے کہ جو عالم ہے اور امکان عالم عبارت ہے عدم وجوب اور عدم امتناع سے۔ پس امکان امر وجودی نہیں کہ جو محتاج جعل جاعل کا ہو اور سبب اختلاف عالم اور افراد عالم کا امکان ہے اور ایجاد عالم کے لیے فقط امکان بنفسہ بلا واجب کے کافی نہیں ہے اور واجب وہی ذات حق ہے ۔

اُمناء : ایک گروہ ہے کہ جو اپنی باطنی حالت میں کامل ہوتے ہیں اور ظاہر سے بالکل بے خبر ، گروہ ملامتیہ ، وہ لوگ جو خود کو خواری اور خستہ حالی کے پردے میں مخفی رکھتے ہیں خود کو ظاہر نہیں کرتے ۔

امور کلی : ان کو کہتے ہیں کہ جو موجود ہوں عقلاً اور معدوم ہوں خارج میں .

اُمہات اسما : ۱. خدائے تعالیٰ کے چار نام : اول ، آخر ، ظاہر اور باطن . ۲. اُمہات اسما سات ہیں ۱. حیات۔ ۲.علم۔ ۳.قدرت۔ ۴. ارادہ۔ ۵.سمع۔ ۶. بصر۔ ۷. کلام۔ ان صفاتِ امہات میں سے بعض کے ساتھ مشروط ہیں جب تک حیات نہ ہو علم نہیں ہو سکتا جب تک قدرت نہ ہو ارادہ نہیں ہو سکتا اور جب تک ارادہ نہ ہو کلام کی نوبت نہیں آتی ۔ صفات کے باہم مشروط ہونے کو اشتمال کہتے ہیں .

اُمہاتِ حقائق: اسمائے ذات وصفات و افعال جو مبادیاتِ معرفت حق ہیں.

اُمہات سفلی : (لفظاً) وہ بنیادی چیزیں جو عالم ظاہر سے تعلق رکھتی ہیں ، (مراداً) اربعہ عناصر : پانی ، مٹی ، آگ ، ہوا ۔

امہات صفات : یعنی سبع مثانی۔ یہ آیات کا مجموعہ ہے اسے سبعہ ذاتیہ بھی کہتے ہیں ۔ یہ امہات اسما۔ ۱. حیات۔ ۲.علم۔ ۳. قدرت۔ ۴. ارادہ۔ ۵. سمع۔ ۶. بصر ۔۷. کلام ذات حق تعالیٰ۔ (رخسار کے باب میں وضاحت موجود ہے) کا ہر حرف معانی اور معرفت اور اسرار کا ایک بحر ناپیدا کنار ہے ۔

اُمہات علوی : (لفظاً) وہ بنیادی چیزیں جو عالم باطن سے تعلق رکھتی ہیں ، (مراداً) علم ، عقل ، نفس اور روح .

اُمی : ۱. ان پڑھ ، بے پڑھا لکھا ، ناخواندہ ۲. اُم القریٰ (مکہ معظمہ) کا باشندہ۔ ۳. پیغمبر اسلام حضرت ختمی مرتبت کا لقب جو بطور صفت مستعمل ہے

اُمید : شدت ولہ محبوب حقیقی یعنی ذات حق جل وعلی شان کو کہتے ہیں نیز تجلی روح کو بھی کہا جاتا ہے ۔

امیر : ۱. اُسے کہتے ہیں جسے ہمیشہ یادحق سے سروکار ہو ۲. حضرت علی علیہ السلام کا لقب (عموماً جناب اور حضرت کے ساتھ مستعمل) .

امیری : اپنی ارادت کو سالک پر جاری کرنا ، یادحق سے سروکار رکھنا ۔

امین : جس پر اعتماد اور بھروسا کیا جا سکے ، امانت دار ، معتبر ۔۱. پیغمبر اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب جو نبوت سے قبل لوگوں کی

امانتیں محفوظ رکھنے کی بنا پر آپ کو عوام کی طرف سے ملا تھا۔ ۲۔ مشہور فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا لقب جو خدا کا پیغام بے کم و کاست نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچانے پر مامور تھے۔

انا : ۱۔ وجود حق کہ ذات اپنے آپ کو اس کے ساتھ تعبیر کرتی ہے خواہ مطلق ہو خواہ مقید اور بعض کے نزدیک عبارت ہے ذات مطلقہ سے لہذا ہر مظہر کی انا وجود مطلق کی انا ہے......اور انا سے اشارہ ہے مرتبہ وحدت و حقیقت محمدی ﷺ کی طرف بھی کہ اس کو علم مجمل اور یقین اول کہتے ہیں۔

۲۔ جسم آدم میں ایک مضغہ ہے اس مضغہ میں فواد ہے فواد میں روح ہے روح میں سِرّ ہے سِرّ میں خفی ہے خفی میں اخفا ہے اور اخفا میں انا ہے اس انا سے اشارہ ہے ذاتِ مطلق کی جانب بندہ میں جو انانیت ہے وہ انائے حقیقی کی آواز بازگشت ہے۔

لفظ انا سے کبھی تعین اول کی جانب اشارہ کیا جاتا ہے اور تعین اوّل مقام محمدی ﷺ ہے۔ جب عارف انا کا استعمال کرتا ہے تو اس کی مراد ہوتی ہے وجود خارجی کی انانیت۔ وہ انانیت حق تعالیٰ کی خبر دیتی ہے اور حق تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے کیوں کہ عارف حق تعالیٰ میں فانی ہوتا ہے۔ وہ ھوالحق کہے یا انا الحق، تعبیر اس کی ایک ہی حقیقت ہوتی ہے۔ تعین کے دور کر دینے سے انا اور ھو ہم معنی ہو جاتے ہیں۔

انا الحق : عربی فقرہ، اردو میں مستعمل۔ (لفظاً) میں حق (خدا) ہوں، (مراداً) ایک کلمہ جس کو منصور حلاج جو عارف اللہ تھے محویت اور استغراق کے عالم میں کہہ اٹھتے تھے (جس کی بنا پر علماء وقت کے فتوے سے انھیں سولی دے دی گئی)، منصور حلاج کا یہ مسلک کہ ذات حق کے سوا کوئی موجود نہیں، ہمہ اوست۔

انابت : اس توبہ کو کہتے ہیں جس میں ایسی ندامت ہو جو رغبت سے پیدا ہوتی ہے۔ انابت کرنے والے کو منیب کہتے ہیں۔ گناہِ صغیرہ سے محبت کی جانب رجوع انابت ہے، اللہ کی طرف رجوع ہونا، توبہ کرنا اور خلاصی پانا تعینات سے۔

اناجیل : انجیلیں : انجیل، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال و افعال کے مجموعے جو چار روایات سے منقول ہیں، متی اور یوحنا (حواریان حضرت عیسیٰ) اور مرقس ولوقا (تابعین حضرت عیسیٰ) کی انجیلوں کے نسخے۔

انانیت : یہ حقیقت عبد کی ہے اور ہر وہ شے جو عبد کے ساتھ متعلق ہے اسی حقیقت عبد کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ مثلاً روحی۔ نفسی۔ مالی۔ قلبی۔ چشتی۔ فریدی۔ فخری وغیرہ۔

انا عبارت ہے اصل ذات و وجود حق تعالیٰ سے کہ ذات خود اس کے ساتھ اپنے کو تعبیر کرتی ہے خواہ مطلق ہو خواہ مقید ہو اور انانیت منسوب ہے طرف انا کے اور حدیث شریف میں اسی انا کی طرف اشارہ ہے (ترجمہ: فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، آدم کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے اور لوتھڑے میں دل ہے اور دل میں روح اور روح میں سر اور سر میں خفی اور خفی میں اخفا اور اخفا میں انا)۔

انانیت کبریٰ : سالک روح حیوانی سے خلاصی پا لیتا ہے تو یا تو روح ملکوتی اسے اپنی جانب کھینچتی ہے یا روح القدس میں اسے محویت و اضمحلال حاصل ہوتا ہے پھر وہ اس سے از سر نو بقا پاتا ہے یہ نبوت کا ورثہ ہے یا پھر نفس ناطقہ اسے کھینچتا ہے اور وہ انانیت کبریٰ میں فنا ہو جاتا ہے پھر وہ نئے سرے سے بقا پاتا ہے اور یہ ولایت کبریٰ ہے۔

انبعاث موتیٰ : قیامت میں مردوں کا قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنا۔

انتباہ : تنبیہ اور سرزنش سالک کے دل سے غفلت کا دور ہونا۔

انتخاب قدرت : وہ قدرتی عمل جس سے کسی نسل میں مفید باتیں ہمیشہ کے لیے آ جاتی ہیں اور اس سے ایک خاص نسل پیدا ہو جاتی ہے۔

انجمن : علم کثرت کو کہتے ہیں۔

انجیل : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہونے والا صحیفہ آسمانی۔

اندماج : کسی چیز کی ماہیت میں یا کسی چیز میں محو ہونے اور ایک ہو جانے کو کہتے ہیں۔

اندراج : ایک چیز کی دوسری چیز میں بغیر حلول اور اتحاد کے داخل ہونے کو کہتے ہیں۔

اندراج الکل فی الکل : اندراج، لغت میں داخل ہونے اور در آنے اور لپٹ جانے کو کہتے ہیں، اور اصطلاح صوفیا میں داخل ہونا ایک شئے کا ایک شئے میں بھی حلول اور اتحاد کو یعنی حلول وہ ہے کہ حقیقت میں دو شئے مبائن ہوں اور ان میں سے ایک شئے دوسری شئے میں

داخل ہو اور اندراج یہ ہے کہ حقیقت میں دونوں ایک شئے ہوں اور صورتیں دو اُن میں سے ایک دوسری میں داخل ہو جائے ۔ اب فرق درمیان حکما اور صوفیا میں یہ ہے کہ حکما اندراج کو اجسام کے ساتھ تقصیر کرتے ہیں اور صوفیا تمام حقایق کے ساتھ تعیم کرتے ہیں حکما کے نزدیک کثرت حقایق کی حقیقی ہے اور وجود اس کے اندراج کو جائز رکھتے ہیں اور صوفیا کے نزدیک کثرت حقایق کی غیر حقیقی ہے اور مذہب صوفیا کا قریب العقل والفہم ہے ۔

اُنس : ا۔محبت کے دس مراتب میں سے ساتواں مرتبہ۔ مانوس ہونے کی کیفیت ، الفت ۔۲۔(تصوف) مشاہدہ جمال کا نتیجہ اُنس ہوتا ہے ۔صوفیا نے ہیبت و انس سے پناہ مانگی ہے کیوں کہ مشاہدہ جمال سے ہیبت پیدا ہوتی ہے ۔ انس دل میں جمال الٰہی کے اثر کو کہتے ہیں ۔ اثر کرنا ، مشاہدہ اور جمال حضرت الٰہیہ کا دل میں اور اُس کو جمال الجلال بھی کہتے ہیں ۔

انسان : انسان عالم کا خلاصہ ہے۔موجودات کو انسان سے وہ نسبت ہے جو جسم کو روح سے۔ انسان اسمائے الٰہی ''جامع'' کا اسمائے کونی ہے انسان اسرار اسماء الٰہیہ و حقائق کونیہ کا جامع ہے اور روح عالم ہے ، ترتیب مابعد میں انسان کا دسواں نمبر ہے سورہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آیت نمبر ۳۸ اپنے خلیفہ یعنی انسان کو بے مثالی فرمایا۔

انسان کامل : وجود کے تمام مراتب میں انسان اکمل ہے اور جملہ افراد انسانی میں اکمل اور ارفع یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مظہر اتم ہیں حق تعالیٰ کے ۔

انسان کامل آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی اللہ تعالیٰ کے خلیفہ برحق ہیں۔ دوسروں کو یہ مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی کی برکت اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی کی پیروی اور متابعت اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی کی محبت سے ظلی طور پر حاصل ہوتا ہے۔ انسان کامل اس کو کہتے ہیں جو جامع ہو کل اسما و صفات الٰہیہ اور اسم کونیہ کا کلیۃً جزیۃً ۔

انسان حیوانی : انسان غیر کامل جس میں حیوانیت غالب ہوتی ہے اور روحانیت ضعیف اور نور عقل اس کا ظلمت میں رہتا ہے ۔

انسان کبیر صغیر : عالم میں انسان کی حقیقت ظاہر ہے ۔ عالم کو انسان کبیر اور انسان کو عالم صغیر کہتے ہیں ۔

انصاب : وہ پتھر اور بت جو قبل اسلام کعبے کے اردگرد نصب تھے اور وہاں کفار غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ کرتے تھے ۔

انصار : ا۔مدد کرنے والے لوگ ، ساتھی ، رفقا ۔۲۔ مدینے کے وہ مسلمان جنھوں نے ہجرت کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور دوسرے مہاجرین مکہ کی مدد کی ، مدنی اصحاب انصاری ۔

انظار : جمع ہے نظر کی، سالک کا حق تعالیٰ کو لباس صفات میں دیکھنا ۔

انصداع الجمع : انصداع کے معنی لغت میں پھٹ جانے اور پراگندہ ہونے کے ہیں اور اصطلاح میں انصداق الجمع نام مقام فرق کا ہے بعد جمع کے بسبب ظہور کثرت کے وحدت میں اور اعتبار کثرت کے وحدت میں اطلاق کی بلندی سے تعینات کی جانب اترنا صحو بعد سکر کے ۔

انزدا/انزوا : کہتے ہیں اسباب اور تعلقات دنیا کو دل سے نکال دینا اور سوائے حق کے خلق کی طرف مشغول نہ ہونا اور دل کو خیال دنیا اور عقبےٰ سے خالی کرنا ، ترک دنیا ترک عقبیٰ کو انزدا کہتے ہیں ۔

انزعاج : تحرک قلب کا حق کی طرف بسبب تاثیر وعظ اور سماع کے کھنچنا

انعدام : یعنی عدم ہونا اس کی دو قسمیں ہیں ، ایک عدم حقیقی اور دوسری عدم اضافی، عدم حقیقی ضد وجود حق تعالیٰ کا ہے۔ضد کہتے ہیں شئے کا غیر جنس اس شئے کی ہو کر شئے کی مخالف ہونا اور شریک باری کو عدم حقیقی کہتے ہیں کیونکہ وجود اس کا محال ہے اور اگر وجود اس کا محال نہ ہو تو عدم عدم نہ رہے گا۔ اس عدم کو عدم ملفوظی بھی کہتے ہیں بجز عین دال میم اور کچھ خارج میں نہیں ہے دوسرا عدم اضافی کہ یہ حقیقتاً عدم نہیں بلکہ وجود ہے یعنی ممکنات کو عدم اضافی کہتے ہیں کیونکہ ممکنات ازخود وجود نہیں رکھتے ہیں بلکہ وجود مطلق سے وجود رکھتے ہیں یعنی اضافت اور نسبت وجود مطلق کے ممکنات کو پہونچے سوائے وجود مطلق کے عدم مطلق ہے ۔

انفاس الصادقہ : نیت خالص کو کہتے ہیں جو ریا وغیرہ سے پاک ہو۔

انفراد : (اصول حدیث) کسی حدیث کا تنہا ایک شخص سے مروی ہونا ۔
نفس : ۱. ارواح ؛ عالم ارواح ۲. نفوس ، لوگ ، انسان ۳. (تصوف) انسان جسے عالم صغیر بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ تمام مراتب پر حاوی ہے ۔ نیز انسان کو بھی کہتے ہیں اسی کو عالم صغیر بھی کہتے ہیں اس وجہ سے کہ یہ تمامی مراتب کو شامل ہے اس طرح پر کہ چار اخلاط یعنی صفرا و سودا و بلغم و خون۔
جسم انسان کے نمونہ چار عنصر کے ہیں اور بارہ سوراخ عین دونوں کان اور دونوں آنکھ اور سوراخ ناک اور دونوں پستان اور فرج اور دبر اور ناف اور منہ نمونہ بارہ بروج آسمان کے ہیں اور اعضا جیسے کہ مغز اور ہڈی اور اعصاب اور گوشت اور جلد اور بال اور ناخن مثل ستارے آسمان کے اور دماغ اور کبد اور طحال اور پھیپڑا اور دونوں گردے اور دونوں انثین اور دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں اور بطن مثل سیارں کے ہیں ۔
اور دل مثل آفتاب کے اور حرکت انسان کی مثل دوران کواکب اور افلاک کے اور حضور مثل طلوع کے اور غیبوبت مثل غروب کے اور استقامت مثل استقامت کواکب کے اور توقف اور رجوع انسان مثل توقف اور رجوع کواکب کے اور افلاک کے اور جاہ اور رفعت مثل شرف آفتاب کے اور عکس اس کا مثل ہبوط کے اور سرعت مثل قمر کے اور کتابت مثل عطارد کے اور مطرب مثل زہرہ اور قاضی مثل مشتری کے علی ہذالقیاس پس جسم انسان کا مثل زمین کے ہے ، پس سمجھ لو اور غور کرو ۔
انفس و آفاق : نفس انسانی مع اپنے ظاہر و باطن کے انفس سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کے مطالعہ کو سیر انفسی کہتے ہیں ۔ کائنات میں جو کچھ از قسم ظاہر و باطن ہے آفاق ہے اور اس سے بطریق کشف وشہود آگاہ ہونا سیر آفاقی ہے ۔ انفس و آفاق اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے محل اور منظر ہیں۔ جس نے ان نشانیوں کے دیکھنے کی صلاحیت پیدا کر لی اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کرلی اور انسان ہونے کا حق ادا کیا ورنہ جانوروں سے بدتر ہوگیا۔ سورۃ انفال (ترجمہ : یعنی بلا شبہ جانوروں سے بدتر خدا کے نزدیک وہ بہرے گونگے ہیں جو عقل نہیں رکھتے) ۔

انفعال : فعل و انفعال سب سے پہلی اصلیں ہیں جن سے تمام عالم وجود میں آیا۔ فعل نے عقل کی ذات میں قرار پکڑا۔ اور انفعال نے نفس میں جگہ پائی فعل بمنزلہ نر اور انفعال بمنزلہ مادہ کے ہے ۔ کمال ظہور ذات مع تشبیہ کو کہتے ہیں جو عالم اجسام ہیں ۔
انقباض : ایک ایسی کیفیت جس میں سالک کی طبیعت ذکر الٰہی کی طرف رغبت نہیں کرتی ۔
انقلاب : (فقہ جعفری) کسی شے کی ماہیت کی تبدیلی (جیسے شراب سرکہ بن جائے ، یہ مطہرات (یعنی نجاست کو پاک کرنے والی چیزوں) میں پانچواں مظہر ہے ۔
انکشاف : کسی مخفی یا غیب کی بات کا بغیر وسیلہ ظاہری علم ہو جانا ، کشف ۔
انگشت : محیط کی حالت مراد ہے، صفت احاطت کو کہتے ہیں ۔
انگشت شہادت : صفت احاطت کلمے کی انگلی جو سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے کے پاس ہوتی ہے (نماز میں التحیات پڑھتے وقت جب کلمہ شہادت پر پہنچتے ہیں تو یہ انگلی اٹھا کر خدا تعالیٰ کی توحید کی گواہی دیتے ہیں) انگشت اشرہ ، نیز بائیں ہاتھ کی یہی انگلی ۔
انما : (مراداً) ایک آیۃ قرآنی کا کلمہ اول اور پوری آیت کی بجائے خصوصاً منقبت کے اشعار میں مستعمل (پوری آیت : انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوۃ و یوتون الزکوۃ و ہم راکعون (نہیں ہے تمھارا مولا کوئی مگر اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں) .
انمحاق : اس سے مراد محو ہے یعنی سالک کی ظلمت تجلی کے نور سے بالکل محو ہو جائے ۔
اواب/ اوبہ : اوبہ اس توبہ کو کہتے ہیں جس میں ایسی ندامت ہو جو عظمت و جبروت سے پیدا ہو ،نفس کو خدا کی طرف رجوع کرنا اوبہ ہے ۔
اوابین : نماز استغفار ، بعد مغرب چھ رکعت نفل نماز اسے توابین بھی کہتے ہیں (خصوصاً ۱۴ شعبان المعظم کی نماز مغرب کے بعد یہ اہتمام کیا جاتا ہے ۔ پہلے دو نفل درازی عمر بالخیر ۔ دوسرے دو نفل صحت و عافیت کے لیے ۔تیسرے دو نفل دفع بلیات ۔ ہر دو نفل کے بعد سورۃ

یٰسین شریف پڑھی جاتی ہے ۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ عمل روز کرتے تھے)، شب برات نامہ اعمال میں بہتری کے لیے ۔

اوامر: احکام، (خصوصاً) احکام الٰہی، وہ باتیں جن کے بجا لانے کا شریعت میں حکم دیا گیا ہے، وہ اعمال و افعال جو خدا و رسول کے حکم کے تحت ضروری ہیں۔شریعت کے حکم یا فرمان (بیشتر نواہی کے ساتھ مستعمل).

اوباش: اصطلاح میں اوباش وہ شخص ہے کہ سوائے ذات حق کے غم اور ثواب اور عقاب کی پروا نہ کرے، خوف اور ثواب دونوں کو ترک کر دے گناہ گاری سے خوف اور انتہائی محبت میں عبادت میں ۔

اَوتاد: ۱. اولیاء اللہ کا ایک خاص طبقہ جنھیں کائنات عالم کے انتظام باطنی میں دخل ہے ۔ چار اولیاء ہیں جو چار سمت مقرر ہیں، ان میں سے ایک کا نام عبدالحیٰ ہے جو سمت مشرق میں مقرر ہیں، دوسرے کا نام عبدالحلیم ہے جو سمت مغرب میں مقرر ہیں، تیسرے کا نام عبدالقادر ہے جو سمت جنوب میں مقرر ہیں، چوتھے کا نام عبدالمجید ہے جو شمال میں مقرر ہیں کہ حفاظت ان جہات کی انھیں سے متعلق ہے ۔

۱. نیز اوتاد چار ہوتے ہیں اور عالم کے چاروں کھونٹ پر ان میں سے ایک ایک متعین ہوتا ہے، مغرب میں مقرر اس کا نام عبدالودود، مشرق والے کا نام عبدالرحمٰن، جنوب والے کا نام عبدالرحیم شمال والے کا نام عبدالقدوس۔ قیام عالم میں ان سے میخوں کا کام لیا جاتا ہے یہ بمنزلہ پہاڑ کے ہوتے ہیں جن سے زمین کی سرسبزی بھی مقصود ہے اور قیام بھی اور سکون بھی (سورۃ النبا آیت ۶-۷) (ترجمہ: کیا نہیں کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں)۔

اوسط التجلیات: تجلی صفاتی کو کہتے ہیں.

اوسط مراتب التجرید: صفات حق کو کہتے ہیں .اول مرتبہ کو کہتے ہیں.جس میں تمام صفات مندرج ہیں اور ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔

اولادِ معنوی: جس طرح جسمانی اولاد کو فرزند صلبی کہتے ہیں ۔ پیر کامل کے فرزند قلبی جو اپنے مرشد کے ارشاد سے اپنے دل کو متبوع بنالے اسے فرزند معنوی یا اولاد معنوی کہتے ہیں ۔

اُولُو الالباب: صاحبان نظر، عقل رکھنے والے ۔

اَولیا: ۱. (فقہ) جو کسی نابالغ کے شرعی یا قانونی طور پر یا بذریعہ وصیت نگراں اور سرپرست ہوں اور اپنی مرضی سے اس کے نکاح اور انتقال جائداد کا حق رکھتے ہوں ۔

۲. اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے، مرتبہ ولایت پر فائز اشخاص، اہل اللہ، عارفان حق، یہ لوگ اسفل سے اعلیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور قریب ذات حق کے ہوتے ہیں اور اسرار حق پاتے ہیں ۔ نیز انقطاع نبوت کے بعد قطبیت مطلقہ اولیاء اللہ میں منتقل ہو کر آ گئی ۔ یہ وہی اولیاء اللہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت اور محبت سے ظلی طور پر انسان کامل کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت الٰہی اور نیابت رسول ﷺ کے منصب پر ممتاز ہوئے، زمین پر اللہ کے قائم مقام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہوتے ہیں، زمین پر تصرف کی قوتیں وہ اللہ سے اخذ کرتے ہیں، طریقت ان کی روش اور شریعت ان کا شعار، زمین پر اخلاق الٰہی کی چلتی پھرتی تصویر دنیا کے لوگوں کے لیے رحمت اور برکت ان ہی کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یعنی اور ہم نے اسے ایک نور دیا ہے جسے لے کر وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے (سورۃ انعام آیت نمبر ۱۲۲).

اولیاء ظاہرین: ان کے سپرد خدمت ہدایت خلق ہوتی ہے یہ ظاہر میں ہدایت کا کام کرتے ہیں انہیں کشف حقائق یعنی کشف معنوی ہوتا ہے۔ یہ کشف و کرامات سے سروکار نہیں رکھتے۔ انہیں عارفین، عاشقین و اصلین کہتے ہیں ۔

اولیاء مستورین: ان کے سپرد انصرام امور تکوینی ہوتا ہے، یہ اغیار کی نگاہ سے مستور رہتے ہیں یہ صاحب خدمت ہوتے ہیں، انہیں رجال الغیب اور مردان غیب بھی کہتے۔ ہیں حق تعالیٰ ان کے حسن احوال اور کمالات باطنی کو اغیار کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھتا ہے ان کی شان ہے (الیانی تحت قبانی لایضر فهم غیری).

اوّلیت: اولیت کے دو استعمال ہیں۔ ایک اولیت زمانے کی مثلاً باپ بیٹے سے پہلے ۔

دوسری اولیت رتبہ کی۔ سب سے اول نبی صحابہ زمانے کی مجازی اور

مرتبہ کی اولیت حقیقی جو چیز زمانے کے لحاظ سے اول ہے ممکن ہے اس شے سے پہلے بھی کوئی چیز اول ہو مثلاً باپ کا باپ یعنی دادا مگر جو چیز مرتبہ اور حقیقت میں اول ہے وہ اس تغیر سے محفوظ ہے یعنی حقیقی اولیت عقل کے لیے ثابت ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے عقل سے پہلے کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا۔ یہ عقل خدا کا قلم ہے۔

اُوَیسی : حضرت اویس قرنیؓ سے منسوب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نادیدہ عاشق اور صحابی تھے (آپ نے جنگ احد میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہونے کی خبر سن کر اپنے تمام دانت توڑ لیے تھے) غائبانہ عشق و محبت یا نیاز مندی۔

اَہل : صاحب، اصحاب، والا یا والے، جیسے : اہل عقل (= عقل رکھنے والا، صاحب عقل) (ترکیب اضافی میں)۔

اَہل اللہ : زاہد لوگ، عرفان الٰہی، اللہ سے دوستی رکھنے والا۔

اَہل باطن : عارف یا عارفان الٰہی، کشف و کرامات والے، جن کے دل پر زہد و ریاضت کی بدولت اسرار الٰہی منکشف ہوتے ہیں، صوفی۔

اَہل بیت : ا.(i) (اہل سنت) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات نیز حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، امام حسنؓ، امام حسینؓ اور ان کی ذریات۔ (ii) امامیہ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، امام حسنؓ، امام حسینؓ اور ان کی ذریات، پنج تن پاک۔

اَہل تجرید : وہ لوگ جو خواہش نفسانی سے مجرد اور لذات نفسانی سے علیٰحدہ ہو چکے ہوں۔

اَہل تسنن : سنی مسلمان جو چار خلفاء (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ) کی خلافت کا قائل ہے اور ائمہ اربعہ میں ہر ایک کی تقلید کرتا ہے، اہل سنت و الجماعت۔

اَہل تشیع : مسلمانوں کا ایک فرقہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی کو پہلا امام (اور ان کے بعد گیارہ امام) مانتا ہے، شیعہ۔

اَہل تصرف: وہ پارسا و عابد جو کائنات پر اثر و رسوخ کی طاقت رکھتے ہیں۔

اَہل حال: صوفیا، مراقبے میں تجلیات الٰہی پر وجد کرنے والے، عارفِ حق، جو اپنی قوت باطنی سے اوروں کو اپنے پاس حاضر کر سکتے ہیں۔

اَہل حدیث : مسلمانوں کا ایک فرقہ جو قرآن پاک اور حدیث پر عمل کرتا ہے اور اس کے بالمقابل اجتہاد و استنباط کو نہیں مانتا، وہابی۔

اَہل دل : دل میں انسانوں کا درد رکھنے والے، پاک باطن اور صاف باطن لوگ؛ صوفی۔

اَہل ذکر : قرآن پاک کے سمجھنے والے، علماء، آداب ذکر۔

اہل ذوق : اُن لوگوں کو کہتے ہیں کہ جو تجلیات میں مستغرق ہیں بحسن اور باذوق جیسا کہ کلام مجید میں ہے۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود (ترجمہ: نشان اُن لوگوں کے منہ پر ہے اثر سجدہ سے)۔

اَہل روایت: وہ علما جو اصول رجال کے مطابق راوی بن سکتے ہیں۔

اَہل سلوک : صوفی، ارباب طریقت، طریقت پر عمل کرنے والے۔

اَہل صفہ : دیکھیے اصحاب صفہ، وضاحت تشریح موجود ہے۔

اَہل ظاہر: ا. جن کی نگاہیں ظاہری صورت اور مادی کیفیت تک محدود ہوں، ظاہری حسن و قبح دیکھ کر حقیقت اشیا پر حکم لگانے والے لوگ۔
۲. وہ لوگ جو قرآن و حدیث کے ظاہری یا لفظی معنی پر حصر کرتے ہیں اور ان کے علاوہ کوئی مطلب لینا جائز نہیں سمجھتے۔

اَہل قال: شریعت کی پابندی کے قائل اصحاب، اہل حال کے بالمقابل۔

اَہل کتاب : ا. ان آسمانی کتابوں کے پیرو جن کے نام قرآن میں موجود ہیں: توریت، انجیل، زبور پر ایمان رکھنے والا گروہ، یہود یا نصاریٰ۔
۲. ان پیغمبروں میں سے ہر ایک جن پر آسمانی کتابیں نازل ہوئیں جیسے : حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اسی اعتبار سے ان کی امت کے لوگ بھی اہل کتاب کہے جاتے ہیں۔

اہل وجد : صاحبان معرفت، جو عشق الٰہی میں سرشار ہوتے ہیں۔

اَہل ولایت : ولی اللہ، اولیاء اللہ، وہ لوگ جو معرفت و ذکر الٰہی کی کثرت کی بدولت تقریب کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں۔

ائمہ اربعہ : فقہ کے چار امام یا مجتہد (جن کے نام یہ ہیں: امام اعظم حضرت ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام شافعی)۔

ایاز : معشوق مجازی کو کہتے ہیں۔

ایام الٰہی: تجلیات الٰہی، ایام یوم کی جمع ہے۔ یوم کے معنی دن کے ہیں۔ دن آفتاب کے ظہور کی مدت ہے۔ دن روشن ہوتا ہے اس میں نور کا ظہور ہوتا ہے۔ تجلیات الٰہی بھی ظہور انوار ہیں۔ ہر تجلی کے لئے ایک حکم خاص ہے جسے شان کہتے ہیں کُلَّ یوم هُوفی شان حق تعالیٰ جب بندے پر متجلی ہوتا ہے تو اس تجلی کا نام حق کے اعتبار سے شان الٰہی رکھا جاتا ہے اور بندے کے اعتبار سے اسے حال کہتے ہیں اور وہ ہر آن ایک نئی تجلی میں ہوتا ہے۔

ایام بیض: قمری مہینے کی تیرھویں چودھویں اور پندرھویں تاریخیں (جن میں مسلمانوں کے نزدیک روزہ رکھنا انتہائی ثواب ہے، کیوں کہ یہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے)۔

ایام تشریق: عیدالاضحیٰ، ایام حج کے تین دن، ذی الحجہ کی گیارھویں بارھویں تیرھویں تاریخ ہر فرض نماز کے بعد بلند آواز میں تین بار تکبیر تشریق پڑھی جاتی ہے۔

ایثار: اس سے مراد ہے جو کچھ ہو سب بخش دے اور اپنے کو خدا کے حوالہ کرے۔ اپنی کوئی چیز نہ رکھے سب ہی حق کی ہو جیسا کہ تھی۔

یجاب: ١. قبولیت، قبول کرنا، اختیار کرنا۔

٢. (فقہ) مقررہ طریقے کے مطابق عورت کا مرد سے خود یا بذریعہ قاضی یا وکیل اقرار زوجیت۔

ایجاد: کہتے ہیں ظہور وجود حقیقی (کا اعیان ثابتہ اور عالم میں) بحیثیت مرتبہ ذاتیہ کے کرنا۔

ایزد/ایزدی: خدائے تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام۔

ایصال ثواب: نیک کام کر کے یہ نیت کرنا کہ اس کا اجر اللہ تعالیٰ فلاں مردے کو عنایت کرے، مستحب طریقہ یہ ہے، درود شریف اوّل و آخر سورۃ فاتحہ چار قل، سورۃ اخلاص تین دفعہ اور بعد درود شریف دعا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے کل مومنین و مومنات، خاص طور پر ان کے لیے جن کے لیے اہتمام کیا گیا ہے۔

ایقان: صوفی عارف کے واسطے یہ ایک مرتبہ ہے اور اس کے واسطے اس سے بلند اور کوئی مرتبہ نہیں۔ یقین کرے کہ حق کی ذات ہر شئے میں ہے اور اس میں محویت حاصل کرے اور اس حقیقت کا یقین کامل اور اس یقین میں محو ہو جانا ہی قربِ الٰہی کا ایقان ہے۔

ایمان: ١. تصدیق قلبی اس شرط کے ساتھ کہ قلب کسی چیز کو بلا دلیل قبول کر لے۔ تجدید ایمان کہتے ہیں راہ سلوک میں اسے ہر وقت تازہ رکھنا نیز سالک ہر وقت معرفت میں وسعت کا خواہاں رہتا ہے۔ (اسلام کی شرائط کے مطابق) دل سے خدا کا یقین اور زبان سے اس کا مکمل اقرار کرنا۔

٢. (مجازاً) وہ چیز جو کسی کی نگاہ میں دین و ایمان کی طرح لائق احترام اور جان و دل سے محبوب ہو، مرکز عقیدت، بہت عزیز۔

ایمان تقلیدی: یہ عوام کا ایمان ہے جو بے دیکھے بے سمجھے ایمان لاتے ہیں اور احکام شرع کی تعمیل کرتے ہیں ان لوگوں سے بدرجہا بہتر ہیں جو عقل کی دلیل شک و شبہ کے مرض میں مبتلا ہو کر ایمان کھو دیتے ہیں۔ ایمان تقلیدی بارگاہ الٰہی میں مقبول ہے۔ دخول جنت اور خوشنودی الٰہی کے لیے۔

ایمان حقیقی: یہ اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے جو جانتے ہیں سمجھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ تمام عالم اعتباری ہے، حق تعالیٰ موجود اور قائم بالذات ہے۔ اس قسم کا ایمان کشف وشہود ہی سے حاصل ہوتا ہے، نا کہ کتب تصوف کے مطالعہ یا سائنس اور فلسفہ کی اٹکلوں سے۔

ایمن: ملک شام کی ایک مقدس وادی جس میں کوہ طور واقع ہے اور جہاں حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے اس کے دیدار کا اصرار کیا تھا (جس کے بعد بجلی سی چمکی تھی اور حضرت موسیٰ بے ہوش ہو گئے تھے)۔

اینیت: وجود عینی کی تحقیق کو کہتے ہیں بحیثیت مرتبہ ذاتیہ کے۔

آ

آب: . وہ فیض جو ان لوگوں کے لیے ہیں جنھوں نے اپنی ہستی کو اللہ کے لیے فنا کر دیا، صفائے باطن۔

آبِ حیات: ١. وہ روایتی پانی جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس کا ایک قطرہ پینے کے بعد انسان امر ہو جاتا ہے یہ پانی چشمہء ظلمات میں

بتایا گیا ہے حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام نے اسے پی کر عمر ابدی حاصل کی ۔ سکندر اس کی تلاش میں بحر ظلمات تک گیا مگر نا کام رہا ۔ آبِ بقا ، آب حیوان ، آبِ خضر ۔

۲. تعینات ارواح ظلمت ہے ۔ اسی ظلمت میں مرتبہ ذات مطلق کا پتہ چلتا ہے جسے آب حیات بھی کہتے ہیں ۔

آبِ رواں : روح میں طیران سے دل میں فرحت پانے کی کیفیت ۔

آبِ زمزم : چاہ زمزم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑیوں سے پھوٹنے والا متبرک پانی ۔

آبِ قلیل :(فقہ) ''کُر'' سے کم پانی (فقہ کی شرائط کے ساتھ) ۔

آبِ کثیر : ''کُر'' سے زیادہ پاک غیر مضاف پانی ۔

آبِ کوثر: بہشت کی نہر یا حوض کا پانی ، شفاف لطیف پانی یا مشروب

آتش طور: وہ نورانی تجلی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر نظر آئی.

آتش کدہ : پارسیوں کا عبادت خانہ جہاں ہمہ وقت آگ روشن رہتی ہے ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کے وقت فارس کا آتشکدہ بجھ گیا تھا ۔

آتش نمرود : وہ آگ جو خدائی کا دعویٰ کرنے والے نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کے لیے لگائی تھی خدا کے حکم سے وہ ٹھنڈی ہوگئی اور گلزار بن گئی .

آثار : رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام یا بزرگان دین کے اقوال مقدس احادیث وتبرکات (مثل موئے مبارک ، نعلین مبارک کے علاوہ خلفائے راشدین و دیگر انبیاء اور اولیاء کی نشانیاں اور تبرکات.

آحاد : وہ احادیث جنھیں ہر دور کے راویوں نے بیان کیا ہو ۔

آخر : مراد اس سے ظہور ذات کا ہے بصورت صفات و اسماء و کمالات افعال و انفعال ۔ آخر اللہ تعالیٰ کے لیے مستعمل ہے ۔

آخر الزماں : زمانے کے اعتبار سے بعد میں آنے والا ۔ عموماً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مستعمل ۔

فرقہ امامیہ میں بارھویں امام ۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام جو دنیا کے خاتمے کے وقت تشریف لائیں گے ۔

آداب ذکر : صوفیائے کرام کے نزدیک آدابِ ذکر بیس ہیں ۔ پانچ ذکر شروع کرنے سے پہلے ملحوظ رکھنے چاہییں ۔

۱. توبہ ۔ ۲. طہارت ۔ ۳. اطمینان قلب و سکون و جسم ۔ ۴. استمداد شیخ سے ۔ ۵. استمداد شیخ کو بعینہ استمداد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھنا اور استمداد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بعینہ استمداد حق جل شانہٗ سمجھنا۔

بارہ آداب ذکر یہ ہیں جو ذکر کے وقت ملحوظ رکھنے چاہییں۔

۱. چار زانو یا دو زانو بیٹھنا۔ ۲. دونوں ہاتھ زانو پر رکھنا۔ ۳. ذکر کی جگہ خوشبو دار اور معطر رکھنا۔ ۴. پاک صاف لباس پہننا۔ ۵. تاریک حجرہ۔ ۶. دونوں آنکھیں بند رکھنا۔ ۷. توجہ۔ ۸. سمت خدا کی طرف رکھنا۔ ۹. تصور شیخ یہ سب سے زیادہ ضروری بات ہے ۔ ۱۰. ظاہر و باطن کی سچائی ۔ ۱۱. اخلاص۔ ۱۲. اختصار یعنی مراقبہ موجود حقیقی کے ساتھ اس کلمہ طیبہ کے معنی وجود ہی کی نفی کرنا۔

تین آداب جو ذکر کے بعد ملحوظ رکھنے چاہئیں۔ ۱. ذکر کے بعد دیر تک خاموش اور ساکت رہنا۔ ۲. حبس نفس۔ ۳. ذکر کرنے کے بعد جب تک ذکر کی گرمی جسم سے زائل نہ ہو سرد پانی نہ پینا ، ٹھنڈی ہوا میں نہ نکلنا اور بعض صوفیاء کرام حبس نفس کو ذکر کے وقت ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے عجیب وغریب فوائد ہوتے ہیں ۔

آداب مریدی : شیخ واسطہ اللہ اور مرید کے درمیان ہے۔ شیخ اللہ تعالیٰ کے اسم ہادی کا مظہر ہے۔ جب مظہر تک رسائی ہوجاتی ہے تو شیخ درمیان سے ہٹ جاتا ہے ۔ اس معاملے میں قرآن سے سمجھ لیں ۔ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو ۔

آزاد : جو شخص ہمہ تن جمال و جلال حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف اس طرح متوجہ ہو کہ دونوں جہاں سے اس کا دل سرد ہو ، تمام قیود بشری اور رسومات جسمانی سے اسے خلاصی ملے، فکر معاش و معاد سے بے فکر ہو ۔

آدم : خلیفہ خدائے تعالیٰ اور روح عالم ہے اور جو کچھ کہ خدائے تعالیٰ پر اطلاق کیا جائے چاہیئے کہ اطلاق اوسکا خلیفہ پر جائز ہو ۔

آن بادشاہ اعظم دربستہ بود محکم پوشیدہ دلق آدم امروز بردر آمد

بموجب قول حق انی جاعل فی الارض خلیفہ کے حضرت شاہ تراب علی قلندر قدس سرہ فرماتے ہیں۔

بنایا اوسنے آدم کو خلیفہ کرے وہ کیون نہ سب پر حکمرانی

آرزو : تھوڑی آگاہی کے ساتھ اپنی اصل کی طرف میل کرنے کو کہتے ہیں۔

باز ہوائے چمنم آرزو است جلوہ زسرو سمنم آرزو است

آزادی : مقام حیرت۔ وہ مقام جب عاشق ذات اعلیٰ کی تقلید میں اپنی ذات کو محو کر دے۔

آستان/آستانہ : دربار، بزرگان دین، اولیاء اللہ کا مزار یا اس کا احاطہ، درگاہ۔

آشنائی : تعلق رب کو مربوب کے ساتھ کلیۂ اور جزیۂ جیسے تعلق خالق کا مخلوقات کے ساتھ، صفت خالقیت کی جہت سے۔

آشنائی حق : وصال حق۔ واصل حق۔ حق ہے جب ہستی مجازی سے جدائی واقع ہو اسے آشنائی حق کہتے ہیں۔

آغوش : اس سے مراد احاطہ وجود ہے۔

آفاق : عالم فی الخارج جس سے مراد دنیا ہے، کائنات میں جو کچھ از قسم ظاہر و باطن ہے آفاق ہے۔

آفتاب: کنایہ روح سے ہے۔ تجلی روح جو سالک کے دل پر وارد ہو۔ بعض کے نزدیک روح جو بدن میں مثل آفتاب ہے اور نفس بامنزلۂ ماہتاب کے۔ جب سالک نور مثل آفتاب کے دیکھے تو سمجھ لے یہ نور روح ہے۔ اور جب نور مثل ماہتاب دیکھے تو خیال کرے کہ ظہور نفس ہے لیکن اس پر قانع نہ ہو بلکہ کوشش کر کے نور ذات حقیقی سے مستفیض ہو۔

آل عمران : حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کی ذریت، قرآن کی تیسری سورۃ کا نام۔

آمدن: کہتے ہیں سالک کا رجوع ہونا عالم بشریت کی طرف۔ عین حالت استغراق یا سکر میں عالم ارواح سے عالم کون و مکاں کی طرف لوٹنا۔

آمنّا : (لفظاً) ہم ایمان لائے (مراداً) بجا، درست۔

آمین بالجہر : (فقہ) نماز میں قرأت سورۂ فاتحہ کے بعد امام اور مقتدیوں کا پکار کر آمین کہنا۔ امام شافعی کا مسلک۔ آمین بالسر آہستہ آمین کہنا یہ امام ابو حنیفہ یعنی حنفیوں کا مسلک ہے۔

آن : وقت کو کہتے ہیں اور ادا کو بھی کہتے ہیں۔

آن دائم: مرتبہ تفصیل صفات یعنی واحدیت اور تعین ثانی اور واحدیت کثرت کو کہتے ہیں اور یہ عبادت ہے امتداد حضرت آلہیہ سے کہ مندرج ہے بسبب ان کے ازل اور ابد میں اور یہ دونوں ازل اور ابد وقت حاضر میں بھی موجود ہیں بسبب ظہور حضرت الہیہ کے ازل اور ابد میں تکون اور ظہور عین اور وقت کا حضرت الہیہ سے ہے کہ جو مجمع ازل و ابد ہے۔

آنس: راضی بالحق کو کہتے ہیں اور اس کو جو کسی چیز سے وحشت نہ کرے اور ہر چیز کو مظہر حق سمجھ کر اس سے اُنس حاصل کرے۔

آنیت : ثابت کرنا وجود عینی کا حیثیت مرتبہ ذاتیہ سے۔

آواگون : مرنے کے بعد روح کے ایک قالب سے نکل کر اسی وقت یا کچھ بعد دوسرے قالب میں آنے کا عمل یا عقیدہ، تناسخ، دوسری جون میں۔

آواز : (مجازاً) روح ضمیر یا دل وغیرہ کا تقاضا، مخلصانہ تجویز جو ذاتی خواہش سے ہو جو عوارض و حالات سے متاثر نہ ہو، دل کی آواز، آوازِ صور، حضرت اسرافیل کی آواز غیبی جس کی دہشت سے دنیا فنا ہو جائے گی۔

آئل : رجوع کرنے والا، راجع، مائل۔

آہ : (فجائیہ) ایک علامت ہے۔ کمال عشق و درد کی زبان جس کو عقل بیان کرنے سے قاصر ہو اور قلم اسے لکھ نہ سکے۔

آہو : فرد کامل جو وادی قدس کی فضا میں لذت اور عیش میں پھرے۔

آئین پیغمبری : قانون شریعت، سنتِ نبوی۔

آیات : اجتماع حقائق، اجتماع ظہور اشیاء متفرقہ، ہر اجتماع کے لیے اسم جمالی اور اسم جلالی ضروری ہے اور آیات ان دونوں کا مجموعہ ہے

جس طرح آیات قرآنی متفرق کلمات کا مجموعہ ہے.

آیات بینات : روشن دلیلیں، واضح آثار، قرآن کی وہ آیتیں جن کی تشریح اور تطہیر میں تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

آیات سجدہ : قرآن پاک کی وہ آیات جن کی پڑھنے یا سننے پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں ۱۴ مقامات ایسے ہیں ۔ (حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص آیت سن کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہے اور کہتا ہے افسوس ، ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا اس نے تعمیل میں سجدہ کیا اور جنتی ہوا اور میں نے سجدے سے انکار کیا اور جہنمی ہوا (مسلم شریف) ۔

آیات متشابہات: قرآن کی وہ آیات جن کی تشریح وتعبیر میں تاویل ہو.

آیات محکمات: قرآن کی وہ آیات جن کے معنی مطلب میں تاویل نہ ہو.

آیت الکرسی: تیسرے پارے میں (دفع بلیات کے لیے پڑھی جاتی ہے)

آیت تطہیر: قرآن کے بائیسویں پارے کی وہ آیات جن میں اہل بیت کی پاکیزگی اور طہارت کا بیان ہے۔(سورہ احزاب)

آیت حدیث : بالکل صحیح سچ قابل یقین حدیث کی طرح معتبر اٹل اور مستحکم بات۔

آیت قدسی : اس سے مراد عشق ہے .

آیت کریمہ : ۱.قرآن پاک کے سترھویں پارے میں سورۃ انبیاء کی مشہور آیت جو عموماً دشمنوں سے حفاظت کے لیے پڑھی جاتی ہے ۔

۲.قرآن پاک کی ہر آیت ، قابل اعتماد معتبر قول۔

آیت مُطلق : قرآن مجید میں آیت کا گول نشان جس پر 'ط' بنی ہوتی ہے اس پر ٹھہرنا اور اسے اگلی آیت سے ملا کر نہ پڑھنا واجب ہے۔

آیہ رحمت : آیت کا اختصار، قرآن پاک کی ہر وہ آیت جس میں رحمت خداوندی کا ذکر ہو (عذاب کا ذکر نہ ہو) رحمت باری تعالیٰ کا نمونہ ۔

ب

ب: سے نقطہ آغاز مفہوم میں جیسے: بسم اللہ کی با قرآن کریم یک اصل ہے۔

ب : ثانی مرتبہ وجود ، تعین ثانی ۔ تنزل دوم ۔ موجوداتِ خارجیہ ۔ ب دوسرے حروف کے لیے سبب اہل اسرار کے نزدیک ب کے معنی سبب کے بھی ہوتے ہیں ۔ سبب حجاب ہے مسبب تک پہنچنے کا ۔ تعین ثانی نہ ہوتا تو حق وخلق کے درمیان کوئی حجاب نہ ہوتا .

ب کا نکتہ: وحدت کو کہتے ہیں کیونکہ دائرہ کثرت کا مرکز وحدت ہی ہے .

باء : بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ باء سے تعین اول کی طرف اشارہ ہے اور باء کے نقطہ سے ذاتِ بحت وجودِ مطلق کی طرف اشارہ ہے۔

باب الابواب: تمام گناہوں سے توبہ کرنے کو باب الابواب کہتے ہیں اس لئے کہ سلوک کے بہت سے باب یعنی دروازے ہیں اور توبہ سب سے پہلا باب ہے ۔ جب تک سالک اس دروازہ سے نہیں گزرتا کوئی دروازہ اس کے لیے نہیں کھولا جاتا۔

اس سے قرب حق حاصل ہوتا ہے ۔ جاننا چاہئے کہ وصول الی اللہ کے طریق اور ابواب بعد و انفاس الخلائق ہیں ۔

منجملہ ان کے تین طریقہ خاص ہیں ۔

اول طریقہ اخیار ہے کہ جو کثرت سے صوم وصلوٰۃ اور تلاوت قرآن شریف اور حج اور زکوۃ کے اعمال سے زمان طویل میں واصل بحق ہوتے ہیں ۔

دوسرا طریقہ ابرار کا ہے اور وہ صاحب مجاہدہ اور ریاضت ہیں۔ یہ بھی بعد زمانہ طویل واصل الی اللہ ہوتے ہیں ۔

تیسرا طریقہ قادریہ ، نقشبندیہ ، چشتیہ اور شطاریہ وغیرہ کا ہے یہ لوگ

ریاضت میں مشغول ہوتے ہیں اور خلایق سے نفرت کرتے ہیں کام ان کا سوائے درد اور اشتیاق اور عشق اور ذکر اور فکر کے اور کچھ نہیں اور یہ لوگ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب اور تجلیہ روح میں مشغول ہوتے ہیں اور کشف اور کرامات کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتے ۔

بادِ صبا : بادیمانی ، بادِ صبا دونوں مرادف ہیں یعنی ایک معنی ہیں ۔ معشوق کو عاشق یا عاشق کو معشوق کی طرف سے جو ایک بوئے محبت اور کشش کی ہوا جو مشرق سے آتی ہے اس کو بادیمانی یا باد صبا کہتے ہیں ۔ وہ نفحات رحمانیہ جو مرشد سے قلب سالک پر آتے ہیں اور اس کو مست و بے خود کرتے ہیں ۔

بادہ : جامِ شراب حقیقت کو بادہ کہتے ہیں نیز جو تقدیر کے موافق ہو اور اُس عشق و محبت الٰہی کو (جو سالک کے دل پر اس طرح وارد ہو کہ اسے مست و بیخود بنا دے) یہ مستی حقیقی ہے ۔

بادہ فروش : صوفیائے کرام کی اصطلاح میں بادہ فروش پیر کامل کو کہتے ہیں اس لیے کہ وہ شراب عشق کے جام پلا پلا کر بے کیفوں کو باکیف اور بیہوشوں کو باہوش بناتا ہے ، مرشد کامل ، ہادی طریقت ۔

باد یمانی :نفس رحمانی کو کہتے ہیں ، مراد اس سے وجود اضافی ہے جو واحد ہے باعتبار اپنی حقیقت کے متکثر ہے ، نفحات رحمانیہ جو مشرق روحانیت سے آتی ہے اور سالک کو ترو تازہ کردیتی ہے ۔

باران : رحمت مراد ہے ، فیض رحیمی کا سالک کے دل پر نازل ہونا۔

بارقہ : سالک پر شروع میں ایک تیز روشنی جلدی سے زائل ہو جانے والی وارد ہوا کرتی ہے اس کو بارقہ کہتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ اس کو قیام ہونے لگتا ہے ۔

بازگشت : بازگشت کے معنی رجوع کرنا اور پھیرنا۔ تھوڑے سے ذکر کے درمیان تین یا پانچ مرتبہ یہ مناجات کرنا۔ اے رب میرے تو ہی مقصود ہے میں دنیا اور آخرت کو تیرے ہی واسطے چھوڑتا ہوں اپنی نعمت کو مجھ پر پورا کر اور اپنا پورا مال مجھکو نصیب فرما۔ سالک کو اس سے غفلت نہیں کرنی چاہیے۔ اہل سلوک اور اہل عرفان کی بازگشت میں فرق ہے ۔ اہل سلوک کی بازگشت یہ ہے کہ اسمِ آخر سے اسم اول کی طرف رجوع کرتے ہیں اور سیر الی اللہ حاصل ہوتی ہے ۔ اہل عرفان بعد فناء کامل و محویت تام سے بقاء حقیقی سے وجود باری کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کو سیر فی اللہ حاصل ہوتی ہے ۔ اس جملہ کا نام ہے ''خداوندا مقصودِ من تو ی و رضاء تو ی تو'' ۔

صوفیائے نقشبندیہ کی اصطلاح ہے ان کے یہاں کلمہ طیبہ کے ذکر کے وقت ہر کلمہ کے بعد یہ جملہ بازگشت کہا جاتا ہے اس کا فائدہ ہے کہ ذاکر ہمہ تن خالص ذات حق سبحانہ کی طرف متوجہ رہے اور ماسوائے اللہ سے فارغ ہو جائے ۔

بازو : ارادہَ الٰہی مراد ہے ، اعمال سالک جو نفسانیت سے مبرا و معرا ہو ، مسبب کی جانب سے کسی سبب کا پیدا ہو جانا جس سے صفت مسبب کا پتہ چلے ۔

بازی : سالک کے اس جذبہ حقانی کو کہتے ہیں وہ لمعان نوری جو سالک کو دکھائی دیتا ہے اور جلد چلا جاتا ہے ایک چکاچوند کی طرح جس کی وجہ سے وہ طلب حق میں سرگرم رہتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جو کام اور عبادت کرے خلوص اور محبت سے کرے کسی نتیجہ کا خطرہ بھی نہ لائے ، توجہ خالص اور جذبہ حقانی جس کے سبب سے سالک کا دل متغیر نہیں ہوتا اور طلب حق میں استوار اور سرگرم رہتا ہے ۔

باطل : غیر اللہ اور ماسوائے اللہ کو باطل کہتے ہیں اس لئے کہ حقیقتاً اس کا وجود ہی نہیں ہے غیر اللہ تو عدم محض ہے ، ماسوٰی اللہ کو کہتے ہیں وہ عدم ہے اس لیے کہ درحقیقت سوائے حق کے اور کسی کا وجود نہیں ۔

باطن کل الحقایق: مرتبہ وحدت کو کہتے ہیں اس واسطے کہ کوئی تعین اس کے قبل نہیں ہے اور یہی مرتبہ وحدت باطن ہر حقیقۃ الٰہیہ اور کونیہ کا ہے ۔

باطن اطلاق ظاہر الوجود: تجلی اول کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں ظہور ذات بنفسہ نفسہ ہے ۔

باطن العوالم : مرتبہ احدیت کو کہتے ہیں اس لیے کہ اس کے بعد سوائے غیب مطلق کے اور کچھ نہیں اور یہی مرتبہ حضرت احدیت الجمعیۃ کا

ہے جو حقیقت احمدیہ کے واسطے خاص ہے اسی مقام کو مقام اوادنی اور غایۃ الغایات اور نہایۃ النہایات بھی کہتے ہیں ۔

باطن الوجود ظاہری و باطنی : اعیان ثابتہ کو کہتے ۔ ہیں اسی کو باطن الممکنات بھی کہتے ہیں اس لیے کہ یہ ہی حقایق ممکنات کی ہیں جو حضرات علم میں ہیں ۔ ان شیوں کو کہتے ہیں جو مندرجہ فی الوحدۃ ہیں اور یہ اعیان کی اصل ہیں بعض اقدس سے یہ ہی مراد ہیں اور فیض مقدس سے اعیان ثابتہ ہیں ۔

بالغ : مرید صادق و کامل کو کہتے ہیں جو غیب سے صاحب کسب کے دل پر وارد ہوتی ہے ، اور اپنی خودی اور خود نمائی سے بالکل علیحدہ ہو ، یہی بلوغ طریقت ہے۔ جاننا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (شریعت میرے اقوال ہیں) اور ان چار مراتب کا بلوغ جداگانہ ہے شریعت کا بلوغ شہوات کا پیدا ہوتا ہے اور طریقت کا بلوغ شہوات سے علیحدہ ہوتا ہے اور حقیقت کا بلوغ توحید میں پختگی ہے یعنی بجز وجود حق کے دوسرا نظر میں نہ آنا اور معرفت کا بلوغ کثرت فی الوحدۃ میں ماہیات اشیا کا ادراک کرنا اور ان میں سریان وجود کو حق الیقین سے ملاحظہ کرنا اور اس مرتبہ والے کو عارف تام المعرفت بھی کہتے ہیں ۔

بام : مظہر اور محل تجلیات ذات کو بام کہتے ہیں ۔

بامداد : جب سالک کے دل سے موہومات چیزیں فنا ہو جائیں اس وقت کو بامداد کہتے ہیں اور کیفیات سلوک میں واردات غیبی کی ابتدا کا ہونا ۔

باہوت : عالم ناسوت کی وہ سیر جو بعد فنائے تام اور بعد وصول بہ احدیت حقہ حاصل ہو ۔

بت : اس کے کئی معنی ہیں ۔

(۱) معشوق حقیقی کی وہ تجلی جو سالک کے دل پر وارد ہو کر حجاب اٹھادے اور یہ تجلی ہر آن نئے نئے رنگ سے وارد ہوتی ہے ۔

(۲) مقصود اور مطلوب محبوب معشوق حقیقی اور انسان کامل کو بھی بت کہتے ہیں ۔

(۳) ہر مظہر ہستی مطلق کو بھی بت کہتے ہیں ۔ اس وجہ سے ایسے بت پرست کو حق پرست کہتے ہیں کیونکہ جلوہ حق بصورت بت ظاہر ہوا ہے ۔

(۴) اور انسان کامل کو بھی اسی وجہ سے بت کہتے ہیں کہ وہ ذات حق کا مظہر اتم ہے ۔

(۵) وحدت ذاتیہ کو بھی کبھی بت کہتے ہیں ۔ لفظ بت ما سوائے اللہ مراد ہے ماسوائے اللہ ۔

بت ترسابچہ : تصوف کی شاعری میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ کہتے ہیں کہ مصدر کل مراتب خلقیہ اور کونیہ کا ہے من حیث الحقیقت اور جامع جمیع شیون ذاتیہ کا ہے من حیث الاظہار اور من حیث الظہور متجلی ہے ہر حسن دل آویز وصورت دلکش میں کہ میل کرتا ہے اس کی طرف ناظر بے اختیار جس طرح میل کرتا ہے لوہا مقناطیس کی طرف بوجہ مناسبت فی الاصل کے ۔

بت خانہ / بت کدہ / دیر : صوفیائے کرام عالم لاہوت کو بھی بت خانہ کہتے ہیں ۔ عارف کامل کے باطن کو بت خانہ ، بت کدہ کہتے ہیں اس لئے کہ اس کے باطن میں جملہ حقائق و معارف بھرے ہوتے ہیں نیز خانقاہ شیخ اور مرشد کے رہنے کی جگہ طالب الٰہی پر اسرار الٰہی منکشف ہوں اور یہ انکشاف ھل من مزید کا نعرہ بلند کرنے پر اُسے آمادہ کرے سالک کے لیے ایک بت کدہ ہے ۔

بحر مسجود : یہ ایک لطیف اشارہ ہے۔ عام فہم زبان میں تشریح یہ ہے کہ عرش کے نیچے ایک دریا ہے جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر روز داخل ہوتے ہیں اس سے نکل کر اپنے پر جھاڑتے ہیں تو ستر ہزار قطرے ٹپکتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر قطرے سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے یہ ستر ہزار فرشتے ہر روز بیت المعمور کعبۃ اللہ کے عین اوپر وہ مقام جہاں فرشتے داخل ہوتے ایک دروازے سے اور دوسرے دروازے سے نکل جاتے ہیں قیامت تک کسی کی باری دوبارہ نہیں آتی ۔

بدلاء : سات اولیا ہیں کہ ہر ایک ان میں سے جب اپنی جگہ سے سفر کرتا ہے تو اپنا جسم اپنی صورت پر چھوڑتا ہے تا کہ کسی کو یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کہیں چلا گیا اور سوائے ان کے اور کوئی اس طرح بدلتا نہیں اور بدل کو بدیل اور ابدال بھی کہتے ہیں ۔

بدل کردن : ایک شئے چھوڑ کر دوسری شئے حاصل کرنا ۔

بُدنہ : اصطلاح صوفیہ میں نفس انسانی کو بقرہ کہتے ہیں۔ جب ریاضت اور مجاہدہ سے اسے آراستہ کر لیا جاتا ہے تو اس کا نام بدنہ ہو جاتا ہے۔ بدنہ دراصل اس شتر کو کہتے ہیں جو عید الاضحیٰ کو منیٰ میں ذبح کیا جاتا ہے گویا بدنہ نفس مخالفت ہوا و ہوس کی تیغ اور مُوتُوقَبل ان تموتو ۔

بدن ہوائی : روح حیوانی وہ ہوائے لطیف ہے جو جسم میں قبولیت حیات حس و حرکت پیدا کرتی ہے۔ روح کے دو اجزاء ہیں۔ ان میں نہ طبیب نہ ڈاکٹر نہ سائنس کی نظر پہنچتی ہے۔ اسے روح طبعی اور بدن ہوائی بھی کہتے ہیں ۔

برافشاندن زلف : رفع تعینات اور قیودات اٹھا دینے کو کہتے ہیں ۔
جب زلف بکھر جائے گی تو تعینات میں پھنسا ہو گا ۔
اگر برافشاندن کے معنی الٹ دینا کے لیے جائیں تو اس صورت میں رفع تعینات درست ہو گی ۔

بربط : اس سے مراد ذوق وشوق حقیقی ہے ۔

برزخ : لغت میں برزخ اس چیز کو کہتے ہیں کہ دو مختلف چیزوں کے درمیان حائل ہو، خواہ ان چیزوں کی اس میں مناسبت ہو یا نہ ہو اور اصطلاح صوفیا میں اس کے کئی معنی ہیں ۔

(۱) تعین اول یعنی حقیقت محمدیہ ﷺ کو برزخ کہتے ہیں کیونکہ یہ درمیان ہے ذات اور صفات کے اور واسطہ ہے درمیان خفا اور ظہور کے۔ اس کے یہ چند نام ہیں ، برزخ البرازخ ، برزخ کبریٰ ، برزخ جامع ، برزخ اعظم ، برزخ اول ۔ یہ برزخ تمام برزخوں کی اصل ہے ۔

(۲) دوسرے عالم مثال کو بھی عالم برزخ کہتے ہیں اس لئے کہ وہ درمیان ہے عالم ارواح اور عالم اجسام کے ۔ کیونکہ وہ اجسام کثیفہ اور ارواح مجردہ کے درمیان ایک عالم وسطی ہے ۔

(۳) تیسرے تجلی روح کو بھی برزخ کہتے ہیں اس لئے کہ وہ درمیان ہے عالم ارواح اور اعیان ثابتہ کے ۔

(۴) چوتھے دل برزخ ہے درمیان روح اور مضغہ کے ۔

(۵) پانچویں صدر برزخ ہے درمیان دل اور دماغ کے ۔

(۶) چھٹے علم برزخ ہے درمیان عالم اور معلوم کے ۔

(۷) ساتویں اسماء برزخ ہیں درمیان اعیان ثابتہ اور وجود کے ۔

(۸) بعض صوفیاء تصور شیخ کو بھی برزخ کہتے ہیں ، کیونکہ وہ فیضان قدس اور طالب کے درمیان واسطہ ہے برزخ البرازخ ، برزخ جامعہ ، برزخ اول ، برزخ اعظم ، برزخ اکبر اور برزخ کبریٰ یہ سب نام حقیقت محمدیہ ﷺ کے ہیں جو واسطہ ہے درمیان ظہور و بطون کے اور اس زمانہ کو (جو موت سے حشر تک ہے) بھی کبھی برزخ کہتے ہیں ۔

برق : وہ ایک نور ہے جو سالک کے دل پر وارد ہوتا ہے اور پھر پوشیدہ ہو جاتا ہے وہی نور سیر الی اللہ میں اس کی مدد کرتا ہے ، اور اللہ کی طرف متوجہ رکھتا ہے ۔

بروز : ۱. بروز کے معنی لغت میں ظاہر ہونے کے ہیں اور اصطلاح میں اس سے مراد ہے کسی صورت میں ظاہر ہونا اس طرح پر کہ اپنی اصلی حالت میں کوئی تغیر و نقصان نہ واقع ہو اور یہ حق انبیاء و اولیا کاملین کے ساتھ مخصوص ہے چنانچہ اول بروز ذات حق نے اپنے مشہد ذاتی میں بلحاظ اور ترتیب مراتب ذات کے فرمایا اور اسی ترتیب کا نام صفات ہے اور اسی کا نام رحمٰن ہے پس اسم رحمٰن بروز ذات حق کا ہے ۔

۲. مراتب خلقیہ میں دوسرا بروز یہ ہے کہ روح اعظم اپنی کلیت کے ساتھ انبیاء اور اولیاء کی صورتوں میں مختلف زمانوں میں ظاہر ہوتی ہے اور اس نبی و ولی پر اُس کلیت کا اطلاق صحیح ہوتا ہے جو روح اعظم کے لیے ہے کیونکہ دراصل وہی ایک روح ہے کہ جس کے نام بمناسبت مظاہر جداگانہ ہو گئی ہیں اور جزئیت بھی اسی مظہر کی تقلید اور جزئیت کی وجہ سے اس روح پر عائد ہو گئی ہے ۔

چونکہ روح کا یہ خاصہ ہے کہ وہ باوجود ہر مظہر میں ظاہر ہونے کے اپنی مبداء سے جدا نہیں ہوتی لہٰذا ہر تعین سے جو روح کا تعلق ہے اس کے اختلاف کے لحاظ سے اس کا نام ارواح جزئیہ رکھ لیا گیا ہے اور اس کی حقیقت کے اعتبار سے کہ جو اپنی جگہ سے علیحدہ نہیں ہے اسی کو روح اعظم یا روح کلی یا روح محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں ۔

کسی عارف کامل کا کسی شخص ناقص کی جانب متوجہ ہونا ، اسے اپنا سا بنا لینا ، مراد اس سے یہ ہے کہ ان بزرگ کا پرتو دوسرے بزرگ پر پڑا

اور دونوں کی صورت معنوی یکساں ہوگئی ، صورت ظاہری کا ایک ہو جانا بھی کچھ بعید نہیں ، یہ تناسخ نہیں ہے تناسخ کے مدعی تو اس کے قائل ہیں کہ ایک روح سے دوسرے کی زندگی کا قیام ہے لیکن بروز میں مقصد نہ تو دوسرے کی زندگی کا قائم رکھنا ہے نہ اس میں حس و حرکت کا پیدا کرنا ہے بلکہ کمالات باطنی کمالات معنوی کا فیضان مقصود ہوتا ہے۔

برہم زدن چشم : اس سے اشارہ ہے عدم توجہی کی طرف کہ جو عبارت قیامت سے ہے یعنی حق کی توجہ عالم کی طرف نہ رہنا۔

بذل: اس سے مراد جو کچھ اپنے پاس ہو خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالے۔

بساطت : کسی چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مرکب نہ ہونا.

بستان : سالک کے وجود کو کہتے ہیں اور کبھی صفت بساطت یعنی محل کشادگی کو بھی کہتے ہیں۔

بسط : ا. سالک کی کشادگی کو بسط کہتے اور اس کی ضد کو قبض کہتے ہیں سالک پر سیر الی اللہ کی حالت میں بعض واردات ایسے وارد ہوتے ہیں جسے عشق اور محبت کا غلبہ اور دل میں سرور و شوق پیدا ہوتا ہے عبادت میں لذت آتی ہے جس سے سالک کی ترقی باطن ہوتی ہے یہ بسط ہے اور قبض اس کے برعکس۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حالتیں قبض و بسط سالک پر وارد ہونی لازمی ہیں۔

۲. سیر الی اللہ میں کشائش قلب کو کہتے ہیں بخلاف قبض کے یعنی وقت سیر کے سالک عارف کے قلب پر حالات وارد ہوتے ہیں جیسے غلبہ محبت و عشق ہونا اور معشوق حقیقی کی یاد میں ذوق و شوق و سرور رہنا اور معارف الٰہیہ کا ادراک ہونا کہ یہی ترقی باطن ہے بخلاف حالت قبض کے کیونکہ قبض میں طبیعت منقبض رہتی ہے اور اکثر معشوق حقیقی کی یاد سے غفلت ہو جاتی ہے اور ذکر الٰہی کی طرف بالکل رغبت نہیں رہتی لیکن سلوک میں محض قبض یا فقط بسط سالک کے لیے مذموم ہے بلکہ سالک کے لیے یہ دونوں امر بمنزلہ بازووں کے ہیں۔ انہی دونوں بازووں سے سالک اپنے معشوق حقیقی کی طرف طیران کرتا ہے۔ سالک کو چاہیے کہ جو کچھ دل میں انوار اور اسرار ہیں وہ ظاہر نہ کرے کیوں کہ یہ مضر ہے ان کو پوشیدہ رکھنا چاہیے کہ جلد منزل مقصود تک پہونچے۔

بسیط : تمام کائنات میں ایک ہی ذات کو دیکھنا۔ کہتے ہیں شہود جمال حق کا تمامی اشیاء ہیں ہر شئے میں عین ذات معلوم ہو جیسا کہ ہے۔

بسے خرابی : تصوف کی اصطلاح میں کہتے ہیں عاشق کا مستغرق ہونا محبوب کے عشق میں۔

بصارت/بصیرت : ا. آنکھ سے کسی چیز کو دیکھنا بصارت۔ ہے دل سے کسی چیز کو معلوم کرنا بصیرت ہے بصیرت۔ دل کی وہ بینائی ہے جو نور قدس روشنی پاتی ہے ، حدیث مبارکہ : مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

۲. دل کی روشنی کو کہتے ہیں کہ جو نور قدس سے حقائق اشیاء کی ادراک کے واسطے سالک کے دل میں پیدا ہو کر قوت مدرکہ کو نورانی کر دے اور وہ اس سے کثرت کو وحدت میں اور وحدت کو کثرت میں بغیر کسی مانع کے دیکھے۔ اسی قوت کو حکما قوت عاقلہ نظریہ کہتے ہیں ، اس کو روشن ضمیری بھی کہتے ہیں جس طرح انسان اس ظاہری آنکھ سے تمام اشیاء کو دیکھتا ہے اسی طرح روشن ضمیر اُن اشیاء کی حقیقت سے آگاہی حاصل کرتا ہے اس بصر کو عاقلۂ نظریہ اور قوتِ قدسیہ کہتے ہیں۔ اور یہ قوت مشابہ بصر کے ہے جس سے انسان ظاہری اشیاء کو دیکھتا ہے۔

بطون : یہ لفظ بطن کی جمع ہے۔ ہر چیز کا بطن ذات بحت ہے یعنی تمام کائنات کے مقابلہ میں ذات بحت کو بطن کہتے ہیں اور اسکی تفصیل یہ ہے کہ عالم شہادت کا بطن عالم مثال ہے اور عالم مثال کا بطن ارواح ہے اور عالم ارواح کا بطن اعیان ہے اور عالم اعیان کا بطن ذات بحت ہے۔ بطون ذات فی الذات تاریکی محض ہے جو جملہ تجلیات کے بعد ہے۔

بُعد : جہل اور غفلت اور حق سے دوری اور عرفان سے نادانی۔

بُعدیت : بُعد قرب کی ضد۔ قرب صفات الٰہی سے متصف ہونا حجاب خودی کا اٹھنا ہے۔ بُعد اس کی ضد ہے۔ لذات نفسانی میں گرفتار۔ انسان اپنے سے جتنا قریب ہوگا حق سے اتنا ہی دور ہوگا۔

بقا : سالک کے اس مقام کو کہتے ہیں کہ جب وہ اپنے وجود کی نفی کر کے اپنے آپ کو ذات حق سبحانہ کے ساتھ باقی سمجھے یعنی ماسوائے اللہ کو معدوم اور ذات باری تعالیٰ کو موجود سمجھے۔

بقا باللہ: اس مقام میں مطلقاً غیریت سالک عارف کی نظر سے اُٹھ جاتی ہے اور عارف صفات حق کے ساتھ باقی ہوتا ہے اور اس کی بشریت باعث جامعیت کمال اسمائی ہوتی ہے اور جسم روح کی خاصیت لے لیتا ہے۔ وہ بقا جو فناء کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ جمع الجمع۔

بقرہ / بقرۃ / بُدنہ: نفس انسانی کو کہتے ہیں کہ جو ریاضت اور مجاہدہ کرنے کے واسطے مستعد ہو۔ جب نفس انسانی ریاضت اور مجاہدہ سے آراستہ پیراستہ ہو جاتا ہے تو اسے بدنہ کہتے ہیں۔
جو عیدالاضحیٰ منیٰ میں ذبح ہوتا ہے گویا بدنہ نفس مخالفت ہوا ہوس کی تیغ موتو قبل ان تموتو کی موت اختیاری سے ذبح کیا جاتا ہے، نفس کو اس ذبیحہ پر آمادہ کرنے میں انبیاء کی امداد ضروری ہے۔
انبیاء ساربان ہیں اور سب نے یہ کام کیا ہے۔

بلا: موانعات سلوک کو کہتے ہیں جو حق کی طرف متوجہ ہونے سے مانع ہو اور باعث خیالات دوئی و غیریت ہو، ہر وہ چیز جو توجہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہٹائے بلا ہوتی ہے۔

بلبل: عاشق صادق کو کہتے ہیں کہ جو ہمیشہ ذکر وفکر میں مشغول اور نفس امارہ سے بالکل فارغ البال رہے، عارف ربانی۔

بنا گوش: محبوب کی چھوٹی سے چھوٹی اور معمولی ادا کو بنا گوش کہتے ہیں.

بلوغ: سالک کی جب تک یہ حالت نہیں ہوتی کہ اشغال ظاہری اس کے اعمال باطنی کے لیے مانع نہ ہوں اور اعمال باطنی اشغال ظاہری کے لیے حجاب نہ رہیں اسے نابالغ کہتے ہیں۔ ایسے شخص کو دعوت خلق کی اجازت نہیں۔ جب سالک مقام فنا میں پہنچتا ہے اور سیر الی اللہ اس کی ختم اور سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے تصرفات جذبات الوہیت اور کیفیات آثارِ جذبات کا اپنے میں مشاہدہ کرتا ہے تو وہ صفت جذبہ الٰہی کا مظہر بنتا ہے اور اس صفت سے دوسروں کے باطن میں تصرف کرنے لگتا ہے اس وقت اسے بالغ کہتے ہیں۔ اس میں دعوت خلق کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔

بندگی: سلوک کی تکالیف کے درجہ کو کہتے ہیں اور مقام عبدیت کو کہتے ہیں اور یہ مقام سب سے اعلیٰ مقام ہے چنانچہ عبدہ و رسولہ اس کا ثبوت ہے۔

بنفشہ: وہ نکتہ دقیق اور رمز لطیف جس کا ادراک محال ہو۔ جس کو قوتِ ادراک نہ ہو۔

بوادرہ: سالک کے دل پر غیب سے دفعتاً ایسی واردات ہو کہ اس کے دل کو گھیرے یعنی قلب پر چھا جائے اور اس سے دفعتاً خوشی یا خوف طاری ہو جائے، ایک نسیم غیبی جو اچانک عالم غیب سے آتی ہے۔

بوسہ و غمزہ: اصطلاح صوفیائے کرام میں بوسہ کے چند معنی ہیں۔
(۱) عشق و محبت۔
(۲) اس خاکی پتلے کے ساتھ جو روح کا تعلق ہوا ہے جس کا اس آیت پاک میں ارشاد ہے ونفخت فیہ من روحی، اسے بھی بوسہ کہتے ہیں۔
(۳) سالک کے جذبہ باطن کو بھی بوسہ کہتے ہیں۔
(۴) کیفیت کلام صوری و معنوی کے قبول کرنے کی استعداد اور قابلیت نیز روح کا اپنے مرکوب یعنی جسم سے لذت پانا کو بھی بوسہ کہتے ہیں، عشق و محبت اضافت وجودی فیض جو سالک میں آتا، فیض قبول کرنے کی صلاحیت جذبہ باطن جو سالک میں پیدا ہوتا ہے۔ جو عاشق کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ غمزہ باعث فنا ہے اور بوسہ سرمایہ حیات و بقا۔

بوئے: مقام جمع میں پہنچ کر سالک کے دل کو جو تعلق عالم حقیقت اور عالم حضور سے ہوتا ہے اسے بوئے کہتے ہیں اور کبھی صرف آگاہی کو بھی بوئے کہتے ہیں۔

بہار: مقام علم یعنی حقیقتِ محمدیہ ﷺ کو کہتے ہیں اور بعض صوفیائے کرام سالک کے ذوق شوق کو اور مقام علم کو بھی بہار کہتے ہیں۔

بہجت: اس واردات کو کہتے ہیں کہ جس سے سالک کو سرور حاصل ہوتا ہے نیز ان واردات کو کہتے ہیں جو غیب سے صاحب کسب کے دل پر وارد ہوتے ہیں۔

بہشت: وحی یا الہام کو کہتے ہیں، مظہر جمال مطلق، صفت روحانی، رضائے الٰہی کا محل، خوشنودیٔ پروردگار پر انعامات۔

بیابان: راہ سلوک کے واقعات جو سالک پر گزرتے ہیں جو معاملات طریقت میں پیش آتے ہیں ان کو بیابان کہتے ہیں۔

بے آرامی : اس سے اشارہ ہے تغیرات اور تنزلات کی طرف یعنی وجود موجودات ہر گھڑی بدلتا رہتا ہے۔
بل هم فی لبس من خلق جدید (ترجمہ بلکہ وہی لوگ نئے لباس میں ہیں کی طرف اشارہ ہے)۔
بے آرامی زلف : اس ہستی مطلق کو جلوہ اور ذات بحت (خالص وجود) کا ظہور جو ہر ذرہ میں ہوتا رہتا ہے اور ہر آن نئی شان دکھاتا ہے اسے بے آرامی کہتے ہیں اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے (کل یوم هو فی شان)۔
بیت الحکمۃ : وہ دل جس میں اخلاص حقانی بھرا ہو بیت الحکمۃ ہے۔
بیت الغرۃ : اس قلب کو کہتے ہیں جو واصل ہو مقام جمع پر حالت فنا فی الحق میں۔
نیز وہ جگہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے زمین سے آسمان کی جانب اٹھا کر اپنے لیے مختص فرمایا۔ مثال اس کا قلب انسانی ہے جو حق سبحانہ تعالیٰ کا محل ہے۔
یہ محل رہنے والے سے کبھی خالی نہیں رہتا یا تو اس میں روح قدسی رہتی ہے یا روح ملکوتی یا پھر روح حیوانی میں شیطان یا نفس۔
بیت المرفوع : جہت الوہیت ہے، مکانیت عالیہ جو قلب سالک میں واقع ہے۔ حقیقت الٰہیہ بیت قلب ہے۔ اسے سقف المرفوع بھی کہتے ہیں۔
بیت المعمور : اس قلب کو کہتے ہیں جو تجلیات سے معمور ہو اور تعلق غیر حق سے پاک ہو نیز وہ جگہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے زمین سے آسمان کی جانب اٹھا کر اپنے لیے مختص فرمایا اور زمین سے آسمان کی جانب اُٹھا لیا۔ مثال اس کی قلب انسانی ہے جو حق سبحانہ تعالیٰ کا محل ہے۔ یہ محل رہنے والے سے کبھی خالی نہیں رہتا یا تو اس میں روح قدسی رہتی ہے یا روح ملکوتی یا پھر روح حیوانی یعنی شیطان یا نفس۔
بیت القدس : اُس قلب کو کہتے ہیں جو تعلق غیر حق پاک ہو، وہ دل ہے جسے غیر خدا سے ذرا بھی تعلق نہ ہو یعنی جب سالک کے دل سے غیریت اعتباری اُٹھ جاتی ہے اس کا دل وحدۃ الوجود سے معمور ہو جاتا ہے ایسے دل کو بیت القدس کہتے ہیں۔

بیت المحرم : قلب انسان کامل کو کہتے ہیں جس میں غیر حق کا خیال آنا بھی حرام ہے۔
بیت الفقرہ : جب سالک فنا فی اللہ کی منزل پا لیتا ہے تو اس وقت اس کے دل کو بیت الفقرہ بمعنی قلب کہتے ہیں۔
بیت ترسا : حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے ہیں۔
بیداری : حالت صحو، ہوشیاری، جو عبودیت کے سبب سے ہوتی ہے۔
بیداء التجرید : صور خلقیہ کے ظہور کو کہتے ہیں۔
بیرون : حالت طلب یا عالم طلب کو کہتے ہیں۔
نیز سالک کا اپنی ہستی سے باہر آنا یعنی فانی ہونا حق میں اور لفظ بیرون بمعنی آفاق بھی آتا ہے بمقابلہ اندرون کے بمعنی انفس۔ کلام مجید میں ہے (ترجمہ قریب ہے دکھلا دیں گے ہم ان کو نمونہ دنیا میں اور ان کو ان کی ذاتوں میں یہاں تک کہ ظاہر ہو گی ان پر یہ بات حق ہے کہ نہیں کافی اب تیرا بے شک وہی ہر چیز پر گواہ ہے)۔
بیضاء : نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعقل اوّل کو کہتے ہیں اور یہی مرکز ہے عما کا۔ یہ ضد ہے سوا وغیب یعنی عدم کا اور اس کو وجود کہتے ہیں۔
بیعت : بیعت کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی جان اور اپنے مال کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر دینا۔ رجوع الی اللہ کو بیعت کہتے ہیں۔
سورۃ توبہ کی آیت نمبر : ۱۱۱ ترجمہ : ''اور تحقیق اللہ نے مول لے لی ہیں مسلمانوں سے جانیں ان کی اور مال ان کے بدلہ میں اس کے کہ ان کے لیے جنت ہے''۔
بیعت کی صورت یہ ہے کہ بکی ہوئی چیز پر کوئی اختیار اس کا نہیں ہوتا جس کے پاس وہ ہوتی ہے یہ بیعت اس برگزیدہ شخص کی وساطت سے عمل میں آتی ہے جو اس مہتم بالشان معاملہ میں وسیلہ بننے کا مجاز ہو۔
سورۃ المائدہ آیت نمبر ۳۵ ترجمہ : ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈو اس کی طرف وسیلہ اور مجاہدہ کرو اس کی راہ میں تا کہ تم فلاح پاؤ''۔
وسیلہ کی دوسری آیت سورۃ بنی اسرائیل آیت ۵۷۔ اس آیت میں بھی شخص اقرب الی اللہ کے لیے وسیلہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے مقربین

بارگاہ رب العزت ہی کا وسیلہ وہ وسیلہ ہے جس کی ہدایت حاصل کرنے کی قرآن پاک میں دی گئی ہے ۔
تکمیل بیعت تو خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لی یہ سنتِ صحابہ ہے سورۃ الفتح آیت نمبر ۱۰۔ یہ سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے آج تک جاری ہے ۔
نیز اسے بھی بیعت کہتے ہیں کہ اپنے کو کسی کامل کے ہاتھ میں دے دینا اور تابع شیخ کا ہو جانا اس کی چند قسمیں ہیں ۔
بیعت اسلام ، بیعتِ جہاد ، بیعتِ طلبِ اسرار ، بیعتِ توبہ ۔
بیعتِ اسلام وہ ہے جو اسلام قبول کرتے وقت لی جاتی ہے ۔
بیعت جہاد وہ ہے کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابہء کرام وقت عزم جہاد مسلمانوں سے لیتے تھے ۔
بیعت طلب وہ ہے جو طالب مولیٰ سے لی جاتی ہے ، بیعت اسلام فرض ہے ، بیعت جہاد سنت ، بیعت طلب اسرار واجب اور بیعت توبہ مستحب ، بیعت اسرار کے نسبت اختلاف ہے ، بعض اس کو مستحب ، بعض واجب ، بعض فرض کہتے ہیں ، جو گروہ اس کو فرض کہتے ہیں وہ اپنے استدلال میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ ترجمہ طلب کرنا علم فرض ہے ہر مسلمان مرد وعورت پر اور ایک حدیث ابن ماجہ کی پیش کرتے ہیں من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاہلیۃ "یعنی" جو شخص بلا بیعت کے مرگیا وہ جاہلیت کی موت مرا ، اس حدیث شریف سے بیعت کا حکم شدید معلوم ہوتا ہے ، لیکن اکثر علماء و مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ بیعت کے سنت موکدہ ہونے میں شک نہیں اور حضرت مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے قول الجمیل میں اچھی تصریح فرما دی ہے ۔
بیگانگی : صمدیت بے نیازی اور عالم الوہیت کے استغناء کو کہتے ہیں اس لئے کہ الوہیت کسی وجہ اور کسی چیز کی محتاج نہیں۔ کسی چیز سے اس کی مشابہت اور مماثلت نہیں دے سکتے ۔ وہ محض خالص یکتائی ہے ۔
بیماری : قلق اور بیتابی کو کہتے ہیں نیز وہ کیفیت مراد ہے جو محبت کے برخلاف ظاہر ہو اور محبّ اُس کی تاب نہ لاسکے۔ تعلق اور قبض جو سالک کو عارض ہوتی ہے صمدیت بے نیازی اور ماسوائے اللہ کے محبت ۔
بیماری چشم : بُعد وفراق کے غم کو بھی کہتے ہیں اور پندار خودی کو بھی ۔
بے مثالی : حق تعالی کا بے مثل و بے مثال ہونا یعنی کوئی چیز اس کے مثل نہیں اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے (سورۃ شوریٰ آیت ۔ ۱۱) . موجد بے مثل و بے مثال ہے ۔ موجود بھی بے مثل و بے مثال ہے ، ہر موجود میں اس وحدت کا ہونا موجد کی وحدانیت کی دلیل ہے ۔
بے نوائی : ناتوانی ، کمزوری ، بے بسی ، فنافی اللہ اور اضمحلال بشریت کو کہتے ہیں ۔
بے ہوشی : حالت سکر یعنی مستی و بیخودی کو کہتے ہیں۔ اس حالت میں سالک صفات ذات میں محو ہو جاتا ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ مقام محویت مراد ہے کہ جو پہلا درجہ رکھتا ہے ۔

پ

پارسائی : خواہشات طبعی اور خواہشات نفسانی سے پاک ہونا خلوص نیت سے ہو تو اچھا ہے ۔ اگر اس ڈر سے ہو کہ لوگ بوجہ مشابہت کو برا کہیں گے تو واجب الترک ہے کیونکہ یہ ڈر نفس میں بوجہ حب جاہ پیدا ہوتا ہے اگر اس سے خود بینی اور اپنی ہستی کا پندار پیدا ہو گیا تو سالک مقام کفر سے نہیں نکلا اور حق کو اپنے اندر پوشیدہ کیے ہوئے ہے اور خراباتیوں کی صفات نہیں رکھتا ۔ اگر سالک کی پارسائی وخود بینی کا سبب بن جائے تو اہل طریقت کے نزدیک سالک ابھی تک مقام کفر سے نہیں نکلا ۔
پاکبازی : وہ خالص محبت اور توجہ جو کسی غرض سے نہ ہو یعنی نہ جنت کی طلب نہ خوف دوزخ نہ ثواب مقصود ہو نہ علوئے مرتبہ اور اس درجہء قبولیت کا نام ہے جیسے سالک بتدریج جناب الٰہی کا قرب حاصل کرتا ہے۔
پائے کوفتن : تواجد کرنا، حالتِ وجد کی بے قراری و بے چینی میں مضطربانہ حرکات ، اشارہ ہے سالک کی بے قراری کی طرف جو ذوق وشوق ذکر محبوب حقیقی میں ہوتی ہے بطور وجد کے خواہ سماع میں ہو یا بغیر سماع کے ۔
پدر : عقول مَلکی کو کہتے ہیں ۔

پرچین بودن زلف : عالمِ کثرت کی اعتباری ، غیریت جو اُٹھ جانے والی چیز ہے ۔ اس سے اشارہ قیود کی طرف کہ سالک کو ان سب قیود میں رہ کر آزاد ہونا چاہیے ۔

پردہ و پردگی : وہ حجاب جو عاشق و معشوق کے درمیان میں ہو اور یہ لوازمات طریقت سے ہے اس سے وجود عاشق مراد لیا جاتا ہے ، اس سے عموماً وہ پردے مراد ہیں جو طریقت کے لوازمات سے عاشق و معشوق کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں نہ کہ وہ پردے جو معشوق کی بے نیازی اور عاشق کی بے بسی اور بے چارگی سے پیدا ہوتے ہیں ۔

پروانہ : اس سے وجود عاشق مراد لیا جاتا ہے ۔

پیالہ چشم : کنایہ ہے چشم محبوب جس میں خود بھی مستی ہوتی ہے اور دوسروں کو بھی مست و بے خود بنا دینے کی قوت ہوتی ہے۔ موجودات کا ہر ہر ذرہ عارف کو شراب معرفت پلا پلا کر مست و بے خود کرتا ہے دل سالک بھی پیالہ ہے جس میں شراب معرفت چھلکتی ہے اور دوسروں کو متوالا بنا دیتی ہے ۔کو بھی کہتے ہیں جو منجانب حقیقت دل سالک پر وارد ہوتے اور سالک کو مست و بیخود کر دیتے ہیں اور اسی طرح قلب سالک سے جذبات اٹھتے اور حقیقت الحقائق کی طرف جاتے ہیں اور یہ وہ نسبت ہے کہ ملائکہ اس سے بے بہرہ ہیں ۔

پیچِ زلف : اسرارِ آلٰہی کی وہ مشکل گھاٹیاں جن میں سے ہر شخص نہیں گزر سکتا اور اللہ کریم کی معرفت اور اسرارِ حقیقت کا حاصل ہونا، معاملات ناسوتی کو کہتے ہیں جو تعینات کے مقتضیات سے باہم دگر خلائق میں رائج ہیں ۔

پیرخرابات ، پیرمغاں ، پیر میکدہ :مرشدِ کامل کو کہتے ہیں جو اپنے افعال اور صفات کو حق کی افعال اور صفات میں محو کر دے اور بقاباللہ کے مرتبہ پر فائز ہو کر ناقصوں کی تکمیل کرے ۔ یہ پیر مغاں اور پیر خرابات بھی ہے۔ پیر مغاں مرشد عالم مانی اور روحانی کو کہتے ہیں جس کے صفات ذمیمہ صفات حمیدہ ہو جائیں اور واردات غیبی اس کے دل پر وارد ہوتے ہوں ۔

پیشانی : ظہور اسرار الٰہی کو کہتے ہیں ۔

پیکان : اس سے مراد تجلی خفی ہے جو دل و جگر میں پیوست ہو جاتی ہے اور عاشق کو سوائے معشوق کے سب سے بے خبر کر دیتی ہے ۔

پیمانہ : لغت میں پیمائش کرنے والی شئے اور ناپ کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں قلب عارف کو کہتے ہیں کہ جو انوار غیبی کا مشاہدہ اور حقائق اشیاء اور مراتب و مقامات کا ادراک کرتا ہے ۔اسے ساغر بھی کہتے ہیں ۔

پیمانہ یا پیالہ بھر دینا : مرشد کا مرید کی تکمیل کر دینا ۔

ت

تا : اشارہ تعینات اور تعددات کی طرف ہے جس میں تفصیل در تفصیل ہے ۔

تابِ زلف : اسرارِ الٰہی کا نہ معلوم ہونا اور حقائق ممکنات کو کہتے ہیں۔

تابستان :مقامِ عشق و سوزِ قلبی نیز معرفت و حقیقتِ الٰہی سے مراد ہے۔

تاج : ماہیت ذاتِ لامتناہی ۔

تاج المحو : تحقیق عبد کا انفصال کے ساتھ رجس (ناپاکی) کو ان سے اور اتصال عبد کا قدس (پاکی) ملکوت سے یہ وہ تاج ہے کہ اس کے سبب سے عبد متوج اپنی غیر سے مفخر ہوتا ہے اسی کو تاج الافتخار بھی کہتے ہیں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہوتا ہے۔

تاراج : جملہ احوال و افعال ظاہری و باطنی میں سالک کا اپنے ارادے کو باطل کر دینا تاراج ہے ، اور سالک کے اختیارات کا سلب ہو جانا بھی مراد ہے۔

تاسف : مراتب محبت کے مدارج میں دوسرا درجہ تاسف کہ عمر وصال یار کے بغیر گزر رہی ہے ۔

تافتن : او امر الٰہی پر یقین کرنے کو کہتے ہیں ۔

تانیس : تجلی فعلی کو کہتے ہیں جو مبتدی کے واسطے باعث تزکیہ نفس و تصفیہ روح کے ہوتی ہے اور مبتدی اس سے انس لیتا ہے ۔

تائب : توبہ کرنے والا جس کے گناہوں سے اُسے ایسے باطنی نقصان ہو چکے ہوں جس کی تلافی کے لیے وہ زائد عبادت کرے۔

تبتل : کہتے ہیں تمام سب سے منقطع اور یکسو ہونا اور خدا کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا۔ کلام مجید میں ہے وتبتل الیہ تبتیلا (اور چھوٹ اُس کی طرف سب سے الگ ہو کر) اس سے مراد تجرید محض کی طرف دعوت ہے۔

تبتل المرید: اس سے مراد تجرید یعنی خالی ہونا حظوظ نفسانیہ سے ہے۔

تبتل واصل : اس سے مراد ماسوائے حق سے منقطع ہو جانا ہے۔

تبلیغ فی النہایت : اس سے مراد سالک کو مقام انتہا تک پہونچا دینا۔

تبسم : اس سے مراد سرور محض ہے جو محرک فاحببت ان اعراف ہوا ہے اور باعث تخلیق عالم ٹھہرا ہے۔

تبصرہ : کہتے ہیں دیکھنا اشیاء کا عین بصیرت سے بلا آمیزش بصر کے۔

تجددِ امثال : یعنی تعینات کی صورتوں کا جدید ہوتے رہنا۔ بعض بوجہ لاعلمی اس کو بھی تناسخ کہتے ہیں۔ حقیقت اس کی یوں ہے کہ کلام مجید میں ہے بل ہم فی لبس من خلق جدید تمام اجزا خواہ حرکت میں ہوں یا سکون میں ہر آن عدم یعنی بے کیفی کی طرف رجوع کرتے ہیں کیونکہ ان کی وہی اصل ہے اور پھر حضرت حق سے ہر آن ان کو ایک یا لباس وجود کا ملتا ہے۔ اس سے ہر ساعت قیامت برپا ہے اور ہر شخص اور ہر شے فنا اور بقا میں ہے۔ ہر شئے میں کہنگی سے جو فرق پیدا ہوتا ہے اس کا باعث یہی ہے۔

یوم ولادت سے یوم وفات تک انسان میں جو تبدیلی ہوتی رہتی ہے اس کا سبب بھی یہی ہے کہ جسم بلاقطع و برید تبدیل ہوتا رہتا ہے کیونکہ اعیان ثابتہ کے اطوار علم حق میں جدید ہوتے رہتے ہیں اور ہر آن انعکاس صور خارجی میں کسی قدر تبدیلی کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں پر تبدیل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جس طور میں اس سے فانی ہو جائے۔ حضرت وجود سے دوسرے طور میں اس کو بقا حاصل ہو جائے اگرچہ عیان ثابتہ مثل محدثات کے فانی نہیں ہیں مگر اسما و صفات ذات حق میں مستہلک ہیں لہذا ہر آن بے کیفی کا غلبہ ہوتا ہے اور پھر حضرت حق سے اسی کا ظہور ہوتا ہے کسی قدر اطوار کی تبدیلی کے ساتھ اور اس کا ادراک اس وجہ سے نہیں ہوتا ہے کہ اول تو فرق ایسا خفیف ہوتا ہے کہ ادراک میں نہ آ سکے دوسرے بوجہ سرعت فنا و بقا کے ایک ہی آن میں فنا بھی ہوتی ہے اور بقا بھی اور اسی طرح دوسری آن میں کہ اِدھر فنا ہوئی اور اُدھر بقا ہوئی برابر یہ سلسلہ جاری ہے۔ اسی وجہ سے کسی نامی شئے کی نمو کا ادراک بھی نہیں ہوتا ہے کیونکہ ہر آن وجود جدید اس کو خفیف بلکہ اخف تبدیلی کے ساتھ ملتا ہے۔

اسی تجدد امثال کی وجہ سے حضرت آصف بن برخیا تخت بلقیس کو پلک جھپکتے میں شہر سبا سے لے آئے اور اس میں کوئی تکلیف اور دقت حضرت آصف کو نہیں ہوئی کیونکہ کارخانہ تجدد امثال تو جاری ہی ہے صرف اس کی ضرورت یہی ہے کہ ارادہ کرنے والے کو فنا ذات حق میں ایسی کاملیت حاصل ہو کہ اس کا بعینہ حق کا ارادہ ہو۔ یہ بات حضرت آصف بن برخیا کو حاصل تھی لہذا ادھر سبا کا وہ تخت فانی ہوا اور دوسرا وجود اس کو حضرت آصف کے ارادہ کے موافق سبا میں نہ دیا گیا بلکہ یہاں دیا گیا جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام تھے اور اس طرح پر آن واحد میں وہ یہاں آ گیا۔ اس تجدد امثال کی وجہ سے ہر شئے ہر وقت وجود و عدم کے درمیان ہے۔

تجدید ایمان : تصدیق قلبی اس شرط کے ساتھ کہ قلب کسی چیز کو بلا دلیل قبول کرے اس کو تجدید ایمان کہتے ہیں۔ ایمان کو ہر وقت تازہ کرنا کیوں کہ راہ سلوک میں اس کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔

تجدید بیعت : اصحاب طریقت نے بیعت کو نکاح سے تشبیہہ دی ہے۔ مرید کو بھی شیخ کی ظاہری حیات میں دوسرے شیخ کی طرف رجوع کرنا حرام ہے۔ تجدید بیعت کی صورت یہ ہو سکتی ہے۔

۱. شیخ کا وصال ہو گیا اور مرید کا سلوک ناتمام رہ گیا مرید میں شیخ کے مزار سے سلوک کی منازل پوری کرنے کی صلاحیت بھی نہیں اس صورت میں تجدید بیعت فرض ہے۔

۲. شیخ لاپتہ ہو گیا۔

۳. شیخ صاحب نسبت نہیں تھا۔

۴. شیخ کی متواتر بے التفاتی اور تربیت معنوی نہ ہونے پر۔

۵. بچپن میں بالغ ہونے سے پہلے بیعت کی، بعد میں بالغ ہونے پر کسی دوسرے بزرگ سے بیعت ہو سکتا ہے۔

تجرید : ۱. اپنی خودی اور ماسوائے اللہ سے دور ہونے اور حق کی خودی

میں مل جانے کو کہتے ہیں۔۲. علایقِ دنیا سے اپنے آپ کو پاک کرنا۔
تجرید و تفرید : تجرید ہے ازالہء ماسویٰ از قلب ۔ ماسویٰ اللہ سے اعراض اس کی باطنی کیفیت ہے۔ معاوضہ اجرت یا انعام سے اپنے باطن کو مجرد کر لینا۔
تفرید یہ ہے کہ حقیقت واحدہ منفرد کی جانب رجوع کیا جائے خلائق و علائق سے بےتعلقی اور تفرید خودی سے بےتعلق ہو جانے کو یعنی اس بےتعلقی تک کے احساس کو گم کر دینے کا نام تجرید ہے۔
تجلی : کہتے ہیں لغت میں ظاہر ہونے اور روشن ہونے اور جلوہ کرنے کو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ا. تجلی ظہوری۔۲. تجلی اظہاری۔
تجلی ظہوری یہ ہے کہ جیسے غلبہ نور الٰہی کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کے دل میں آگ کی طلب پیدا ہوئی تھی ۔ گویا آگ ان کی مطلوب مجازی تھی۔ معشوق حقیقی نے معشوق مجازی کی صورت میں اپنا جلوہ دکھایا اور انھیں اپنی جانب کھینچا۔ جب وہ مسافت بُعد طے کر کے احاطہ قرب میں داخل ہوئے تو انوار حقیقت کا غلبہ ہوا اور وہ مجاز سے حقیقت کی طرف منتقل ہوئے جب ان انوار کے مزید غلبہ سے بے ہوش ہو گئے تو اپنی ہستی مجازی سے بھی کنارہ کش ہو گئے۔
موسیٰ علیہ السلام اس وقت مقام تلوین میں تھے تمکین تک ابھی نہ پہنچے تھے۔ پہاڑ اپنی استقامت میں متمکن تھا اس لیے ربوبیت کی یہ تجلی پہاڑ پر ہوئی اور وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ پہاڑ پہاڑ نہ رہا چونکہ اس تجلی کا پرتو موسیٰ علیہ السلام پر بھی پڑا اس لیے وہ بے ہوش ہو کر اپنی ہستی سے بےتعلق ہو گئے۔
تجلی کے لیے استقامت کی ضرورت ہے۔ ہر شخص پر اس کی استعداد کے مطابق جداگانہ تجلیات ہوتی ہیں۔ جو تجلی ایک شخص پر ایک مرتبہ ہوتی ہے وہ پھر دوبارہ اس پر یا کسی اور پر کبھی نہیں ہوتی۔ یعنی تجلیات میں تکرار نہیں۔ ہر دم اور ہر لحظ اور ہر آن وہ نئی نئی شان میں متجلی ہوتا رہتا ہے۔
تجلی ظہوری یہ ہے جیسے کہ غلبہ نور الٰہی کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوا تھا اور موسیٰ علیہ السلام بسبب اس کے بیہوش ہو گئے تھے اور تجلی اظہاری یہ ہے کہ اصطلاح میں ہر لباس تعین کو تجلی کہتے ہیں جیسے وحدت کو تجلی اول اور واحدیت کو تجلی ثانی کہتے ہیں اور اسی ترتیب پر جمیع تعینات کو تجلی کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ تجلی اول تجلی ذاتی ہے ۔
سالکین کے قلوب پر تجلیات ظہوری غیب سے وارد ہوتے ہیں ۔
وہ چند اقسام یہ ہیں کبھی تجلی سبز اور سرخ وارد ہوتی ہے۔ اس کو تجلی مرشد کہتے ہیں وہ داہنی جانب ہوتی ہے اور کبھی سیاہ اور کبود وارد ہوتی ہے بائیں جانب سے اس کو تجلی نفسی کہتے ہیں اور کبھی تجلی زرد وارد ہوتی ہے۔ اگر وہ روبرو ہو تو وہ تجلی قلبی ہے اور اگر پشت سے ہو تو وہ تجلی شیطانی ہے اور کبھی تجلی سفید رنگ کی وارد ہوتی ہے سالک کے روبرو اس کو تجلی روحی کہتے ہیں اور کبھی تجلی ابیض قدرے سبزی مائل بہ خنکی وارد ہوتی ہے جسے دیکھ کر قلب کو سرور حاصل ہوتا ہے اور اس کو نور محمدی ﷺ کہتے ہیں اور کبھی تجلی بے رنگ ، بے رو ، بے جہت وارد ہوتی ہے۔ اس کو تجلی ذاتی کہتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ تجلی ذاتی اور نور محمدی ﷺ کے لیے کوئی جہت نہیں اور یہی بہت سی تجلیات ہیں جو موافق استعداد سالک کے پر وارد ہوتی رہتی ہیں ۔
ایک یہ کہ وہ ذاتِ بحت کسی لباس تعین میں ظہور فرمائے۔ سب سے پہلا درجہ ذات خالص ذات بحت کا ہے۔ اس مرتبہ میں ذات ہی ذات ہے اس کا کسی طرح سے بیان ممکن نہیں ہے نہ ہی اس کیلئے کوئی لفظ ہے ، اس مرتبہٗ ذات کو لاتعین اور احدیت کہتے ہیں ۔
جب ذات نے چاہا کہ اپنا ظہور فرمائے تو مرتبہء احدیت سے تنزل فرمایا اور لباس تعین پہن کر حقیقتِ محمدیہ ﷺ کہلائی اور پہلا ظہور شروع ہوا۔ ذات کے اس مرتبہٗ ظہور کو تعینِ اوّل ، علم مجمل ، علمِ ذاتی ، مرتبہٗ وحدت مرتبہٗ انا حقیقتہٗ محمدیہ ﷺ کہتے ہیں۔ چونکہ یہ مرتبہٗ وحدت ظہورِ ذات کا پہلا درجہ ہے اس لئے اس کو تجلیِ اوّل کہتے ہیں اور یہی تجلی ذاتی ہے، پھر ذات نے اس مرتبہ وحدت سے تنزل فرمایا اور اپنے اجمال کی تفصیل فرمائی، ذات کے اس مرتبہ کو تفصیلِ صفات ، نفسِ رحمانی ، مرتبہٗ ثبوت اعیانِ ثابتہ واحدیت ، حقیقتہ آدم کہتے ہیں اور ظہور ذات کا چونکہ یہ دوسرا مرتبہ ہے اس لئے اس کو تعینِ ثانی اور

تجلیِ ثانی کہتے ہیں اور اسی کو تجلیِ صفاتی کہتے ہیں، پھر اس مرتبۂ واحدیت سے عالمِ ارواح ظاہر ہوا، یہ تجلیِ ثالث ہے اور عالمِ ارواح سے عالمِ مثال ظاہر ہوا وہ تجلی ہے اور عالم مثال سے عالم اجسام ظاہر ہوا وہ تجلی خامس ہے۔

بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں چونکہ ذات بحت یعنی احدیت بلا اعتبار کسی لباس تعین کے خود اپنے آپ میں متجلی ہے اور اپنے وجود میں کسی اجمال اور تفصیل کی محتاج نہیں ہے اس لئے تجلیِ اوّل یہی ہے اور تجلیِ ذاتی اسی کو کہنا چاہیے اور یہی غیبُ الغیوب ہے۔

جملہ کائنات کی حقیقتیں اس میں اس طرح موجود ہیں جیسے بیج میں درخت کے پتے شاخیں پھول پھل وغیرہ، اور تجلیِ ثانی واحدیت ہے تفصیل صفات اسی سے شروع ہوتی ہے اس لئے اس کو تجلیِ صفاتی کہتے ہیں۔ اب رہا احدیت اور واحدیت کے درمیان کا مرتبہ یعنی درجہ وحدت کا۔ اس میں تفصیل صفات نہیں ہوتی ہے۔ اس کو مرتبۂ ذاتِ احدیت کے عین مانا ہے اور تجلیِ ذاتی کو تجلیِ اوّل ہی میں شمار کیا ہے۔

تجلی کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ انوارِ غیبی دل پر روشن ہوں اس تجلی کی چند قسمیں ہیں کیونکہ جو انوار تجلی غیب سے دلوں پر وارد ہوتے ہیں ان کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ جو نورِ تجلی سبز رنگ یا سرخ رنگ داہنی طرف سے دل پر وارد ہو وہ اپنے شیخ کا نور ہے اور جو نور سیاہ و نیلا بائیں جانب سے ظاہر ہو وہ تجلیِ نفس، زرد رنگ کا نور اگر روبرو ہو تو تجلیِ قلبی اور پشت پر ہو تو شیطانی اور سفید نور اگر سامنے ظاہر ہو تو روحی ہے، رنگ سفید قدرے مائل بہ سبزی اور اس میں کسی قدر خشکی پائی جائے اور اُس کے دیکھنے سے دل میں سرور اور لذت حاصل ہو اس کو نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھے اور جو تجلی بے رنگ اور بے جہت وارد ہو وہ تجلیِ ذات اور بعض مرتبہ تجلیِ نورِ محمدی ﷺ بھی بلا جہت ہوتی ہے۔

اقسام تجلیات جو سالک پر راہ فنا میں وارد ہوتی ہے وہ چار ہیں۔

تجلی آثاری : یہ تجلی صوری ہے۔ جس پر کی جاتی ہے وہ جان لیتا ہے۔ اس کے دل میں پختہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ حضرت حق کو اس صورت تمثیلی میں دیکھ رہا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ابتداً میں تجلی بصورتِ نار ہوئی پھر انہوں نے یہ بھی پہچان لیا کہ اس صورت میں کون متجلی ہے۔ خواب بھی تجلی صوری ہے جو عالم خیال میں وارد ہوتی ہے اور تعبیر کی محتاج رہتی ہے۔ تعبیر وہ علم ہے جس سے معلوم ہو کہ اس تجلی صوری سے حق تعالیٰ کی کیا مراد ہے۔ تجلیاتِ آثاری میں اکمل تجلی صورت انسان میں ہوتی ہے۔

تجلی فعلی : اس تجلی میں سالک صفاتِ فعلیہ ربوبیہ میں کسی صفت کے ساتھ حق تعالیٰ کو متجلی پاتا ہے اور وہ ہر چیز میں قدرت کے جاری ہونے کو دیکھتا ہے۔

تجلی صفاتی : اس تجلی میں سالک حق تعالیٰ کو امہاتِ صفات میں متجلی پاتا ہے۔ امہات صفات حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام ہیں جنہیں صفات سبعہ ذاتیہ بھی کہتے ہیں۔

تجلی صفاتی : جب ذات کی تجلی سالک پر ہوتی ہے تو سالک فانی مطلق ہو کر اپنے علم و شعور و ادراک سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ عبد گم ہو جاتا ہے، حق باقی رہتا ہے۔ تجلی ذاتی میں فنائیت عبد کے بعد بقائے حق سے باقی ہونے کو بقا باللہ کہتے ہیں۔ سالک خود جمیع صفات الٰہیہ سے متصف ہو جاتا ہے کمال توحید اعیانی سے یہی مراد ہے۔

اس کے علاوہ دیگر تجلیات یہ ہیں۔

تجلی جمادی : یہ تجلی جلالی ہے۔ جمادات بے شعور خاک مذلت پر سر اوندھائے پڑے ہیں اور جام تجلی ذات سے دائماً بے خود و بے ادراک ہیں۔

تجلی حیوانی : اس میں حکمتِ ظہور و اظہار اور بقائے جنس نوع و افراد ہے۔ حیوانات کا بالطبع مقتضائے حرکت اور مشتاق میل اور جفت ہونا اس کی دلیل ہے۔

تجلی رحمانی : عام ہے جس کے تابع ہے افاضہ وجود بر جملہ موجودات بلا عملِ سابق۔ اسی کو فضل بھی کہتے ہیں۔ اسی تجلی فضلی سے ہر دو عالم یعنی عالم غیب و شہادت نے انوار وجود کی روشنی پائی۔

تجلی رحیمی : یہ خاص تجلی ہے جس کے ذریعے مومنین و صدیقین و ارباب

قلوب کے دلوں پر کمالات معنویہ کا فیض ہوتا رہتا ہے۔ اس تجلی میں کافر مومن سے اور عاصی مطیع سے اور ناقص کامل سے جدا ہوتا ہے۔ کمالات انسانی اسی فیضِ خاص کے تحت ظہور اور پرورش پاتے ہیں۔

تجلی نباتی : اس تجلی میں پرتو محبت ہے جس کے باعث نباتات اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے اور جوش وخروش کے عالم میں منتظر ہیں۔

تجلی ذاتی : وہ ہے جس کا مسلہء ذات ہو بغیر اعتبار کسی صفت کے صفات سے اگرچہ سوائے واسطہء اسما و صفات کے حاصل نہیں ہوتی ہے کیونکہ حق میں حیث الذات موجودات پر تجلی نہیں فرماتا مگر سوائے کسی حجاب کے حجابات اسمائیہ اور صفاتیۂ سے اور یہ تجلی اس وقت ہوتی ہے جب فناء کامل سالک کی متحقق ہو اور تفرقہ ذات و صفات کا بوجہ کھل جانے اس نسبت کے جو ذات کو صفات کے ساتھ ہے اٹھ جائے۔ اِس نسبت میں عینیت و غیریت کی گنجائش بھی نہیں ہے یعنی صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات اور اس انکشاف کے بعد اسماء و صفات حجاب نہیں رہتے ہیں بلکہ یہی موجب کشف ذات ہوتے ہیں کیونکہ ذات ہرگز محتجب و غائب نہیں بلکہ اس کا شدت ظہور یہی موجب خفا ہو گیا ہے جیسا کہ حضرت شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ حق مشہود ہے اور خلق موہوم اسی طرح ظہور ذات کا ہر صفت میں ظہور ذاتی ہے اور ذات ہی اپنے اسماء و صفات میں ظاہر ہے نہ غیر۔ پس جس نے صفات کو من حیث الصفات دیکھا اس نے صفات کو پایا اور جس نے صفات میں ذات کو دیکھا وہ اصل مقصد پر فائز ہوا۔

تجلیِ شہودی : عالمِ شہادت یعنی عالمِ اجسام میں جب وہ ذات پاک سراپا نور مختلف شانوں میں اپنے مختلف ناموں کے موافق ظاہر ہوئی اس کو تجلی شہودی کہتے ہیں۔ یہ تجلی شہودی بذریعہ نفسِ رحمانی یعنی درجہء واحدیت کے ہوئی ہے کیونکہ تفصیل صفات ذات اس مرتبۂ تنزل سے شروع ہوتی ہے اور ذات کا تفصیل صفات میں آنا ہی باعثِ ایجاد جملہ کائنات ہے اور اسی تجلیِ شہودی میں ذات کی جملہ تجلیاں جمع ہیں۔

تجلی صفاتی : اس کو کہتے ہیں جس کا مبدء ایک صفت ہو صفات سے من حیث تعین اور اعتبار اس صفت کی ذات کے۔

تجلیہ : روح کو پاک و صاف کرنا ان کدورات جسدیہ سے اور تجلی نباتی جلا دینا جو اس میں بوجہ اس قلب عنصری کی روح کو عارض ہوتے ہیں۔

تجوہر باانوار الٰہیہ : اس سے مراد ہے جوہر بن جانا یا جوہر قبول کرنا روح کا۔ انوارالٰہیہ سے جاننا چاہیے کہ روح عالم امر سے ہے اور نورانیت اس کی صفت ذاتی ہے۔ اب اس میں ظلمانیت یا کدورت جو آ جاتی ہے اور بوجہ جسم سے متکیف ہو جانے کے اور اپنے مبدء سے غفلت پیدا ہونے کے آ جاتی ہے اسی رفع غفلت کا نام تجلیہ ہے جس طرح کھوٹی چاندی آگ میں ڈالنے کے بعد پاک و صاف ہو جاتی ہے اسی طرح مجاہدہ اور ریاضت کے بعد روح بھی شواغل عنصریہ اور کدورات نفسانیہ و جسمانیہ سے پاک و صاف ہو کر منور باانوارالٰہیہ ہو جاتی ہے اسی کو تجوہر باانوارالٰہیہ کہتے ہیں۔

تحریک : نفس ناطقہ انسانی میں دو قوتیں ہیں۔ ادراک اور تحریک۔ ان دونوں قوتوں کی دو دو اقسام ہیں (۱) تحریک بقوت شہوی (۲) تحریک بقوت غضبی ان قوتوں میں اعتدال اور توازن اور تناسب رکھنا باعث فصیلت ہے۔

تحقیق : حق کا ظہور صور اسماء الٰہیہ میں ہونے کو کہتے ہیں بعض کے نزدیک کسی شئے کی مائیت سے آگاہ ہونا، اسے ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ کے عرفان کی تحقیق کہتے ہیں نیز طریقت، معرفت، شہود حق اور حقیقت کی رموز سے آگاہ ہونے کو بھی تحقیق کہتے ہیں۔

تخت : مرتبہ رحمانیت، اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اپنے اسم رحمان کے ساتھ ہر چیز میں شہود حق ہو وہ محقق ہے۔

تختم : عارفوں کے دلوں پر حقانیت کی لہر ہوتی ہے اسی وجہ سے تمام برائیوں سے وہ بچے رہتے ہیں اور اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں اسے تختم کہتے ہیں، ہر عارف دوسرے عارف سے ممتاز ہوتا ہے، ہر ایک کی شان جداگانہ ہوتی ہے۔

تخلی : خلوت اختیار کرنی اور وہ باتیں کہ یادِ حق میں مخل ہوں۔ ان کو ترک کرنا۔

تخلیہ : اپنی خودی کو مٹانا ، ماسوائے اللہ کے دل کو خالی کرنا ، کسی شئے کو جگہ نہ دینا۔ سالک کی پہلی منزل تصفیہ پھر تجلیہ پھر تخلیہ۔

تدانی و تدلی : معراج اولیاء مقربین یعنی سالک کا عروج کر کے اجسام سے مثل ادنیٰ اور معمولی شئے سے اعلیٰ اور اکمل کی طرف رجوع کرنا۔ مثال ارواح ، ارواح سے مرتبۂ واحدیت میں پہنچتا ہے تو ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ سے قریب ہوجاتا ہے صرف مرتبۂ وحدت طے کرنا ہوتا ہے وہ اس سے بہت سخت ہے۔ یہ تدانی ہے۔ پھر سالک عروج کرتا ہے اور مرتبۂ وحدت سے گزر کر ذاتِ احدیت میں فنا ہوتا ہے اور بقا باللہ ہو کر خدمتِ خلق اور رفاہِ عام کی غرض سے ذات احدیت کے عین ہو کر مرتبۂ صفات کی طرف نزول کرتا ہے، یعنی احدیت سے وحدت (حقیقت محمدیہ ﷺ) وحدت سے واحدیت میں جلوہ گر ہو کر تمام عالمِ ارواح و مثال و عالمِ اجسام کو نفع پہنچاتا ہے ، حق تعالیٰ اس بندہ سے بہت خوش ہوتا ہے اور اس پر بہت مہربان ہوتا ہے یہ تدلی ہے۔

تدبر و تفکر : تصور عقلی اور توجہ دلی سے مقصود اصلی کی جانب بڑھنا اور مطلوب کو طلب کرنا ، صفات و افعال الٰہی میں تدبر و فکر کرنا۔

ذات حق تعالیٰ میں فکر کرنا ناجائز اور لاحاصل ہے۔ خفیف سا فرق ان دونوں الفاظ میں یہ ہے ۔ تفکر تصرف دل ہے فہم و ادراک اور دلائل و براہین کے میدان میں۔ تدبر تصرف دل ہے اپنے کام کو انجام تک پہنچانے میں۔

تدبیر : کہتے ہیں عواقب امور کو سوچنا ۔ یہ قریب قریب تفکر کے ہے مگر اعتباری فرق ہے وہ یہ کہ اس میں انجام کار سوچنا ہے اور اس میں دلیل کو۔

ترتیب موجودات : جن منزلوں یا جن سیڑھیوں پر سے وجود نے نزول فرمایا انہیں حسب موقعہ کبھی تنزلات۔ کبھی تعینات۔ کبھی تجلیات۔ کبھی تقیدات اور کبھی اعتبارات کہتے۔ ہیں نقشہ مراتب وجود سے ترتیب موجودات کا خاکہ واضح ہو جائے گا۔

ترانہ : ارادۂ محبت ، آہنگ محبت جس کے سننے سے سالک کو مستی اور بے خودی طاری ہوتی ہے ، منزلِ عشق میں قدم رکھنے کو ترانہ کہتے ہیں ، رازِ محبت مراد ہے۔

ترسا : جب سالک صفات ذمیمہ اور نفسِ امارہ سے پاک ہو جائے اور اسمیں حمیدہ صفات اور اخلاقِ الٰہیہ پیدا ہو جائیں اس وقت سالک کو ترسا کہتے ہیں ، مردِ روحانی جس کا نفس امارہ مر چکا ہو۔

ترسا بچہ : عالمِ غیب سے سالک کے دل پر جو فیوضات نازل ہوتے ہیں ان کو ترسا بچہ کہتے ہیں ، نیز تجلی باری تعالیٰ کی حالت کا نتیجہ جو روشن اور واضح حقیقت ہے۔

مردِ روحانی جس کا عالمِ روحی سے دل ، عقل اور نفس میں لطف کا اثر پیدا ہوگیا ہو۔

شیخ مکمل جو خود کامل ہو اور دوسروں کو بھی کامل بناتا ہو ، واردات غیبی جو سالک کے قلب پر وارد ہوں ، حقیقت وحدت ذاتیہ حقائق معانی دقیقہ۔

ترسازادہ : حقائق اور معانی کو کہتے ہیں اور حالات غیبی جو سالک کے دل پر وارد ہوتے ہیں ان کو بھی کہتے ہیں ، اور وہ مرشد کامل جسے صفت ترسائی حاصل ہے ۔

ترسائی : تجرید و تفرید سے باطن کو آراستہ اور علائق دنیوی و عوائق طبیعی و قیود تقلید و رسوم و عادات سے آزادی حاصل کرے اسے تصوف میں ترسائی کہتے ہیں۔

بعض لوگ دقایق کے ادراک کو بھی کہتے ہیں عموماً مسلک عیسوی پر چلنے والا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بمقابلہ تشبیہ کے تنزیہہ کا غلبہ تھا جو اس مسلکِ عیسوی پر تجرید و تفریط سے اپنے باطن کو آراستہ کرتا ہے ۔

ترقی : سالک کا عروج کرنا ایک مقام سے دوسرے حال و مقام پر خواہ وہ بحیثیت احوال ہو یا بحیثیت مقام ہو یا بحیثیت معارف ہو نیز ایک حال سے دوسرے حال ایک مقام سے دوسرے مقام اور عارف سے معارف کی جانب منتقل ہونا سالک کا فرض ہے کہ ہر دم آگے بڑھے قیام نہ کرے۔ سالک اسی کو کہتے ہیں جو ساعت بساعت ترقی کرتا رہے۔ جو سالک کسی مقام پر رک جاتا ہے اپنی حالت میں جمود پاتا ہے اسے واقف کہتے ہیں۔ جب دیر تک کسی مقام پر اڑا رہے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ پیچھے ہٹنے لگتا ہے اس وقت اسے راجع کہتے ہیں۔ اس

رجعت کا معقول انتظام نہ ہو تو حالت مبتدل بہ مایوسی ہو جاتی ہے۔

ترک کردن: کہتے ہیں سالک کا ہر چیز کو قطع کرنا اور ہمیشہ ترک خلق و وصول حق کی طرف مشغول رہنا اور نفس امارہ کو ترک کرنا۔

ترکتاز: بعض سالک پر باوجود ریاضت اور مجاہدہ کے مقام نہیں کھلتا، اس وقت حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے سالک کے دل پر ایسا جذبہ طاری ہوتا ہے جو اسے مطلوبِ حقیقی تک پہنچا دیتا ہے۔ اس جذبہ الٰہی کو ترکتاز کہتے ہیں۔

ترہات: دبدبہ اور کرامات کا ظاہر کرنا تراہات ہے اور کاملوں کے جذبی اقوال اور شطحیات کو بھی تراہات کہتے ہیں۔

تزکیہ: نفس کو صفاتِ ذمیمہ سے پاک کرنا یہ بلا ریاضت کے نہیں ہوتا۔

تسبیح: اس سے مرتبہ تقید مراد لیتے ہیں۔

تسکین: اس خنکی قلب کا نام ہے جو شدت اضطراب کے بعد سالک پر منجانب اللہ وارد ہوتی ہے اور سرور بخشتی ہے۔

تسلی: بتائید ایزدی انوار کی تجلی کا محکم ہونا۔

تسلیم: اپنے نفس کو اطاعت حق کے لئے مستعد کرنا اور اطاعت حق میں سرخم کرنا اور ہمہ تن اپنے کو فنا کر کے معشوقِ حقیقی میں مستغرق بلکہ خود عین معشوق ہو کر آپ بے خبر رہنا اور یہی اولیاء کرام کے نزدیک اعلیٰ مقام تسلیم ہے۔

تسویہ: تسویہ سے مراد ہے روح کے قبول کرنے کی صلاحیت کا پیدا ہونا پہلے تسویہ بدن ہوتا ہے پھر نفخ روح (ترجمہ: پس جب تسویہ کرلوں میں اس کا (یعنی جسم آدم علیہ السلام کا) اور پھونک دوں بیچ اس کے اپنی روح) (سورۃ الحجر آیت ۱۵؛ سورہ ص آیت ۷۲)۔
روح پھونکنے سے مراد اپنی ذات و صفات کا پرتو آدم پر ڈالا۔

تشبیہ: ذات کے مراتبِ ظہور کو تشبیہات کہتے ہیں وہ پانچ ہیں، یعنی پانچوں تعین جن کا بیان ''تعین'' میں تفصیلاً لکھا ہے اور بعض تعینات اور تنزلات خارجی یعنی عالمِ ارواح عالمِ مثال، عالم اجسام کو مراتب تشبیہ کہتے ہیں۔

تشبیہ و تنزیہ: تشبیہ سے مراد اشیاء ظاہری میں ظہور ذات اور تنزیہ سے مراد ذات حق تعالیٰ کا صفات نقص یا صفات ممکنات سے پاک و منزہ ہونا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنی امت کو تعلیم بحکم غلبہء اسم ظاہر بیشتر بجہت انفعال جسمانی تھی اور مائل تھی بجانب تشبیہ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اپنی امت کو بحکم غلبۂ اسم باطن تقدیس و تطہیر دل و سیر کمالات معنوی و خلوت و انقطاع عن ماسوئی کی جہت سے مائل بجانب تنزیہ تھی۔ جس نے تنزیہ کیا اور وہیں ٹھہر گیا اس نے بے ادبی کی اور خدا کو محدود ٹھہرایا۔ اس نے ذات حق کے آثار کو مظاہر میں ظہور کی حیثیت سے نہ پہچانا۔ ایسے شخص کو صرف آدھی معرفت حاصل ہوئی۔ صحیح راہ درمیان تشبیہ و تنزیہ کے ہیں یہ جامعیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رونما ہوئی۔ آپ ﷺ جامعیت الٰہی کے مظہر ہیں اور آپ ﷺ کی مبارک تعلیم میں روحانیت و جسمانیات اور مشاہدہ انوار تجلیات الٰہی شامل ہیں۔

آپ ﷺ کی پیروی کرنے والے بحر انوار تجلیات جمالی و جلالی میں مستغرق ہیں اور تنزیہ میں تشبیہ اور عین تشبیہ میں تنزیہ مشاہدہ کرتے ہیں۔

تصرف: تصرف فی الخلق یہ طالبان حق کے لیے مفید ہے ان کی بدولت مریدین کے قلوب افعال و حرکات و اخلاق کی اصطلاح ہوتی رہتی ہے۔ قلب کی ماہیت بتدریج واقع ہوتی ہے۔ اس کا فوری اظہار عوام پر نہیں ہوتا۔

تصرفات: اولیا اللہ صفات الٰہیہ کی قوت سے خلق میں تصرفات کرتے ہیں۔ قوی اور دقیق تصرفات وہ ہوتے ہیں جو قلوبِ طالبین میں ان سے سرزد ہوں۔ ان تصرفات کے ذریعہ وہ ناقصوں کو کامل بناتے ہیں گمراہوں کو راہ راست پر لاتے ہیں۔ وہ حقیقتاً مظہر تصرفات نبی ہوتا ہے۔ عطائے ظاہر و باطن کا اتفاق ہے ظہور کرامات و خوارقِ عادات شرط ولایت نہیں۔ ان امور کی قدرت ہونا بھی شرط ولایت نہیں۔

تصفیہ: دل کا ماسوائے اللہ اور اپنی خودی سے پاک کرنا اور دل میں غیر اللہ کو جگہ نہ دینا اسی کو تطہیر قلب بھی کہتے ہیں۔

تصور شیخ: صحیحین کی روایت ہے حضرت ابن مسعودؓ سے کہ کہا گویا میں

دیکھتا ہوں طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ حکایت فرماتے ہیں ''حال ایک نبی کا من جملہ انبیاء کے کہ مارا اُن کو ان کی قوم نے ۔ پس لہو لہان کیا ان کو در آنحالیکہ پونچھتے جاتے تھے خون اپنے منہ اور فرماتے تھے کہ یا اللہ بخش دے تو میری قوم کو کیوں کہ یہ لوگ جانتے نہیں ہیں''۔

اس روایت کا یہ جز (یعنی گویا کہ میں دیکھتا ہوں طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُس حالت کی جانب اشارہ ہے جو حقیقت ہے تصور شیخ یہ حالت کبھی خود بخود طاری ہو جاتی ہے کبھی بہ تکلف پیدا کی جاتی ہے ۔ تصور بھی محبت کی ایک شاخ ہے ۔ جس سے محبت ہوتی ہے اس کا تصور خود بخود بندھ جاتا ہے۔ جس سے محبت جائز ہے اس کا تصور بھی جائز ہے جو محبت مستحسن بلکہ ضروری ہے جب اس میں کمی ہوتی ہے تو وہ بہ تکلف بڑھائی جاتی ہے وحدت خیال کے حصول کے لئے بھی تصور شیخ کا طریقہ مفید ہے ۔

تصوف : صوف پہننا ۔ اصطلاح میں کہتے ہیں واقف ہونا ۔

آداب شرعیہ سے ظاہر و باطن میں اول تصوف کا علم ہے اور اوسط عمل اور آخر موہبت من اللہ ۔ تصوف احسان کو عملی صورت میں لانے کا نام ۔ احسان وہ مقام جس میں بندہ خدا کے اسماء وصفات کے آثار کو دیکھتا ہے ۔ متصف ہونا اخلاقِ الٰہیہ کے ساتھ ، حضرت خواجہ جنیدؒ فرماتے ہیں التصوف تصحیح الخیال یعنی پاک کرنا اپنے قلب کو کدورات و خیالات غیر اللہ سے ..... تصوف وہ علم ہے جس میں بذریعۂ ہدایت نور نبوۃ و تعلیم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات اور اسرارِ علمِ لدنی اور وصول الی اللہ کے طریقے اور جملہ لوازمات سلوک ، طریقت کے اصول ، رموزِ معرفت وحقیقت بیان کئے جاتے ہیں ۔

غرض اور غایت اس علم کی انسانِ کامل بننا اور متخلق باخلاق اور متصف باوصاف اللہ ہونا ، واضح رہے کہ قرآن پاک ، حدیث شریف صحابہء کرام تابعین ، تبع تابعین کے کلام میں صراحۃً اور اشارۃً اس حقیقی علم یعنی تصوف کے اصول و رموز بکثرت موجود ہیں اور خیرالقرون میں اسکی تعلیم و تلقین بہت کثرت سے تھی۔ مگر اس وقت تک تصوف اور صوفی لقب مشتہر نہ تھا۔ جیسے صحابہ کرام میں سے بعض اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمِ باطن کی ترویج فرماتے رہتے تھے۔ جیسے اصحابِ صفہ اور بعض صحابہ حضور علیہ السلام کے علمِ ظاہر یعنی شریعت کی تبلیغ فرماتے تھے اور بعض علمِ ظاہر و باطن دونوں کی ترویج و تبلیغ فرماتے تھے جیسے خلفاء راشدین۔ خصوصاً حضرت علیؓ ، حذیفہ بن یمان ، سلمان فارسی ، عبداللہ بن مسعود ، عبداللہ بن عباس ، ابو ہریرہ ، انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اسی طرح زمانۂ تابعین اور تبع تابعین میں ، چونکہ قرن اوّل یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں صحابی کے لقب سے کوئی لقب بڑھا ہوا نہ تھا۔

قرن ثانی میں تابعین اور قرن ثالث میں تبع تابعین کے لقب سے کوئی بڑھ کر لقب شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ اس لئے کسی دوسرے لقب کی ضرورت نہ تھی اور باطنی حالات عموماً قوی اور بہتر تھے اور عملی حالت بہت ترقی پر تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبتۂ عشقیہ عموماً بہت قوی اور کامل تھی اس لیے اس علمِ تصوف کی تدوین کی چنداں حاجت نہ تھی۔ خیرالقرون کے بعد نسبت میں ضعف آیا اور اختلافات بکثرت ہوئے ۔

اس وقت اہلِ سنت و الجماعت کے گروہ میں سے خواص علماء جو باوجود کمال علومِ ظاہری کے باطنی کمال رکھتے تھے اور باطنی طریقہ سے ہمہ تن امت محمدیہ ﷺ کی اصلاح اور خدمت کرتے تھے لقب صوفی سے ملقب ہوئے ۔

ان حضرات نے علمِ تصوف کی تدوین فرمائی اور کتابیں لکھیں سب سے پہلے سیّد ابو ہاشم محمد بن احمد رحمۃ اللہ علیہ کا نام صوفی ہوا۔ ان کا وصال ۱۰۱ھ میں ہوا ہے ، اور تصوف کی سب سے عمدہ اور جامع کتاب شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی نے تحریر فرمائی ہے اور یہ دونوں حضرات و نیز حضرت بایزید بسطامی و سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی حضرت امام غزالی حضرت شبلی حضرت غوث پاک حضرت خواجہ شہاب الدین نقشبند و حضرت خواجہ بہاؤ الدین سہروردی و حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہم اجمعین اس علمِ باطن کے امام اور مجتہد وقت تھے۔ ان حضرات کی توجہ سے امت محمدیہ ﷺ کی اصلاح ہوئی اور ان حضرات کے طفیل امتِ محمدیہ ﷺ پر خدائے تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے بڑے انعامات ہوئے ہیں اور ان

حضرات نے وصول الی اللہ کے طریقوں میں سالکوں کی سہولت کے واسطے نورِ نبوت سے استفادہ کر کے مفید باتیں بیان کی ہیں۔

تطہیر ذات: اس سے مراد ہے اپنی ذات کو ظاہری اور باطنی نجاستوں کی آلودگی اور خودی سے پاک رکھنا اور ذات حق میں فانی ہو جانا۔

تظلم: اللہ تعالیٰ کی جناب میں نفسِ امارہ اور شیطان کے شر سے پناہ مانگنے کو تظلم کہتے ہیں، اس طرح پر کہ اس میں اپنی ذات کے موجود ہونے کا شائبہ بھی نہ رہے اور ذات حق میں فانی ہو جائے، دفع شرِ شیطان اور نفس امارہ سے خود قاصر ہو کر حضرت حق سے مدد چاہنا۔

تعبیر: رویائے صادقہ گویا زبان ہے جس میں حق تعالیٰ اپنے بندے سے کلام فرماتا ہے۔ تعبیر بتانے والے کے اوصاف ضروری ہیں۔ ا۔ دانا ہو، قرآن مجید کا عالم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ناظر ہو۔ ۲. زبان اور اشتقاقِ لفظی سے واقف ہو۔ ۳. قیافہ شناس اور مردم شناس ہو۔ ۴. اصول تعبیر میں ماہر ہو۔ ۵. عفیف النفس پرہیز گار اور صادق القول ہو۔

تعداد امثال: اپنی صورت کو ایک وقت میں متعدد جگہ ظاہر کرنا یہ اولیاء اللہ کی خرق عادات ہیں جیسے حضرت سید علی ہمدانی نے کشمیر میں ایک روز ایک وقت میں چالیس جگہ دعوت کھائی اور چالیس غزلیں تصنیف کیں نیز حضرت شاہ علی انور قلندر قدس سرہ کا ایک واقعہ ہے کہ حکیم عبدالرحیم خاں صاحب مرحوم جو آپ کے خاص مریدین میں سے تھے وہ ایک روز آپ کو وضو کرا رہے تھے اثناء وضو میں آپ نے فرمایا کہ حکیم جی وہ دیکھو ہمارے پلنگ پر کون ہے۔ حکیم صاحب نے جا کر چادر الٹ کر دیکھا تو حضرت ہی آرام فرما رہے تھے۔ پھر اِدھر دیکھا تو آپ بدستور وضو کر رہے تھے۔ ہنس کر فرمایا کہ اولیاء اللہ میں سب قدرت ہے۔ اس کا اظہار اس لئے فرمایا تھا کہ حکیم صاحب کی سمجھ میں تعداد امثال کا مسئلہ بوجہ حجابات عقلی کے نہیں آتا تھا۔

اسی طرح اور بھی بزرگان دین مثلاً حضرت غوث الاعظم دستگیرؒ اور حضرت قطب الدین بینا دل وحضرت سید عبدالرزاق ہانسویؒ وغیرہ کے قصص ہیں جو ناظرین ملافیظ (جمع ہے ملفوظ کی) پر مخفی نہیں۔

تعلیم: کہتے ہیں مرشد کا مرید کو اذکار و افکار وغیرہ سکھانا یہ طریقت کی تعلیم ہے اور جو تعلیم حقیقت کی ہوتی ہے وہ اس کے علاوہ ہے، یعنی کل اسماء کا علم آدم کو حق تعالیٰ نے دیا اور حضرت خضر علیہ السلام کو علم لدنی عطا فرمایا، ولی کامل کا طالب حق کو عرفان اور حقیقت سے آگاہ کرنا تعلیم ہے۔

تعین: احق تعالیٰ کا اپنی ذات کو پانا۔ ذات کے مرتبۂ ظہور کو تعین کہتے ہیں وہ پانچ ہیں۔

(ا) تعینِ اوّل مرتبہ وحدت حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مرتبہ میں ذات نے اپنے کو انا سے تعبیر فرمایا ہے یہ ذات کا علم اجمالی ہے۔

(۲) تعین ثانی، اس میں ذات نے اپنی صفات کا تفصیلی علم ظاہر فرمایا ہے۔ اس کو مرتبہء واحدیت جہاں ذات نے ذات میں صفات ذات کو پایا اور حقیقت آدم اور نفس رحمان کہتے ہیں، یہ دونوں تعین داخلی کہلاتے ہیں۔

(۳) تعین ثالث یعنی عالمِ ارواح۔

(۴) تعین رابع یعنی عالمِ مثال۔

(۵) تعین خامس یعنی عالمِ اجسام۔ یہ تینوں تعین خارجی کہلاتے ہیں کیونکہ ان میں ذات کے اسماء اور افعال اور صفات کا ظہور ہوا ہے، اپنی ذات کی یافت کو اور یہ کئی جگہ پر مستعمل ہوتا ہے پہلا تعین اجمالی جس کو وحدت کہتے ہیں یعنی حق کا ایک وجود میں آنا اور 'انا' کہنا اور دوسرا تعین تفصیلی جس کو واحدیت کہتے ہیں یعنی ذات کو اپنی ذات میں صفات کو بالتفصیل پانا۔ یہ دونوں تعین داخلی ہیں اور باقی تعینات یعنی ارواح اور امثال اور اجسام وغیرہ کہ جو معتبر بمظاہر کونیہ میں تعینات خارجی ہیں۔

تعینات کی دو اقسام ہیں۔ داخلی اور خارجی۔ تعینات داخلی: اجمالی:۔ تعین اول وحدت جہاں حق تعالیٰ نے اپنے وجود کو پایا اور انا فرمایا۔ تفصیلی: واحدیت جہاں ذات نے ذات میں صفات ذات کو پایا۔

تعینات خارجی:۔ بقیہ تعینات جو کہ ظہور ہیں اسما و صفات و افعال کے مثلاً ارواح و امثال و اجسام وغیرہ۔

تفرقہ: قلب کو شک میں ڈالنا اور حق سے دوری ہو جانا، ذات اور صفات

حق سبحانہ میں فرق کرنا، یعنی ذات کو ذات دیکھنا اور خلق کو خلق دیکھنا۔
تفرید : اپنی انانیت اور خودی کو مٹانا۔
غیر حق کو اپنی نظر سے دور کرنا اور حق کو خود میں دیکھنا۔
اپنے دل کو ماسوائے اللہ سے خالی کرنا۔
تفکر : کے معنی لغت میں فکر کرنے کے ہیں۔ یہ بمنزلہ چراغ کے ہے جس سے خیر و شر و منافع و مضرات معلوم ہوتے ہیں اور جس دل میں تفکر نہیں وہ تاریکیوں میں پھنسا ہوا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ایک گھڑی کا تفکر بہتر ہے دونوں جہاں کی عبادت سے۔ علم باطن کا طریقہ مراقبہ اور تفکر ہے۔ تفکر یہ ہے کہ نفس ان علوم کو جو مخفی ہیں تلاش کرے۔
تفصیل : ذات کے تعین ثانی یعنی مرتبۂ واحدیت کو تفصیل کہتے ہیں کیونکہ اس مرتبہ میں ذات کی تمامی صفات کا ظہور ہوتا ہے، مرتبہ تفصیل مرتبہ واحدیت اور مرتبہ الوہیت اور مرتبہ ربوبیت اور تفصیل صفات کو کہتے ہیں اس لئے کہ اس مرتبہ میں تمامی صفات اور اسماء اور افعال اور مظاہر ان کے ذات سے جدا اعتبار کئے جاتے ہیں یعنی باوجود عینیت علیحدہ علیحدہ ہو کر ظہور میں آتے ہیں اور اُن اشیاء کی عینیت ذات سے کبھی زائل نہیں ہوتی ہے نہ مرتب داخلی میں نہ خارجی میں اور نہ باطن میں اور نہ ظاہر میں یعنی ہر وقت عینیت بحال خود ہے۔
تفویض : مبتدی ہر کام کو خدا کے حوالے کرنا اور ہمہ تن اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دینا، منتہی کی تفویض جب اس امر پر اطلاع پائے کہ مخلوقات میں قلم کسی پر چل گیا تو پریشان نہ ہو سب کچھ خدا پر چھوڑ دے۔
تقدیر: حقائق اشیاء کا معہ استعدادات کے علم حق میں ثابت اور مقرر ہونا۔
تقلید: یعنی متابعت اس شخص کی جو اپنے سے بہتر ہو قولاً فعلاً یا اعتقاداً۔
تقویٰ : ہر اس چیز سے نفرت اور بیزاری جو دل میں متعین ہو یا وصول الی اللہ میں مانع ہو۔ اختلاف حالات کے اعتبار سے کیفیات تقویٰ میں تفاوت ہوتا ہے۔
چنانچہ عوام کا تقویٰ کفر اور شرک سے بچنا ہے۔
متقی کا تقویٰ معاصی اور منہیات شرعیہ سے پرہیز اور اجتناب ہے۔
خواص کا تقویٰ عبادات و ریاضات میں وساوس کا قطع و قمع کرنا۔
اخص الخواص کا تقویٰ ہر دم اور ہر لحظہ ترک ماسویٰ اللہ سے متصف رہنا خطرہ دنیا کسی حال اور کسی وقت اپنے قلب میں نہ آنے دینا۔
تقویم : استقامت کا پہلا درجہ۔ اس کا تعلق تادیب نفس سے ہے۔
تکبر : جب سالک کو اعمال سے بے نیازی حاصل ہو جائے۔ اعمال سے بے اعتنائی برتنا اُسے اصطلاحی تکبر کہتے ہیں یہ تکبر صفت ذمیمہ والا تکبر نہیں ہے۔
تکوین : کہتے ہیں شئے کا مادہ کے ساتھ پیدا کرنا۔
تلخ : جو بات سالک کی طبیعت کے مناسب نہ ہو اُسے تلخ کہتے ہیں.
تلقی : جو واردات کہ قلبِ سالک پر وارد ہوں اُن پر مستقیم رہنا۔
تلقین : مرشد کامل کا طالب کی خودی کو مٹا دینا اور اس کو اپنی ہستی سے نکال کر ہستی حق میں ڈال دینا تلقین ہے۔
تلوین و تمکین: مطلوبِ حقیقی کی طلب میں سالک کا ایک حال سے دوسرے حال میں متبدل ہوتے رہنا اور ایک صفت سے دوسری صفت میں منتقل ہوتے رہنا، تلوین ہے۔
اور جب سلوک پورا کر کے سالک مطلوبِ حقیقی سے واصل ہوگیا۔ وہ تمکین اور ثبات ہے، یہ بات صاف ظاہر ہے کہ تلوین سے تمکین اعلیٰ مقام ہے۔ لیکن تلوین کے دوسرے معنی ہیں جو حضرت شیخ اکبر نے بیان کئے ہیں کہ سالک پر وحدۃ الوجود طاری ہوجائے اور "کل یوم ہو فی شان" کی حقیقت کھل جائے اور ہر ذرہ میں اُسے آشکارا دیکھے اور یہ کثرت اُس کیلئے حاجب اور پردہ نہ رہے یہ تلوین تمکین سے اعلیٰ مقام ہے۔
تمکین مقام رسوخ و استقرار ہے جس میں سالک صاحبِ مقام ہوتا ہے مغلوب الحال نہیں ہونے پاتا۔ زنان مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مدہوشی میں اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ وہ مقام تلوین میں تھیں۔ زلیخا نہ بے ہوش ہوئی نہ اپنی انگلیاں کاٹیں نہ زبان سے کلمہ نکلا حالانکہ اس کا عشق ترقی پر تھا وہ مقام تمکین میں تھی۔ مقام تمکین میں سالک انبیاء علیہ السلام کے کمالات معنوی سے فیض یاب

ہوتا ہے لیکن مقام تلوین میں وہ ان کمالات سے محروم رہتا ہے۔

تمثل : شئے کا ظہور باوجود اپنی اصلی جگہ کے موجودگی کی دوسری صورتوں میں جیسے کہ حضرت جبرئیلؑ کا تمثل حضرت وحیہ کلبیؓ کی صورت میں۔ تمثل کے معنی صورت اختیار کرنے کے ہیں۔ تمثل عام ہے۔ بروز زوال تمثل میں کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ اسی قیاس پر حق کا تمثل مقام کعبہ میں حضرت آدمؑ کے لئے اور طور پر حضرت موسیٰؑ کے لیے اور صندوق سکینہ میں بنی اسرائیل کے لئے ہے اور بصورت مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اور روز قیامت عرش پر عوام مومنین کے لئے ہے۔

تناسخ : روح کا منتقل ہونا بدن عنصری سے دوسرے بدن عنصری میں اور یہ علاوہ ہے بروز کے، اس کو جنم کہتے ہیں۔

ایک گروہ اس امر کا قائل ہوا ہے کہ روح انسانی قایم اپنی ذات میں نہیں زوال اور عدم بھی اس کے لیے نہیں۔ وہ ایک بدن سے دوسری بدن میں منتقل ہوا کرتی ہے۔ یہ اس لیے کفر اور خلاف توحید ہے کہ اس کا دارمدار غیریت پر ہے۔ یعنی قایل تناسخ نے مثلاً زید اور عمر اور بکر اور ایک گائے اور ایک کتے کی بابت یہ دعویٰ کیا کہ زید مر کر عمرو ہوا اور عمرو بکر اور بکر مر کر گائے اور گائے مر کر کتا ہو گئی۔

اس میں کئی نقص ہیں۔ اول تو اس نے ان سب کو غیر ہستی مانا جو ایک جسم سے دوسرے جسم میں یکے بعد دیگرے تناسخ سے آتی گئی۔ دوسرے یہ کہ بکر مر کر گائے کہاں ہوا کیونکہ وہ تو دراصل عمرو تھا بلکہ زید اور زید بھی اس سے پہلے جو کچھ ہوا اور اس سے پہلے جو کچھ ہوا لہٰذا اسی طرح یہ سلسلہ چلا جائے گا یہاں تک کہ حقیقت پر جا کر ٹھہرے گا کیونکہ سب سے پہلے جو چیز تھی وہ اصل قرار پائے گی۔ لہٰذا یہ ہی کیوں نہیں کہتے کہ تمام مخلوقات میں ایک ہی وجود ظاہر ہوا اور ہے اور ہوتا چلا جائے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسی شخص کی حالتوں میں تغیرات واقع ہوتے جائے ہیں۔

تندرستی : سالک کے دل کا مطمئن ہونا۔

تندی : صفتِ قہاری کو کہتے ہیں، اور بعض فرماتے ہیں بے نیازی باری تعالےٰ بمصداق واللہ غنیٌ' عن العالمین۔

تنزل : ذاتِ حق تعالیٰ کا تعینات میں ظاہر ہونا تنزل ہے۔ تنزلات ستہ تصوف کا مشہور مسئلہ ہے اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ صوفیائے کرام نے ذات کے چھ مراتب قرار دیئے ہیں۔

(۱) مرتبہ احدیت اس کو لاتعین، ذات بحت کہتے ہیں۔

(۲) مرتبۂ وحدت علمِ مجمل، علمِ ذاتی حقیقتِ محمدیہ ﷺ اس کو تعینِ اوّل کہتے ہیں اسی مرتبہ میں ذات نے اپنے آپ کو انا سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۳) مرتبۂ واحدیت علمِ تفصیلی، نفس رحمان، حقیقت ادم ہے اس کو تعین ثانی کہتے ہیں اس مرتبہ میں ذات کو علم تفصیلی اپنی صفات و اسماء کا ہے ان تینوں مراتب کو مراتب باطنی اور داخلی کہتے ہیں۔

(۴) مرتبۂ عالمِ ارواح یہ عالمِ بحرِ ناپیدا کنار ہے، ایک طرف ذات بیچوں سے بکیفیت بیچونی متصل ہے دوسری طرف عالمِ اجسام سے متصل ہے، روح مقیم اسی کو کہتے ہیں۔ روح الروح روح اعظم اسی کا نام ہے۔ یہ ایک عالمِ بسیط اور الطف ہے، بے کیف ہے، شش جہات سے بری ہے، قرب اور بُعد سے پاک ہے، افراد عالم میں ہر کسی کی استعداد کے موافق اس میں متصرف ہے۔ جماد میں روح جمادی، نباتات میں روحِ نباتی حیوان میں روحِ حیوانی، انسان میں روحِ انسانی اسی کا نام ہے، جب کسی جسم کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا ہے ظاہر و باطن میں اس کے متصرف ہوتی ہے اسی کا نام حیات ہے اور جب اس کا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے، تصرف ظاہر و باطن سے اٹھ جاتا ہے وہ موت ہے، اور حالت نوم میں اس کا تصرف ظاہری بند ہو جاتا ہے اور باطنی قائم رہتا ہے اسی لئے نوم کو موت کی بہن کہا جاتا ہے۔ نوم مشابہ موت کہ ہے حدیث (النوم اخ الموت)۔

(۵) عالم مثال اس کو عالم برزخ اور روح جاری بھی کہتے ہیں یہ ایک لطیف جسم ہے قابل طیر و سیر و خواب اور مشاہدہ میں نظر آتا ہے اسے ہاتھ سے چھو نہیں سکتے۔ آنکھ سے دیکھا نہیں جاتا، اس کی صورتوں کے مطابق عالم اجسام کا ظہور ہے۔

(۶) عالمِ اجسام عالمِ شہادت اسی کو کہتے ہیں۔ یہ قابل لمس ہے۔ اسے ظاہری آنکھ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ عالم ذات کا انتہاء ظہور ہے۔

یہ تینوں عالم یعنی عالمِ ارواح عالمِ مثال عالمِ اجسام ذات کے مراتب خارجی کہلاتے ہیں واضح رہے کہ ذات کے یہ چھ مراتب ہیں ان کے تنزلات ستہ کہتے ہیں اور یہ سب عین ذات ہیں۔ غیریت محض اعتباری ہے اور وہ ذات مطلق باوجود ان تعینات اور تنزلات کے ویسی ہی ہے بے چون و بے چگون ہے اس معمہ کا کھل جانا توحیدِ ذوقی ہے۔

تنزیہ/تنزیہہ: اس کے کئی معنی ہیں ایک یہ کہ ذات حق تعالیٰ کو جملہ عیوب اور نقائص امکانیہ سے پاک جاننا، دوسرے یہ کہ ان تعینات سے بالا درجہ (جس کو احدیت اور ذاتِ بحت اور وجود مطلق کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں) مرتبۂ تنزیہ کہلاتا ہے، کیونکہ ذات اس مرتبہ میں ہر اسم ہر صفت سے مبرا و منزہ ہے اور بعض مرتبۂ وحدت اور مرتبۂ واحدیت کو بھی مرتبۂ تنزیہ کہتے ہیں۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ باوجود مختلف شانوں میں ظاہر ہونے کے اور اپنی صفات و اسماء میں آشکارا ہونے کے بھی ویسی ہی منزہ ہے چنانچہ اسی کی طرف اشارہ ہے الان کما کان کیونکہ ذات کے سوا کوئی دوسری ہستی نہیں ہے۔

''بخدا غیر خدا در دوجہاں چیزے نیست''۔

ور صفات عین ذات ہیں لہٰذا وہ ذات باوجود اس کثرت اور مراتب ظہور اور تعینات کے اپنی بساطت اور صرافت اور احدیت پر ہے ان معنی کو عالم کثرت میں ملاحظہ کرنا اور کُل عالم کو ایک دیکھنا ایک سمجھنا تنزیہ ہے۔

تواجد: کہتے ہیں وجد کی استدعا کرنا اور حالت وجد کا اظہار کرنا بغیر وجد کے یہ مذموم ہے (وجد اختیاری نہیں یہ عطائی ہے)۔

تواری: احاطت اور استیلاء الٰہی (یعنی غلبہ) کو کہتے ہیں (ترجمہ: بیشک اللہ سب چیز پر قادر ہے)۔

تواضع: صفت فاعلی و مختاری۔ جناب الٰہی میں بندے کا پست ہوجانا۔

توانائی: فاعل مختار ہونے کی صفت کو کہتے ہیں۔

توانگری/تونگری: جمیع کمالات کا حاصل ہونا اور ہر صفت کمال کے اظہار کی قدرت رکھنا۔

توبہ: نقص سے کمال کی جانب بازگشت، توبہ کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) ممنوعات شرعیہ یعنی صغیرہ و کبیرہ گناہ سے توبہ کرنا اور پچھلے گناہوں پر ندامت۔

(۲) گناہ طریقت سے باز رہنا: جیسے حسد، بغض، کبر، کینہ، بخل، عجب، ریا، حُبِ مال، حُبِ جاہ، غصہ اور حرص طعام، حرص سخن جیسے مہلکات سے اجتناب کرنا۔

(۳) گناہِ حقیقت سے پرہیز کرنا کہ وہ اپنی خودی ہے، اس کو مٹا دینا نیز اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع ہونا۔ ندامت جو خوف سے پیدا ہو، سیر رجوعی کا پہلا مقام صوفیہ اسے باب الابواب بھی کہتے ہیں۔ تمام دروازے اس دروازہ ہی کے کھلنے کے بعد کھلتے ہیں۔

توبہ کے لوازمات یہ ہیں۔ (۱) دل میں ندامت اور گناہ سے طبعی نفرت (۲) عزم مصمم جو توبہ کے ساتھ کی جائے۔ عزم کی اس پختگی کو توبۃ النصوح کہتے ہیں (سورۃ التحریم آیت ۸۰) (۳) گناہوں کے نقصانات کی تلافی کے لیے کچھ زائد عبادت یہ تائب کو حاصل ہوتی ہے۔ انابت اس توبہ کو کہتے ہیں جس میں ایسی ندامت ہو جو رغبت پیدا کرے۔ انابت کرنے والے کو منیب کہتے ہیں۔ اوبہ وہ توبہ ہے جس میں ایسی ندامت ہو جو عظمت پیدا کرے اور اوبہ کرنے والے کو اوّاب کہتے ہیں۔

گناہِ کبیرہ سے طاعت کی جانب رجوع کرنا توبہ ہے۔

گناہ صغیرہ سے محبت کی جانب رجوع انابت ہے۔

نفس کو خدا کی جانب رجوع کرنا اوبہ ہے۔ توبۂ النصوح اپنے ارادہ سے توبہ پر واثق رہنے کو کہتے ہیں۔

توجہ: اس کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ اپنی قلبی طاقت دوسروں کے دلوں پر ڈالنی اور ان کو اپنے اختیار میں لانا اور دوسرے یہ کہ اپنے وجود کو نابود کرنا یعنی اپنی خودی مٹانا اور فقط ذاتِ حق تعالیٰ کو موجود اور ہست جاننا۔

توحید: اس کے تین مراتب ہیں۔

(۱) توحیدِ عامہ یعنی توحید شرعی۔

(۲) توحید خاص۔

(۳) توحیدِ اخص الخاص، ان دونوں کو توحیدِ ذوقی کہتے ہیں۔ توحیدِ عامہ یہ ہے کہ کلمۂ طیبہ پر ایمان لائے یعنی زبان سے کہے اور دل

سے اعتقاد رکھے کہ خدائے تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ تک رہنے والی ذات لائقِ پرستش ایک ہی ہے اس کا کوئی شریک نہیں ذات میں نہ صفاتِ مختصہ میں۔ وہ تمام صفاتِ کاملہ کا جامع ، ہر عیب ونقص سے پاک ومنزہ ہے ، نہ اس میں کوئی عیب تھا نہ ہے نہ ہوسکتا ہے اور نہ ہوگا ، تمام عالم اس کی مخلوق ہے جو اس کے پیدا کرنے سے پہلے موجود نہ تھا ، اس نے اپنی کمالِ قدرت اور حکمت سے پیدا کیا ہے مخلوق میں سے کوئی جز اس کی ذات یا لوازم سے نہیں ہے وہ ہر طرح بے چوں و بے چگون ہے یکتا ہے ۔ نہ اس کا کوئی مقابل ہے نہ مماثل ہے ۔

اور یہ اعتقاد رکھے کہ کل انبیاء اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کل کتبِ سماوی حق ہیں ۔ ہر خیر وشر اسی کی طرف سے ہے ۔ ہر حکمِ شرعی اُس کا واجب الاطاعت ہے ۔ اس توحیدِ عامہ کے تمام افراد انسان مکلف ہیں ۔ سب پر اس کا ماننا فرض ہے ۔ لیکن اس توحیدِ شرعی کے اعتقاد میں یہ ضروری نہیں ہے کہ موحد پر یہ معنیٰ بھی کھل جائیں کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کیا ہے اور اس کے ایک ہونے کا کیا مطلب ہے مگر انسان جب اس توحیدِ شرعی پر قائم ہو جاتا ہے ، اور شریعت کی پیروی خلوص ومحبت سے کرتا ہے اور اولیاء اللہ کے فیضان صحبت اور ان کی تعلیم وتلقین سے بہرہ ور ہوتا ہے اور عشق حقیقی میں قدم رکھتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کے معنی اس پر کھلتے ہیں اور انسان توحید شرعی سے آگے بڑھ کر توحید ذوقی یعنی وحدت الوجود کے مزے لیتا ہے ، جس کا بیان کسی عبارت کسی لفظ سے ممکن نہیں ۔

اہلِ سلوک کے سمجھنے کے لیے اس کے اشارات بیان کئے جاتے ہیں سالک پر جب یہ معنیٰ کھل جاتے ہیں اس کو توحیدِ ذوقی کہتے ہیں اس کے دو مرتبے ہیں ۔

ایک توحید خاص دوسرا توحید اخص الخاص ۔ توحیدِ خاص میں توحیدِ عام کے اقرار و اعتقاد کی حقیقت کھل جاتی ہے ، اور تمام افعال کا خالق خداوند تعالیٰ ہی نظر آتا ہے اسی وجہ سے یہ مواخذ ایذا دینے والوں سے انتقام کا قصد تک بھی نہیں کرتا ، ہر امر شرعی میں امتثال اور امر تکوینی میں اس کی رضا واجب جانتا ہے۔ اسی یقین اور تسلیم ورضا کے ذریعہ یہ مضمون حل ہو جاتا ہے ۔ اس توحیدِ خاص میں سالک پر وحدت الوجود کا انکشاف یا اس طرح ہوتا ہے کہ اس ذاتِ واحد وجودِ مطلق کو ہر ذرہ میں عیاں دیکھتا ہے اس کو وحدت فی الکثرت کہتے ہیں یا اس طرح ہوتا ہے کہ اس ذات احد میں جملہ کائنات کا مشاہدہ ہوتا ہے اس کو کثرت فی الوحدت کہتے ہیں۔ گویا توحیدِ خاص کے یہ دو درجے ہیں۔ سالک ان درجوں کو طے کر کے آگے بڑھتا ہے اور توحید اخص الخاص کے مزے لیتا ہے تو حقیقت کی آنکھ سے دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے سوا کوئی دوسرا حقیقی وجود نہیں ہے ۔ سب موجودات اس کا ظل اور سایہ ہیں وہ کسی قید سے مقید نہیں ہوتا مگر پھر بھی باوجود مطلق ہونے کے بحکم "کل یوم ہو فی شان" سب میں جلوہ نما ہے اور سارا عالم اسی مطلق کو قیود سے عبارت ہے اور لاتعین کے تعین کی اشارت تمام عالم اسی ذات اور اسی وجود سے قائم ہے موجودات کو اس ذات سے ایسی ہی نسبت ہے ، جیسے حباب کو دریا سے یا مختلف آئینوں کے عکس کو آفتاب سے اور اس پر ایمان رکھتا ہے کہ نور حق ہر ذرہ میں ساری و طاری ہے اور ذات بایں ہمہ مجرد ہے نہ اس میں عقل کام کرتی ہے نہ فہم نہ وہم۔

ہے پرے حد ادراک سے اپنا سجود قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

اپنی ذات وصفات و اسماء میں کسی چیز سے مشابہ نہیں۔ اس توحید پر ایمان لانے والوں کے دو فعل خاص ہوتے ہیں۔ ایک استقامت دوسرا احسان۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جو اُن کو ستائے یہ ان کے واسطے دعائے خیر کرتے ہیں، سالک اس درجہ میں دونوں قسم کے مزے لیتا ہے کبھی کثرت فی الوحدت کبھی وحدت فی الکثرت کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہی لوگ جامع تشبیہ وتنزیہ ہوتے ہیں۔

توحید مطلب : اپنے شیخ کی جانب یکسوئی تمام چیزوں سے زیادہ عزیز رکھنا۔ میرا شیخ میرے فتح یابی کی کنجی ہے یہ توحید مطلب ہے۔ اخذ فیض کے لیے توحید مطلب کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ اپنے شیخ کی موجودگی میں بلا اس کی اجازت کے کسی دوسرے کی جانب استفادتاً ڈالنا طریقت میں ممنوع ہے ۔

توحید وجودی: جمہور صوفیہ کا مسئلہ توحید وجودی پر اتفاق ہے وحدت وجود اور وحدت شہود سالک کی ابتدائی حالت سے وسط سلوک میں جو حالت طاری ہوتی ہے وہ وحدت شہود ہے اور انتہائی سلوک کی حالت وحدت وجود ہے۔ (توحید کے باب میں مصباح التعرف میں مزید تفصیل دیکھ سکتے ہیں صفحہ ۸۴ ۔ ۸۶)۔

توقان: مراتب طریق کا تیسرا درجہ توقان، وصال محبوب کی آرزدی۔

توکل: سلوک کے پنج گانہ مقام ہیں، صبر، قناعت، رضا، تسلیم، توکل کے دومعنی ہیں ایک یہ کہ اسباب ظاہری کی طرف بالکل متوجہ نہ ہونا بلکہ اسباب ظاہری کو بالکل منقطع کر دینا، اور ہر امر میں صرف ذات کی طرف متوجہ رہنا، یہ توکل خواص اولیاء کرام کا ہے، دوسرے معنی یہ ہیں کہ ظاہری اسباب کو استعمال تو کیا جائے لیکن بھروسہ ذات حق تعالیٰ ہی پر ہو، چنانچہ اس توکل کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول میں اشارہ ہے، برتوکل زانوا شتر بہ بند، اور خواص کے توکل کی مثال اصحاب صفہ ہیں چنانچہ حضرت ابوہریرہ انہی میں سے تھے، آپ کا مشرب تھا کہ ایک پائی پاس رکھنا حرام ہے، اس کے علاوہ اور بہت سے کاملین اس مشرب کے ہوئے ہیں۔

صالحین کا توکل اللہ پر اس خواہش کے ساتھ کہ اللہ ان کے امور کو ان کی مصلحتوں کے مطابق انجام دے۔

محسنین کا توکل معترض نہ ہو اللہ کے چاہے پر خوش ہو۔

صدیقین کا توکل اپنی ذات کے بجائے اللہ کے شہود میں مستغرق اور اس کی ذات میں فنا رہے۔

محققین کا توکل یہ ہے کہ وہ بساط میں جگہ پکڑنے کے بعد بے چین رہتے ہیں، توکل مقدمہ ہے احسان کا۔ احسان کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ خدا کی نظر کو اپنی جانب دیکھے، متوکل خوب سمجھتا ہے کہ بے فائدہ محنت اپنا نفس ہلاک کرنا حماقت ہے۔

توکل کے لیے یہ شرط ضروری ہے کہ غلام اس امر پر خوش ہو کہ جو اس کا آقا اس کے لیے پسند فرماتا ہے یہ عوام کا نہیں مومنین کا کام ہے اس لئے توکل کا حکم بھی مومنوں کے لیے ہے اور اللہ کے اوپر بھروسہ کرو اگر تم ایمان والے ہو (سورۃ المائدہ، ۲۳) اور جو تقویٰ کرے گا اللہ سے پیدا کرے گا واسطے اس کے مشکل سے نکلنے کی راہ اور رزق دے گا اس کو اس جگہ سے کہ گمان تک نہ ہو گا اس کا (الطلاق آیت ۲۔۳) اور جو کوئی توکل کرے اللہ پر پس وہ کافی ہے اس کے لیے۔

تولّی: کہتے ہیں سالک کا باطل کو چھوڑ کر حق کی تولیت میں اپنے کو سپرد کرنا۔

تیر ماہ: مقامِ جمود یعنی انتہائی قبض جو سالک کو پیش آتا ہے۔

تیر مژہ: اس سے مراد نور عزت کی نظارہ سوز شعاعیں ہیں جو عاشق کو معشوق حقیقی کے مقابل ہونے کی جسارت نہیں کرنے دیتی ہیں اور خود اپنی نورانیت ومحبوبیت سے جگر عاشق میں پیوست ہو جاتی ہیں۔

تیغ: اس سے مراد صفت جلالی ہے۔

تیمّم: ظاہر و باطن کی صفائی کو تیمم کہتے ہیں۔

تیم: مراتب محبت کا نواں درجہ کا جس کے مدارج کا پہلا درجہ تفرد یعنی دوست کا ایک ساتھ ہو جانا ہے، تجرید ظاہری اور تفرید باطنی سے موصوف ہونا۔

ث

ثاء: سے اشارہ ہے ثواب دارین کی طرف اور حق کا تعلق ازل سے بہ لطف و احسان اور بجزاء و کرم اس کا شمار مرتبہ ثانیہ میں کیا گیا ہے۔

ثبوت: یہ دوطرح پر ہے ایک یہ کہ شئے بنفسہ خود بخود ثابت ہے بلا منشاء انتزاع کے، جیسے جسم کہ موجود بنفسہ ہے، دوسرے یہ کہ شئے موجود بنفسہ نہیں ہے لیکن منشاء اس کا اس طرح پر ہے کہ وہ شئے اس منشاء سے مفہوم ہوتی ہے جیسے کہ فوقیت ایک شئے کی کہ ثبوت اس کا واقعی ہے اور مدار احکام نفس الامریہ کا جیسے کہ حکم فوقیت مخالف حکم ہے اور بنفسہ موجود نہیں۔ پس ثبوت کثرت عالم کا وحدت وجود میں قسم ثانی سے ہے اور کثرت عالم احکام مختلف کے ساتھ ثابت ہے اور موجود بنفسہ نہیں ہے جیسے کہ دوائر صغیرہ اور کبیرہ مختلف الاحکام کرہ

واحد سے ثابت کرتے ہیں اور وہ موجود بنفسہ نہیں ہیں۔ اگر وجود منشاء کے ساتھ جو کرہ ہے ایسے ہی کثرات عالم وجود حقایق سے منتزع ہوتے اور وہ بنفسہ ثابت نہیں پس ثبوت شئے کا مرتبہ وحدت میں بطریق اجمال اور مرتبہ واحدیت میں بطریق تفصیل ہے اور یہ مرتبہ اجمال او رتفصیل شیوں وجود واحد حق کے ہیں۔

ثقلین : لغت میں دو گروہ عالم جن و عالم انس اور اصطلاح میں کون کو کہتے ہیں یعنی عالم دنیا و عالم عقبیٰ کو اور کبھی ذات کے مرتبہ خارجیہ عالم اجسام ، عالم مثال و عالم ارواح اور مرتبہ داخلیہ احدیت وحدت واحدیت کو ثقلین کہتے ہیں۔

ثقہ : خالق قوی و قدیر پر اعتماد اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور کلام پاک کی تصدیق کے کرنے والے کو ثقہ کہتے ہیں۔ اللہ پر بھروسہ رکھنے والا اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وثوق سے تصدیق کرنے والا۔

ج

جابلسا : عالم برزخ جہاں ارواح بعد مفارقت اجسام عنصری جاتی ہیں۔ یہ برزخ اس عالم مثال سے مختلف ہے جہاں ارواح اس دنیا میں آنے سے قبل ہوتی ہیں۔

جابلقا : وہ عالم مثالی جہاں ارواح دنیا میں آنے سے قبل ہوتی ہیں نیز مثال مقید کو کہتے ہیں۔

جام : باطن عارف اور حقیقت جامعہ اور احوال کو کہتے ہیں۔ نیز ہر مستی پیدا کرنے والی چیز۔

جان/جان عالم : جو مدرک معانی اور معلم علوم ربانی ہے اور ارواح مجردہ کو بھی جان کہتے ہیں اور بالعموم اس سے روح حیوانی مراد ہوتی ہے کیونکہ ہر جاندار کی روح کو جان کہتے ہیں اور یہ علومِ ربانی کو سیکھتی سکھاتی ہے ، جان عالم اور روح عالم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

جان افزا : اس ذکر کو کہتے ہیں جو مطلوب کو مذکور تک پہنچادے۔

جانا/جاناں : اللہ تعالیٰ کی دائم قائم صفت قیومی سے مراد ہے جس سے تمامی موجودات عالم برقرار ہیں کہتے۔ ہیں کہ سبب تمام کائنات کی بقا کا ہے۔

جان فزا : صفت بقائے ابدی کو بھی کہتے ہیں اور عاشق ومعشوق کی طرف بھی اطلاق ہوتا ہے ، وہ صفت باقی مراد ہیں کہ جس سے سالک کو صفت بقا حاصل ہوتی ہے۔

جاہل : اصطلاح میں مرید اور طالب کاذب کو کہتے ہیں ، نیز تصوف میں جاہل وہ ہے جو حق کو اشیاء کے وسیلہ سے جانے۔

جبروت : اسماءِ الٰہی اور صفاتِ الٰہی مرتبہ واحدیت اور حقیقتِ محمدی ﷺ کے عظمت و جلال کو جبروت کہتے ہیں۔

کیوں کہ یہاں پر اعیان بے شمار کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اسی سے عظمت الٰہی قلب سالک میں پیدا ہوتی ہے۔

اور مرتبہ صفات کبھی مرتبۂ وحدت و مرتبۂ شیون کو بھی جبروت کہتے ہیں۔

جد : مطلوب حقیقی کی پوری طلب کو کہتے ہیں ، نیز عالم فراق کے بعد جو ایک امید اور طلب کی حالت پیدا ہوتی ہے اس کو بھی جد کہتے ہیں ، نیز طلب معشوق۔

جذب : اس کشایش بلا کوشش کو کہتے ہیں جو بندہ کو حق کی طرف ہو۔

جذبہ : کشش حق تعالیٰ یعنی حق سبحانہ تعالیٰ کا بندہ کو اپنی طرف کھینچ لینا بغیر اس کی سعی کے۔

جذبہ الٰہیہ کہتے ہیں قرب حق کا عبد سے حسب تقاضائے عنایت کہ جو اس کے لئے ہو اور اس چیز کو کہتے ہیں جس کا طے منازل میں عبد محتاج ہو اور وہ شئے بلا تکلف اور بلا جہد وکلفت کے ملے۔ اسی کو جاذبہ بھی کہتے ہیں۔

جرس : خطاب جلالی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سالک کے دل پر عظمت و جلال کے ساتھ وارد ہوتا ہے نیز صوتِ سرمدی، بانگ جرس،

وہ گھنٹہ کی سی آواز جو سالک کو گوش ظاہری بند کرنے کے باوجود سنائی دیتی ہے اور باطنی سماعت کے ذریعہ سننے میں آتی ہے۔

جرعہ : ایک گھونٹ کو کہتے ہیں اور مقامات اور حالتوں کے بھید جو راہ طلب میں سالک سے پوشیدہ رہتے ہیں ان کو بھی جرعہ کہتے ہیں۔ اس مستی کو بھی کہتے ہیں جو عنایت مرشدی سے سالک میں پیدا ہو اور بتدریج ترقی کرے موافق ظرف و استعداد سالک نیز وہ اسرار جو سالک سے ابھی تک پوشیدہ ہوں۔

جزو/جزء : کثرات اور تعینات کو کہتے ہیں۔ جزء کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے ایک جزء حقیقی دوسرا جزء تحلیلی.

جسد : لغت میں جسم آدم اور جن اور ملائکہ کو کہتے ہیں اور یہ عالم مثال کی وہ صورت ہے جو اصطلاح میں ارواح سے متمثل ہو کر ظاہر ہوتی ہے خواہ وہ جسم ناری ہو یا نوری ہو۔

جسم : ۱.اس مرکب کو کہتے ہیں جو جنس عالی اور عرض واحد سے یا دو عرضوں سے یا چند اعراض سے مرکب ہو نہ یہ کہ دو جوہروں سے مرتب ہو جسے فلاسفہ کہتے ہیں۔۲. (مزید تفصیل مصباح التعرف، ۹۰).

جسم کل : ارباب و مربوب کے باب ہیں اسمائے الٰہی حکیم کا مربوب جسم کل ہے۔ طبائع مختلفہ کا اجتماع حکمت سے ہوا۔ جسم کل پہلی صورت ہے طبیعت کی جس میں طبیعتیں اپنا حکم ظاہر کرتی ہیں چنانچہ جسم کل حرارت و رطوبت و برودت و یبوست کو قبول کرتا ہے حق تعالیٰ جملہ عالم کی صورتیں مختلف استعدادات پر اس میں ظاہر فرماتا ہے۔

جسم مطلق : ترتیب مابعد میں عقل اور نفس کے ملاپ سے تمام عالم ظہور میں آیا، نفس عقل کا محتاج ہوا اور اس کا عاشق بن گیا۔ نفس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوت ہیولیٰ پیدا کیا جو مادہ ہے اور مثل شہوت کے تمام صورتوں کو قبول کرتا ہے اور نوع انسان میں برانگیختہ ہوئی کیوں کہ شہوت ہی سے انسان کی صورت پیدا کی گئی۔ اس ہیولیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ نے طبیعت کو پیدا کیا۔ انسان کے ہیولیٰ کو انسانی صورت عنایت کی گئی اس کے بعد حرکت مطلقہ پیدا ہوئی اور اس کو ہیولیٰ جسمیہ کے ساتھ متعلق کیا گیا تاکہ جسمیت ظاہر ہو۔ اب طبیعت حکم الٰہی سے جسم مطلق کی صورت ظاہر ہوئی جسے فلک اعلیٰ کہتے ہیں۔ اس سے تمام افلاک پیدا ہوئے۔ طبیعت کے تعرف نے فلک اعلیٰ میں نو حصے پیدا کردیے جس سے نو افلاک ظاہر ہوئے۔

جسم ملکوتی /نفسانی: صوفیا کی اصطلاح میں انسان کے اوپر کے نصف دھڑ کو جسم ملکوتی اور نیچے نصف دھڑ کو جسم نفسانی کہتے ہیں۔

جعد : تجلی جلالی و قہاری کو کہتے ہیں بعض تجلی جمالی بھی مراد لیتے ہیں۔

جعل : دو طرح پر ہے۔ ایک جعل بسیط جو عبارت ہے نفس تقرر اعیان ثابتہ سے علم الٰہی میں ایجاب کے ساتھ کہ جن پر آثار اور احکام مترتب نہ ہوں۔ دوسرا جعل مرکب کہ جن پر آثار اور احکام مترتب ہوں اور یہی مرتبہ ترتیب آثار احکام ہے کہ جو مرتبہ وجود ہے اس سے یہ ظاہر ہو کہ مرتبہ تقرر اعیان مقدم ہے ان کے مرتبہ وجود پر پس جعل بسیط متعدی بیک مفعول اور مجعل مرکب متعدی بہ دو مفعول ہو۔ اول موجود فی الباطن ہے۔ دوسرا فی الخارج خارج میں آثار اور احکام مترتب ہوتے ہیں نہ کہ باطن میں۔

جعل بسیط : علم الٰہی میں اعیان ثابتہ کا تقرر۔

جعل مرکب : اعیان ثابتہ پر آثار و احکام کا مترتب ہونا۔

جفا : سالک کے دل کو مشاہدہ سے باز رکھنا، روکنا نیز امور خلاف طبع سالک پیش آنا۔ جس سے اس کی تادیب مقصود ہو۔ انوار و معارف و مشاہدات سے دل سالک کو منور کرنا۔

جلا : دراصل استجلا میں ہے یعنی ذات میں ذات کے لیے ظہور کو جلا کہتے ہیں۔

جلال : لغت میں بزرگ ہونے اور بزرگی کو۔ نیز جلال سے مراد ہے فنا ہو جانا حادث کا اور باقی رہنا قدیم کا۔ تجلی قہاری ہے جملہ افعال و آثار ضلالت و معصیت و شر کا صدور اس سے ہوتا ہے۔

اظہار عظمت معشوق۔ ہر جلال کے لیے جمال اور ہر جمال کے لیے جلال لازمی ہے۔

صفات باطن کو جلال اور صفات ظاہر کو جمال کہتے ہیں۔ اصطلاح میں تجلی قہاری کو جلال کہتے ہیں اور جلال سے ذات بحت کی طرف اشارہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جلال سے مراد فنا ہو جانا حادث کا اور باقی رہنا قدیم کا۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا مقولہ ہے (ترجمہ ''حادث جب قریب ہو جائے۔ قدیم سے باقی نہ رہے گا اس کے لیے اثر''

جلال و جمال: ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ مرتبہ گنج مخفی وکنت کنزاً سے تنزل فرما کر لباس تعین اوّل یعنی حقیقۃ محمدیہ ﷺ میں جلوہ گر ہوئی۔ یہاں سے اس ذات بے چون و بے چگون کا ظہور شروع ہوا اور تمام افراد عالم اسی حقیقت محمدیہ ﷺ سے ظہور میں آئے یہ حقیقت محمدیہ ﷺ کل مراتب ظہور کی جامع ہے۔ یہ ہی حقیقت محمدیہ ﷺ مرتبہ واحدیت میں آ کر متصف بجمیع صفات و مسمی بجمیع اسماء ہوئی اور باعتبار جمال کے متصف ہوکر مسمی باسم ہادی اور باعتبار صفات جلال کے متصف ہوکر مسمی باسم مضل ہوئی اور جمیع اسماء جمالی و جلالی کا یہیں تحقق ہوا اور حقائق جمالیہ و جلالیہ متعین ہوئیں اور اس مرتبہ واحدیت سے نیچے نزول کر کے عالم ارواح میں ماتحت اسم ہادی کے حقائق جمالیہ سے ارواح ملائکہ و ارواح اہل جنت ظہور میں آئیں اور ماتحت اسم مضل کے شیاطین و ارواح کا ظہور ہوا۔ اس کے موافق عالم مثال میں اور مثال کے موافق عالم اجسام میں ظہور ہوا الغرض مرتبہ وحدت جس کو تعین اول کہتے ہیں۔

یعنی حقیقت محمدیہ ﷺ جلال و جمال دونوں کا مظہر ہے۔ یہ جمہور صوفیاءِ کرام کا مسلم مذہب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ کے دو مظہر ہیں۔ ایک روح اعظم و مظہر اسم ہادی ہے اور متخلق باسماء جمالی ہے۔ دوسرا شیطان وہ اسم مضل کا مظہر ہے اور متخلق باسماءِ جلالی ہے نیز تصوف میں ان الفاظ سے جلالِ الٰہی اور جمالِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے ہر جلال کے لیے جمال اور ہر جمال کے لیے جلال لازمی ہے۔

جلاوت: کہتے ہیں قلب میں ظہور انوار، انوار مجرد از مادہ کا مشاہدہ۔

جلاء: کہتے ہیں ذات حق کا ظہور اپنے نفس میں دیکھنا اور اسی جلوہ ظہور کے آفاق میں دیکھنے کو جلا یا استجلاء کہتے ہیں۔

جمار ثلاثہ: حج کے رکن رمی جمرات میں نفس، طبیعت اور عادات مراد ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو سات سات کنکریوں سے مارا جائے۔ یعنی صفات الٰہی کی ساتوں قوتوں کے آثار سے تینوں چیزوں کو فنا کردیا جائے یعنی نفس، طبیعت اور عادات کو۔ میں شیطان کو ذلیل کرتا ہوں اور رحمان کو راضی کرتا ہوں۔ یہ حج کا سب سے پیارا رکن ہے۔

جمال/وجلال: تصوف میں ان الفاظ کے استعمال سے جمال الٰہی اور جلال الٰہی کی طرف اشارہ ہے تجلی لطف و رحمت ہے۔ جملہ افعال و آثار و خیر و طاعت و عبادت و حسنات کا صدور اسی سے ہے۔ اور کبھی جلال سے مرتبۂ احدیت اور جمال سے مرتبۂ وحدت مراد ہوتا ہے۔ اور کبھی ذات کے مرتبۂ خفا کو جلال اور مرتبۂ ظہور کو جمال کہتے ہیں اس تقدیر پر ذات کے جملہ مراتب میں جلال و جمال دونوں پائے جائیں گے اس لیے کہ ذات حق سبحانہ تعالیٰ کے ہر مرتبہ میں ایک جہت خفا کی ہے اور ایک جہت ظہور کی یعنی تنزیہ و تشبیہ اور بعض ذات کے مراتب داخلی احدیت۔ وحدت۔ واحدیت کو حد جلال میں اور مراتب خارجی ارواح۔ امثال۔ اجسام کو حد جمال میں شمار کرتے ہیں۔

بعض عالم ارواح و مثال کو جلال اور عالم اجسام کو جمال کہتے ہیں اس لیے کہ عالم اَجسام میں پورا ظہور ہے اس سے زیادہ نمایاں اور عیاں کوئی نہیں ہے اور جمال کے معنی غایت ظہور کے ہیں۔

باقی مراتب سب اس سے خفی اور شان ظہور میں کم ہیں چنانچہ غایت خفا میں مرتبہ گنج مخفی ہے اُسے جلال سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی جمال سے مستغناء معشوق اور جمال سے مہربانی معشوق والہام غیبی و کشف انوار ایمانی مراد لیتے ہیں؛ معشوق کا اپنے کمالات کو عاشق کے عشق کی زیادتی کے لیے ظاہر ہونا۔ جمال اور جلال کی وضاحت جلال و جمال میں درج ہے، حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔

جمع : شہودِ حق بلا خلق کو کہتے ہیں یعنی حق تعالیٰ میں اس درجہ محو ہو جانا کہ کسی اور کی خبر نہ رہے ۔ جمع ضد ہے فرق کی ۔ فرق کہتے ہیں حق سے محجوب ہونے کو بوجہ خلق کے یعنی یہ کہ خلق ہی کو دیکھے اور حق کو من کل الوجود غیر جانے ۔

جمع الجمع : ہر ذرہ میں ذات کا مشاہدہ کرنا اور ذات میں جملہ کائنات کا مشاہدہ کرنا اور ذات کو ذات دیکھنا اور مخلوق کو مخلوق دیکھنا اور مخلوق کو عین حق اور حق کو عین مخلوق دیکھنا ۔

اس مقام کو فرق بعد الجمع اور فرق ثانی اور محو بعد المحو بھی کہتے ہیں یہ سب سے اعلیٰ مقام ہے سلوک میں اس سے برتر کوئی مقام نہیں ہے ۔

جمع مع الفرق : وحدت فی الکثرت اور کثرت فی الوحدت کو کہتے ہیں یعنی ذات حق سبحانہ تعالیٰ کو ہر ذرہ میں دیکھنا اور جملہ کائنات کو ذات میں دیکھنا۔ اور ذات و صفات کو عین دیکھنا اسی کو وحدت در کثرت اور کثرت در وحدت کہتے ہیں ۔

جمود : واقف اسے کہتے ہیں جو کسی مقام پر رک یا ٹھہر جائے اور ترقی س کی بند ہو جائے۔ ایسی حالت کو جمود یا حالت جمودی کہتے ہیں۔

جمعیت : ماسوائے اللہ سے روگردانی کرنا اور ہمہ تن اللہ کی طرف ہمت کا متوجہ کرنا مشغولی حق کے ساتھ اور غیر حق سے علیحدگی اختیار کرنا ۔

جنات : باب ارباب و مربوب میں اسمائے الٰہی لطیف ہے اس کا اسمائے کونی جنات ہے۔ یہ لطیف جسم رکھتے ہیں جو نظر نہیں آتا۔

جنائب : اُن مردانِ خدا کو کہتے ہیں جو مقامات سلوک طے کرتے ہوئے زہد و تقویٰ اور اطاعت کو لیے ہوئے مقاماتِ قربِ الٰہی میں پہنچتے ہیں اور سیر فی اللہ میں مشغول ہوجاتے ہیں۔

جنت : مظہر جمال باری تعالیٰ کو جنت کہتے ہیں جو تجلی اسم لطیف سے ظاہر ہوئی اور اس کی چار قسمیں ہیں ۔ جنت الافعال۔ جنت النفس۔ جنت الصفات۔ جنت الذات۔

جنت الافعال وہ ہے کہ اللہ کریم نے اپنے بندوں کے اعمال صالحہ کے بدلے میں دینے کا وعدہ فرمایا۔ اور اسی کو جنت عوام کہتے ہیں اس لئے کہ یہ عام مومنین کو حاصل ہوگی ۔

جنت الافعال کی آٹھ قسمیں ہیں۔ دارُالمقام۔ دارُالقرار۔ دارُالسلام۔ جنت عون۔ جنت الفردوس۔ جنت النعیم۔ جنت الماویٰ، جنت الخلد۔ ان جنتوں میں دنیا کی تمام خور و نوش کی چیزوں سے بدرجہا اچھی چیزیں میسّر ہوں گی۔

جنت النفس ۔ اور اسی کو جنت الوراثت کہتے ہیں۔ جنت النفس ان اخلاق محمودہ کا نام ہے جو بہ سبب اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان کو حاصل ہوتے ہیں ۔

جنت الصفات۔ تجلیات اسماء آلٰہیہ و صفاتِ الٰہیہ سے مسرور ہوتا ہے اور اس مقام میں بندہ متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے اور اسی کو جنت المعنوی اور جنت القلب بھی کہتے ہیں ۔

جنت الذات ۔ جنت مظہر جمال ہے جو تجلی اسم ''لطیف'' سے ظاہر ہوتی ہے ۔ اس کے آٹھ طبقے ہیں اور ہر طبقہ میں بہت سی جنتیں ہیں اور ہر جنت میں بہت سے درجے ہیں جن کا کوئی شمار نہیں ۔

طبقہ اول جنت السلام و جنت المجازاۃ ہے اللہ تعالیٰ نے اس جنت کے دروازے کو اعمال صالحہ سے پیدا کیا اور اس کے رہنے والوں پر باسم ''حسیب'' متجلی ہوا۔ یہ جزا محض ہے۔ کلام مجید میں ان لوگوں کے حق میں وارد ہے'' وان لىلانسان الا ماسعى او سعيه سوف يرى ثم بجزاه الجزاء الاوفى '' اس جنت میں کوئی بلا اعمال صالحہ کے داخل نہیں ہونے پائے گا اسی کو دارالمقام اور جنت صوری بھی کہتے ہیں اس میں اقسام اقسام کے کھانے اور پینے کی چیزیں اور پانی اور شہد اور شیر اور شراب کی نہریں ہیں۔ یہ طبقہ عوام مومنین کے لئے ہے ۔

دوسرا طبقہ اس کے اوپر ہے اور اس سے اعلیٰ ہے جس کو جنت الخلد اور جنت المکاسب کہتے ہیں جو ربح محض ہے۔ اس طبقہ کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ باسم ''بدیع'' متجلی ہوا اور اس کو عقائد صالحہ سے پیدا کیا ۔ جس شخص کے عقائد ٹھیک نہ ہونگے وہ اس میں داخل نہیں ہونے پائے گا ۔

تیسرا طبقہ جنت المواہب ہے جن کے رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ باسم ''وہاب'' متجلی ہوا یہ محض موہبت سے حاصل ہوتا ہے بلا کسب و عمل کے ۔

چوتھا طبقہ جنت الاستحقاق ہے جس کو جنت النعیم و جنت الفطرۃ کہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ باسم ''حق'' متجلی ہوا جو ابرار کے لئے ہے ۔ '' بے شک ابرار جنت میں رہیں گے''۔

پانچواں طبقہ جنت الفردوس ہے جس کو جنت المعارف کہتے ہیں جس میں نہ شجر ہے نہ حجر نہ قصر نہ حور، اس جنت کے لوگ ہمیشہ مشاہدہ میں رہتے ہیں اس کو جنت وسیلہ بھی کہتے ہیں۔
چھٹے طبقہ کو جنت الفضیلۃ کہتے ہیں جس کے ساکنین صدیقین ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کلام مجید میں فرماتا ہے عند ملیک مقدر ''نزدیک مالک صاحب قدرت کے'' اس جنت کو جنت السماء کہتے ہیں۔
ساتواں طبقہ درجہ رفیعہ جس کو من حیث الاسم جنت الصفات اور من حیث الرسم جنت الذات کہتے ہیں جو باطن عرش پر ہے جس کے ساکنین متحقق بحقایق الٰہیہ ہیں اور یہی لوگ مقربین صاحب خلافت الٰہیہ ہیں۔
آٹھواں طبقہ مقام محمود ہے جو جنت الذات ہے۔
جنت الذات: اُس کو جنت الروح بھی کہتے ہیں۔ اس میں مشاہدہ جمال باکمال احدیت ذاتیہ کا حاصل ہوتا ہے۔ جنت الاول یعنی جنت الافعال یہ خاص عالم آخرت کے لیے ہے باقی تین مذکورۂ بالا تمام انبیاء علیہم السلام اور خواص اولیاء اللہ کے واسطے دنیا و آخرت دونوں میں حاصل ہوتی ہیں۔
جنگ: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے بذریعہ تکالیف ظاہری و باطنی امتحان لینا، اور جانچ کے لیے طرح طرح کی بلائیں اپنے عاشق کو بھیجنا۔ نیز اسماء و صفات کے تصادم کو بھی جنگ کہتے ہیں۔
جنون: عشق میں ایسا مغلوب ہونا کہ اس غلبہ سے سر پیر کا ہوش نہ رہے، ہر چیز سے بالکل بے خبر ہو، مستی میں علم باقی رہتا ہے جنون میں نہیں۔
جواہر العلوم والانبیاء والمعارف: وہ اصول دین اور حقائق آلٰہیہ جو کسی حال میں بدلے نہیں جاتے، مصلحت وقت اور زمانے کے تغیرات سے اُن میں کچھ تغیر نہیں آتا۔ یکے بعد دیگرے نبی کے آنے سے اور شریعت کے بدلنے سے ان میں کچھ تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس آیت پاک میں اسی طرف اشارہ ہے (شرع لکم من الدین ماوصی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ)۔ ''راہ ڈال دی تم کو دین میں جو کہہ دیا تھا نوح کو جو حکم کو پہنچانے تیری طرف اور جو کہہ دیا ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو عیسیٰ کو یہ قائم رکھو دین اور پھوٹ نہ ڈالو اس میں''۔
جور: باز رکھنا سالک کو اس کے عروج سے۔
جوروجفا: سالک کے دل کو محجوب کرنا اور اس کو سیر عروج سے روکنا۔
جوہر: جو قائم بالذات ہو اور محتاج کسی محل کا نہ ہو۔ افراد اس کے پانچ ہیں، ایک جسم، دوسرا ہیولیٰ، تیسری صورت، چوتھا نفس ناطقہ، پانچویں عقل۔
جوہر فرد: قلم کے باب میں قلم اعلیٰ اور عقل اول اور روح محمدی ﷺ یعنی ان تینوں کی تعبیر لفظ جوہر فرد سے ہوتی ہے۔
جوئبار: مراسم عبودیت اور جن باتوں سے شانِ عبودیت ظاہر ہوتی ہے ان کو جوئبار کہتے ہیں، اور مجازی عبودیت کو بھی کہتے ہیں یعنی جب عبد صفات اور افعال سے بالکل خالی و عاری ہوتا ہے اور ہمہ تن متوجہ ہوتا ہے حضرت حق کی جانب تو صفات حقیقی اس میں ظاہر ہو جاتے ہیں جیسے کہ پانی جہاں نشیب پاتا ہے فوراً اتر جاتا ہے پس یہی عبودیت باعث یافت الوہیت ہوئی۔
جہانِ تاریک: تمام حجابات اٹھنے کے بعد جو سالک کی اپنی ہستی اور اپنے وجود کا حجاب باقی رہتا ہے اس کو جہان تاریک کہتے ہیں۔
جہانگیر عالم: اقطاب کے ناموں میں سے ایک نام قطب عالم، قطب ارشاد، قطب مدار، قطب الاقطاب یا قطب جہاں یا جہانگیر عالم۔
جہتا/جہتی الضیق والسعت: ذات کی دو جہات ہیں۔ دو اعتبار ہیں۔ ایک جہت تنزیہ کی ہے اس کو جہت ضیق کہتے ہیں کیونکہ اس میں کسی بات کی گنجائش نہیں ہے اس مرتبہ میں ذات کو کسی لفظ نام صفت سے متصف نہیں کر سکتے آنکھ سے دیکھ نہیں سکتے حتی کہ وہم خیال بلکہ عقل بھی وہاں دنگ ہے۔
اسی مقام کے واسطے صوفیائے کرام فرماتے ہیں لایعرف اللہ احد سوی اللہ یعنی اللہ کو اللہ کے سوائے کوئی نہیں پہچان سکتا۔ دوسری جہت تشبیہ ہے۔ اس کو جہت وسعت کہتے ہیں اس لیے کہ اس مرتبہ میں ذات اپنے تمام اسماء و صفات و مظاہر میں ظہور فرما کر آشکارا ہوتی ہے۔

جہتا/جہتی الطلب: ذات کے مرتبۂ واحدیت میں دو جہت طلب ہیں ایک طلبِ جہت وجوبیہ یعنی اعیان ثابتہ میں اسماءِ الٰہی کا اپنے ظہور کے لیے طالب ہونا اور یہ طلبِ جہت وجوبیہ ذات کے مرتبہ داخلی میں ہوتی ہے دوسری طلب جہتہ امکانیہ یعنی مظاہر کونیہ میں اعیان ثابتہ کا اپنے ظہور کے لیے طالب ہونا یہ طلب جہتہ امکانیہ ذات کے مراتب خارجیہ میں ہوتی ہے۔

جہنم: یعنی نار۔ جاننا چاہیے کہ جنت جیسے مظہر جمال ہے دوزخ مظہر جلال ہے اور اس کے سات طبقے ہیں۔

پہلے طبقے کا نام لظےٰ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے معصیت اور ذنب سے پیدا کیا اور اس میں باسم ''منتقم'' متجلی ہوا یہ طبقہ اہل معصیت اور ذنب کے لئے ہے۔ کلام مجید میں ہے بے شک فاجرین دوزخ میں ہیں'' (ترجمہ'' چاہے گا گناہ گار کسی طرح چھڑائے اس دن کی مار سے اپنے بیٹے اور ساتھ والے بھائی اور اپنا گھرانہ جس میں رہتا تھا اور جتنے زمین پر ہیں پھر اپنے کو بچائے کوئی نہیں وہ تپتی آگ کلیجا کھینچ لینے والی ہے''۔

دوسرا طبقہ جحیم ہے جس میں حق باسم ''عادل'' متجلی ہوا اور اس کی تخلیق فجور اور طغیانی سے کی۔ یہ مسکن اُن لوگوں کا ہے جو کج راہ ہوئے اور طلب باطل میں سرگرم کلام رہے۔

تیسرا طبقہ جس میں باسم ''شدید'' متجلی ہوا اور اس کا نام عسری ہے اُس کو بخل اور حسد اور شہوت سے پیدا کیا۔ یہ مسکن اُن لوگوں کا ہے جن کے یہ خصائل ہیں۔

چوتھا طبقہ جس میں بصفت غضب متجلی ہوا جس کا نام ہاویہ ہے۔ یہ مسکن منافقین کا ہے۔

پانچواں طبقہ جس میں باسم ''مذل'' متجلی ہوا جس کا نام سقر ہے۔ یہ مسکن متکبرین کا ہے'' اب اس کو ڈالوں گا آگ میں''۔

چھٹا طبقہ جس میں باسم ''ذوالطبش'' متجلی ہوا جس کا نام سعیر ہے۔ یہ شیاطین اور ملحدین کا مسکن ہے'' اور گردانا ہم نے اس کو پھینک مار شیطانوں کی اور رکھی ہے ان کو مار دہکتی آگ میں''۔

ساتواں طبقہ جس میں باسم ذوعقاب الیم متجلی ہوا جس کا نام جہنم ہے یہ مشرکین کا مسکن ہے'' وہ جو منکر ہوئے کتاب والے اور مشرکین دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہیں اس میں لوگ جو بدتر خلق کے ہیں''۔

جاہ در راہ: اس سے نفس کی طرف اشارہ ہے۔

چ

چاہِ زنخ/ ذقن: علم واضح کو کہتے ہیں۔ مشکلات اسرار مشاہدہ مشاہدہ ذات و صفات کی وہ لذتیں جو مشکل اور دقت سے میسّر ہوتی ہیں اور اُن اسرار کے مشاہدہ کی لذت جو مشکل اور دقت سے منکشف ہوتے ہیں۔

چشتیہ قلندریہ: یوں تو ہر سلسلے میں قلندر ہوتے ہیں۔ حضرت شاہ خضر رومی رحمۃ اللہ علیہ سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں ہندوستان آئے اور قطب اقطاب حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے خرقہ حاصل کیا چنانچہ اس سلسلے کو چشتیہ قلندریہ بھی کہتے ہیں۔

چشم: صفت جمال کو کہتے ہیں یعنی سالک کے دل پر جو تجلی الہامی غیب سے وارد ہوتی ہے اور اس کے واسطہ سے سالک مقام قرب تک پہنچ جاتا ہے، چشم سے کبھی بصارت ازلیہ بھی مراد لیتے ہیں اور بعض دفعہ چشم سے وہ مستی مراد لیتے ہیں کہ جس مستی کی بیخودی میں عاشقان دل سوختہ ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ مشاہدہ جمال جاناں سے محروم رہ جاتے ہیں۔

دو چشم سے مراد جمال اور جلال ہے۔ بعض چشم مرتبہ جمع کو کہتے ہیں جو محل مشہود ہے۔

چشم ابرو: بظاہر ایک جز کو کہتے ہیں۔ ابرو صفات کو کہتے ہیں۔ ابرو سے چشم پوشیدہ رہتی ہے۔ چشم پر ابرو کا پردہ پڑا رہتا ہے۔ اسی طرح ذات کے لیے صفات حجاب بن جاتی ہے۔ ابرو سے کبھی قاب قوسین کی جانب بھی اشارہ کیا جاتا ہے۔

چشم آہوانہ: اللہ تعالیٰ کا سالک کی تقصیر کو معاف کر دینا اور کسی غیر پر اُسے ظاہر نہ ہونے دینا لیکن سالک پر اس کی تنبیہ کی غرض سے ظاہر کر دینا۔

چشم بیمار: بیمار چشم بُعد و فراق کے غم کو کہتے ہیں پندار خودی کے ساتھ خماری چشم سالکوں کی لغزش اور تقصیر پر پردہ ڈالتی ہے کرشمہ چشم

التفات ہے۔ تجلی جمال پرتو انوار معرفت ہے۔ جو شہود تفصیلی کی محبت کے پرتو سے پیدا ہوتی ہے۔

چشم پُرخمار: کہتے ہیں سالک کا تجلیات میں بے خود ہو جانا۔

چشم خماری: اللہ تعالیٰ کا سالک کی تقصیر پر چشم پوشی کرنا اور خلق میں اس کو رسوا نہ کرنا اور معاف کر دینا، اسے چشم مست بھی کہتے ہیں نیز حق کے شہود کو اور بصارت ازلیہ جس سے سالک اپنے کشف میں اکمل و اعلیٰ ہوتا ہے۔

چشم ترک: ستر مراتب عالیہ کو کہتے ہیں اہل کمال کا اپنے کمالات اور مراتب عالیہ کو اس طرح چھپانا کہ بجز ذاتِ حق تعالیٰ کے کسی کو خبر نہ ہو۔

چشم مست: سالک کا اپنے آپ کو حق کے مشاہدہ میں گم کرنا۔

چشم عالم: سے انسان مراد ہوا کرتا ہے اس چشم کا نور حق تعالیٰ ہے۔

چلیپا: عالم طبائع یا عالم طبعی کو کہتے ہیں۔

چمن: محبت اور معرفت کو کہتے ہیں۔

چمنے کہ تا قیامت گل او بہار بادا
صنمے کہ بر جمالش دو جہاں نثار بادا

چنگ: اس سے مراد ذوق وشوق حقیقی ہے۔

چوگان: تقدیر امر بطریق جبر وقہر اور جو سختیاں عاشق پر وارد ہوتی ہیں ان کو بھی چوگاں کہتے ہیں، مرتبہ کمال میں عالم اطلاق کو کہتے ہیں اور سلوک میں اسم آخر سے اسم اول تک طے منازل سے مراد ہے اور سیر میں آفاق فی الخارج اور تفکر میں وسعت خیال کو کہتے ہیں اور مشرب عشق میں اس سے مراد نامرادی کا وسیع میدان ہے یعنی فناء کامل سالک کی متحقق ہو جانا اور بوئے تعین باقی نہ رہنا۔ عشاق انہیں صبر سے برداشت کرتے ہیں۔

چہرہ: سالک پر ایسی تجلیات کا وارد ہونا جو اس کے حسب حال ہوں، تجلی واحدیت کو کہتے ہیں۔

چہرۂ گلگوں: روحانی اور لطیف تجلیات کو کہتے ہیں جن کا ظہور مادی نہ ہو تجلیات قابل اطلاع سالک وہ تجلیات جو غیر مادی اشیا میں ظاہر ہوں اور جنہیں سالک خواب میں یا بیداری کی حالتِ بے خودی میں مشاہدہ کرتا ہے

چین برافشاندن زلف: رفع تعینات اور شیونات کے اُٹھ جانے کو کہتے ہیں۔

ح

حاکم: وہ اولیاء اللہ اور صاحب وقت جو سالکوں کی تربیت اور حفاظت کرتے ہیں، جو اوامر شرع سالک پر جاری ہوں۔

حال و مقام: جو کچھ کیفیت قلب میں وارد ہو جیسے حزن وخوف، بسط وقبض، ذوق وشوق، یہ حالتیں بسبب غلبہ ظہور صفات نفس کے زائل بھی ہو جاتی ہیں اور اگر یہ قائم رہیں اور ان میں ملکہ حاصل ہو جائے تو ان کو مقام کہتے ہیں۔ اس کی کئی قسمیں ہیں:۔ وہبی، کسبی، نسبتی، مجازی۔

حال مقام سالک کے دل پر جو کیفیات بلا کوشش محض اللہ کریم کی طرف سے وہبی طور پر وارد ہوں اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ بوجہ صفات نفسی کے زائل ہو جائے اور کوئی کیفیت باقی نہ رہے۔

دوسری یہ کہ کیفیت ہمیشہ کے لئے قائم رہے اول کو حال دوسری کو مقام کہتے ہیں۔

جب حال دائمی ہو جاتا ہے اور سالک کا ملکہء راسخ ہو جاتا ہے تو اسے مقام کہتے ہیں۔ سالک کی بے عملی اور بے التفاتی سے حال زائل ہو جاتا ہے۔

حال آتا اور جاتا ہے۔ مقام میں استقلال ہوتا ہے۔

حال سے سابقہ اصحاب تلوین کو رہتا ہے اور مقام اصحاب تمکین کا حصہ ہے اس لئے حال سے مقام اعلیٰ ہوتا ہے۔

حالت جمودی: سلسلہ نقشبندیہ کی مصطلحات میں وقوف قلبی کے ضمن میں سالک کے مراحل میں ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جسے واقف کہتے ہیں جو کسی مقام پر رک یا ٹھہر جائے اور ترقی بھی رک جائے ایسی حالت کو جمود یا حالت جمودی کہتے ہیں۔ ایسا شخص کسی مقام پر دیر تک اڑا رہے تو پھر لازمی طور پر وہ پیچھے ہٹنے لگتا ہے۔ راجع جو پیچھے کی جانب ہٹے اگر اس کا علاج نہ ہو تو حالت مایوسی کی ہو جاتی ہے۔

حامل امر: عالم ارواح کا نام ہے۔

حب: ۱. ذات کا تعین اول میں ظہور فرمانا اور لباس حقیقت محمدیہ ﷺ پہن کر لفظ انا سے اپنی ذات کو تعبیر فرمانا حب ہے حدیث قدسی کنت کنزاً مخفیاً فاحببت اَن اُعرف مَخلقتُ الخلق میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ذات کی اس تجلی کو تجلی حب ذاتی کہتے ہیں اگر ذات کو اس تعین اول میں ظہور کرنے کا حب نہ ہوتا تو کوئی شئے موجود نہ ہوتی اور ذات کسی صفت سے موصوف نہ ہوتی۔

۲. حب مقام محمدی ﷺ ہے تعشق ذاتی اتحادی کہ ایک دوسرے کی صورت میں ظاہر ہو سکے۔ روح و جسم میں بھی آپس میں تعشق ذاتی اتحادی ہے۔

حب حقیقی: محبت کی حقیقت ہے۔ تعین اول میں حب ظہور کا پہلا اظہار ہے اور اس لیے یہ مرتبہ مقام حب حقیقی ہے، قول کنت کنزا مخفیاً یہ حب ظہور و توجہ بخلق رونما ہوا کنزا مخفی وہ ہویت احدیت ہے جو کہ غیب میں پوشیدگی کی وجہ سے باطن ترین مقام ہے۔

حباب: صور ممکنات کیونکہ بحر توحید میں یہ مثل حباب کے ہیں۔

حبیب: وہ عاشق جس میں محبوبیت کا غلبہ ہو اور افعال حق تعالیٰ جس کی رضا کے موافق ہوں یہ مقام اصلتاً اور مخصوص طور پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے اور آپ ﷺ کی محبت اور متابعت کی برکت سے ظلی طور پر اوروں کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

حج: سلوک الی اللہ اس سے مراد ہے۔ یہ تین طرح پر ہے حج عام، حج خاص، حج خاص الخاص، حج عام یہ ہے کہ طواف خانہ کعبہ کا کرے اور مناسک حج ادا کرے۔

حج خاص یہ ہے کہ اپنے دل کو لوث ماسویٰ اللہ اور کدورات اور غیریت اور کثرت سے پاک کرے۔

حج خاص الخاص یہ ہے کہ رب البیت یعنی حق کا مشاہدہ کرے، حج ایک طویل باب ہے (تفصیل کے لیے دیکھیں سر دلبراں، ۱۳۷۔۱۴۰)۔

حجاب: ۱. ہر وہ چیز جو عاشق کو معشوق کے وصل سے مانع ہو یا اس کی طرف سے روکے۔

۲. محبت دنیا کی دل میں جاگزیں ہونے کو حجاب کہتے ہیں جو چیز کہ مانع ہو قبول تجلیات سے۔ سب سے بڑا حجاب خودی ہے۔ سالک کو ان تجلیات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حجابات ظلماتی یہ گناہ اور لذات طبعی ہیں۔ انہیں حجابات ناسوتی بھی کہتے ہیں۔

دوسرے حجابات نورانی کو رفع کرنا پڑتا ہے جو علوم رسمی اور عبادات عادتی اور انوار ملکوتی ہیں۔ ان حجابات کا اٹھانا حجابات ظلماتی سے زیادہ مشکل ہے اس کے بعد حجابات کیفی سے تجاوز کئے بغیر ذات بے کیف تک رسائی محال ہے۔

حجاب العزت: کوری اور سراسیمگی کو کہتے ہیں کیونکہ ادراک کثیفہ کنہ ذات میں موثر نہیں ہوتی ہیں۔ عدم نفوذ یہ حجاب ہے اور یہ کبھی مرتفع نہیں ہوتا بلکہ حق کا ادراک ادراک حقیقی سے ہوتا ہے اور وہ بعد فناء کامل مرتبہ بقا باللہ میں حاصل ہوتا ہے، اندھاپن اور پریشانی۔

حجاب خودی: ہر وہ چیز جو بندے کو حق تعالیٰ سے مستجب کر دے ماسویٰ اور خیالات ماسویٰ سے سب سے بڑا حجاب ہے۔ یہی حجاب خودی ہے۔

حجاب ظلمانی: جملہ صفات ذمیمہ و غیظ و غضب۔

حجاب عظمت: یہ اس بنا پر ہے کہ سوائے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی اور ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔

حجابات: حجاب کی جمع۔ ہر وہ چیز جو بندہ کو حق تعالیٰ سے مستجب کر دے ماسویٰ اور خیالات ماسویٰ۔

حجابات ظلماتی یا ظلمانی: سالک کا سب سے پہلا حجاب ہے کیوں کہ یہ حجاب گناہ اور لذت طبعی ہیں انہیں حجابات ناسوتی بھی کہتے ہیں اس کے بعد حجابات نورانی کو رفع کرنا پڑتا ہے جو علوم رسمی اور عبادات عادتی اور انور ملکوتی سے دور ہوں گے۔ حجابات ملکوتی کا اٹھانا حجابات ظلماتی سے زیادہ مشکل ہے کیوں کہ یہ حجابات نورانی لذت میں ظلماتی حجاب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ حجابات کیفی کا اٹھانا سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ حجابات کیفی سے تجاوز کیے بغیر ذات بے کیف تک رسائی محال ہے۔

حجۃ الحق: انسان کامل عام مخلوق کے واسطے حجۃ الحق ہوتا ہے۔ یعنی صاحب مقام محمدی ﷺ کو کہتے ہیں۔

حجر اسود: لطیفۂ انسانیہ جو دراصل حقیقت الٰہی پر پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی سیاہی کی جانب اشارہ ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس جانب اشارہ ہے کہ حجر اسود پہلے بہت سفید تھا لیکن بنی آدم کی خطاؤں نے اسے سیاہ کر دیا۔

یہ اپنے ہر دیکھنے والے کی روز قیامت گواہی دے گا۔

تحلیہ: حق کا متصف ہونا صفات کے ساتھ اور اپنے آپ کو اخلاق حسنہ

سے آراستہ کرنا۔ سالک کا صفت کمال سے آراستہ ہونا۔
حد : اُس فصل کو کہتے ہیں جو درمیان بندہ اور خدا کے حائل ہو۔
حدس : علم حاصل کرنے کے دوطریقے ہیں ظاہری اور باطنی، باطنی طریقہ مراقبہ اور تفکر ہے ان علوم کو جو اپنے سے مخفی ہیں مدت اور حیلہ اور آلہ کے ساتھ تلاش کرے۔ ایک تیسری چیز اور ہے جسے حدس کہتے ہیں۔ تفکر اور حدس میں یہ فرق ہے کہ تفکر میں تو غور و خوض سے طبیعت پر زور ڈال کر کوئی بات معلوم کی جاتی ہے اور حدس بغیر سوچے سمجھے۔ بلا غور و خوض، بغیر آلہ یا حیلہ کے، دفعتاً ایک بات قلب میں القا ہو جاتی ہے۔ صاحب حدس یک بیک غیب کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے۔ یکبارگی علم مطلوبہ اس پر منکشف ہونے لگتا ہے۔
حدس بمقابلہ فکر کے نفوس کاملہ اقرب ہے حدس سے فراست پیدا ہوتی ہے اور فراست اللہ کا نور ہے جس سے مومن دیکھتا ہے" ڈرو تم مومن کی فراست سے کیونکہ وہ دیکھتا ہے اللہ کے نور سے"۔
یہی فراست ہے جو حدس سے پیدا ہوتی ہے۔ حدس ہی الہام کا زینہ ہے اور نبوت زینہ ہے وحی کا۔
حدوث و قدیم : محدث وہ ہے جو مسبوق بغیر ہو، سبقاً ذاتیاً اور مستند ہو ساتھ علت کے۔ قدیم وہ ہے کہ مسبوق بغیر نہ ہو سابقاً ذاتیاً اور کسی علت سے مستند نہ ہو۔ ہستی مطلق قدیم ہے اور وجوب اور قدم اس کا دائماً باقی ہے، برعکس اس کے مخلوق اپنی ایجاد میں ایک موجد کی محتاج ہے اور ممکن اپنی عدمیت پر دائماً باقی ہے۔
حدیث قدسی : اُس کلام الٰہی کو کہتے ہیں جو بذریعہ الہام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پر وارد ہوئی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کو اپنی زبانِ مبارک سے بیان فرمایا۔
حدیث نفس : قلب کی بیماریوں میں سے ایک بیماری۔
یہ وہ بیماری ہے یعنی اپنے قصد و اختیار سے دل سے باتیں کرتے رہنا۔
حدیث و واقعہ : مرید اپنا حال خدمت شیخ میں عرض کرے۔
حرف : وہ عبارت جس سے خدا تعالیٰ اپنے بندے کو مخاطب فرمائے
حرق : وہ تجلیات متوسطہ جو فنا کی طرف پہنچتے ہیں اس کی ابتدائی حالت کو برق اور اوسط کو حرق اور انتہائی کو طمس فی الذت کہتے ہیں اور بعض حرق سے سوز عشقی مراد لیتے ہیں۔
حرکت ارادی : سب سے پہلی عنایت جو کائنات کے ظہور کا باعث بنی۔

حرکت مطلقہ : ترتیب مابعد (۱) عقل (۲) نفس (۳) ہیولیٰ (۴) طبیعت کے بعد پانچویں نعمت حرکت مطلقہ پیدا ہوئی۔ یہ حرکت نفس طبیعت کے اندر ہے تاکہ طبیعت حرکت کرے۔
حرم : مقام احدیتِ ذات۔
حروف : اعیانِ ثابتہ کے حقایق بسیطہ کو کہتے ہیں۔
حروف عالیات : عالم غیب۔ ہم حروف عالیات تھے کہ نہ پڑھے جاتے تھے نہ سمجھے جاتے تھے نہ دیکھے جاتے تھے۔ متکلم نے کلام کیا تب ہمارا اظہار ہوا۔ متکلم جب کلام کرنا چاہتا ہے تو پہلے ایک حرکت ارادی ہوتی ہے۔ پھر وہ سینہ سے بذریعہ سانس کے حروف کو خارج کرتا ہے۔ پہلی چیز ارادہ اور دوسری چیز قدرت ہے جن کے ذریعہ سے عالم غیب کو عالم شہادت کی جانب لایا گیا ہے۔
مخلوقات اور کلمات کی ہئیات مخصوصہ نفس متکلم میں مخفی تھیں جنھیں ظہور میں لایا گیا۔ چنانچہ انسان اُس ذات پاک کا نسخہء کاملہ ہے یعنی انسان کی ہر چیز ذات پاک کی ہر چیز کا نسخہ ہے۔
حروف عالیات اٹھائیس (۲۸) اسماء کونی جنہیں حروف عالیات بھی کہتے ہیں اُن اعیان ثابتہ اور شیون ذاتیہ کو کہتے ہیں جو غیب الغیوب اور بطن البطون میں اس طرح پوشیدہ ہیں جیسے درخت کے پتے پھل پھول شاخ کلی گٹھلی میں حروف عالیات کے مظاہر ہیں۔
حروف ملفوظی : اٹھائیس حروف ملفوظی جو لغت میں مروج ہیں اور انسانی تقریر و تحریر میں استعمال ہوتے ہیں۔
حروف منقوطہ : اعیان ثابتہ یہ علم الٰہی میں موجود ہیں۔
حروف مہملہ : ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن سے حروف متعلق ہیں لیکن وہ خود حروف سے متعلق نہ ہوں یہ پانچ حروف ہیں۔
(۱) الف (۲) دال (۳) رے (۴) واو (۵) لام۔ الف اشارہ ہے متقطیات کمالیہ کی جانب یہ پانچ ہیں (۱) ذات (۲) حیات (۳) علم (۴) قدرت (۵) ارادہ۔
ذات کے بغیر چار کا وجود نہیں ہو سکتا اور ان چار کے بغیر ذات کا کمال متصور نہیں ہو سکتا۔ دوسری قسم حروف مہملہ کی وہ ہے جو حروف کے ساتھ اور حروف سے متعلق ہوں یہ نو حروف ہیں اور ان سے

انسان کامل کی جانب اشارہ ہے جس میں خمسۂ الٰہیہ اور اربعہ خلقیہ دونوں جمع ہیں۔

حریت : اس کے تین مراتب ہیں ۔حریت عوام ۔حریت خواص ۔حریت خاص الخواص ۔ حریت عوام خواہشات نفسانی سے پاک ہونا۔ حریت خواص اپنے ارادہ کو ارادہ حق پر مٹا دینا ۔ حریت خاص الخواص اپنی خودی کو مٹانا اور اپنی ہستی کو تجلی نور الانوار میں محو کر دینا ۔

حریت کہتے ہیں خلاص ہونا سالک کا قیود اغیار سے ۔ اس کے چند مراتب ہیں حریۃ عوام یعنی خلاص ہونا قیود و شہوات سے اور حریت خواص یعنی خلاص ہونا قیود مرادات سے بسبب فنا ہو مرادات کے ارادہ حق میں اور حریت خاص الخواص یعنی خلاص ہونا رسوم اور آثار سے بسبب محویت کے تجلی نورالانوار میں ۔

حسرت : رسالہ عشقیہ میں محبت کے دس مراتب درج ہیں اور ہر مرتبہ کے پانچ مدارج ہیں موّدت کے مدارج میں تیسرا درجہ حسرت ہے ۔

حسن : کمال اعتدال کا نام ہے ہر شئے میں ۔نیز مراد ظہور حقیقت ہے ، لباس مجاز میں حسن عموماً جزوی خوبی کو کہتے ہیں ۔

حسن و جمال : خوش نمائی ، دل کشی ، وہ کشش جو اپنی طرف کھینچے ، حسین ایک یا چند اعتبارات سے دلکش ہوتا ہے اور باقی اعتبارات سے دلبری کی شان سے خالی پایا جاتا ہے ، مجموعہ خوبی کمال ، برعکس اس کے جمیل جملہ اعتبارات ظاہری اور باطنی سے جاذب ہوتا ہے اس میں ایک بات بھی ایسی نہیں ہوتی جو حسن سے خالی ہو اللّٰہ جمیل و یحب الجمال اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے ۔ اس کی ہر بات میں حسن ہے ہر ادا میں دل کشی ہے۔ اصطلاح شرعی میں معاملات حسن کی بابت حق و باطل کا جو استعمال ہوتا ہے اس کے صرف یہ معنی ہیں کہ ایک حق دوسرا باطل ۔ یہ جمالی دوسرا جلالی ، ایک پر نظر ڈالنا یعنی نور حق کے پرتو کو اس لباس حق میں دیکھنا شرعاً جائز ہے اور دوسری قسم پر نظر ڈالنا اور غلط نظر ڈالنا یعنی نگاہِ شہوت سے دیکھنا شرعاً ممنوع ہے ۔

حشر و نشر : ا.حشر ونشر سے مراد ہے تعینات عالم کا وحدت کی جانب رجوع ہونا اور یہ ہر لحظہ ہوتا رہتا ہے ، نشر کہتے ہیں اس بسط کو جو فیض رحمانی کی بدولت حقیقت واحدہ کو صور کثرات میں ظاہر کرتا رہتا ہے اور یہ بھی ہر لحظہ ہوتا رہتا ہے ۔

۲. مراد قیامت ہے ۔ اس کے معنی بول چال میں سخت لفظ قیامت میں ہیں ۔

حضرات خمسہ الٰہیہ : اس سے مراد حضرت غیب مطلق حضرت علمیہ یعنی اعیان ثابتہ حضرت غیب برزخی یعنی عالم امر حضرت شہادت مطلقہ یعنی عالم خلق حضرت جامع یعنی انسان کامل ہے ۔

حضور و حضوری : ا. یاد کو کہتے ہیں کیونکہ حق ہر جگہ ہر وقت حاضر ہے اُس سے جس قدر غفلت ہو وہی غائب ہوتا ہے ، قلب کا حاضر ہونا حق کے سامنے اور خلق سے کنارہ کشی کرنا ۔

۲.خلق سے بیزار ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہونا اور مقام وحدیت میں حقیقت محمدیہ ﷺ کو بھی وحدت کہتے ہیں ۔

حفظ العھد : کہتے ہیں بندے کا قیام اس مقام میں جس میں حق اس کے لیے حد مقرر کر دے اور احکامات الٰہی کی بجا آوری اور اس کو ترک نہ کرنا اور اس پر استقامت ہونا ، اوامر اور نواہی کا بجا لانا ۔

حفظ عہد الربوبیت والعبودیت حق : ا.عبد کا ہر کمال حق کو جاننا اور پہچاننا ، ہر خوبی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اور برائی کو اپنی والعبودیت کی طرف منسوب کرنا، یہ اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم ہے اللہ تعالیٰ کا اور ذاتِ حق سبحانہ کے تینوں مراتب داخلی یعنی احدیت ذات بحت ۔ مرتبۂ وحدت۔ حقیقۃ محمدیہ ﷺ مرتبۂ احدیت نفس رحمانی اور حقیقت آدم علیہ السلام ہے ۔

۲. ایک اسم ہے اسماء الٰہی میں سے جس کے معنی سزاوار واجب و راست کے ہیں۔ اصطلاح میں موجود مطلق کو کہتے ہیں۔ یہ اسم تین جگہ پر آتا ہے۔ اول مقام سلب صفات میں جو مقطع الارشاد ہے جس کو لا تعین اور احدیت کہتے ہیں۔

دوسرا مقام وحدت اور علم مجمل جس کو حقیقت محمدی ﷺ کہتے ہیں۔

تیسرا مقام واحدت میں جس کو نفس رحمانی اور حقیقت آدم علیہ السلام کہتے ہیں ۔

حق : اللہ تعالیٰ کو کہتے ہیں بلحاظ اس کے کہ وہ حاضر ہے ، وجودِ مطلق

جو ہر قید سے غیر مقید ہے، ذات حق کے تینوں مراتب داخلی احدیت، وحدت، حقیقت محمدیہ ﷺ مرتبہ احدیت نفس رحمان پر بولا جاتا ہے۔

حق الیقین : شہود حق کو عین مقام احدیت میں اور حق محو ہونا اور باقی بقائے حق رہنا۔ یقین کے تین درجہ ہیں۔

(۱) علم الیقین ۔ یعنی معتبر ذرائع اور معتبر دلائل سے کسی چیز کا یقین کے ساتھ علم ہونا۔

(۲) عین الیقین یعنی علم الیقین کے مطابق خود بھی مشاہدہ کر لینا۔ اسی لئے یہ درجہ پہلے درجہ سے بہت قوی ہوتا ہے۔

(۳) حق الیقین یعنی کسی شے کا اس درجہ یقین ہوجائے کہ عالم اس کی ماہیت میں مستغرق اور فنا ہو جائے۔ یہ درجہ عین الیقین سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ یہ درجے یقین کے عام طور پر ہیں۔

حضرات صوفیا کی اصطلاح میں تین طرح بیان کیا جاتا ہے ایک یہ کہ ظاہر شریعت پر عامل ہونا علم الیقین ہے اور اس میں اخلاص اور محبت کا پیدا ہوجانا عین الیقین ہے اور اس کا مشاہدہ حاصل ہوجانا حق الیقین ہے۔ دوسرے یہ کہ اعتقادی طور پر اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا اور سب کا خالق جاننا جس طرح کہ توحید عامہ میں پہلے بیان ہو چکا ہے یہ علم الیقین ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات سے اور اسماء افعال آثار سے اس کی ذات کو پہچاننا درجہ عین الیقین ہے اور اس سے آگے ترقی کر کے ذات بحت تک پہنچنا اور ہر ذرہ میں ذات دیکھنا اور ذات میں جملہ کائنات دیکھنا اور ذات میں فنا ہو جانا درجہ حق الیقین ہے۔ تیسرے یہ کہ اعیان ثابتہ یعنی صور علمیہ جن کا مرتبہ واحدیت میں تقرر ہوا درجہ علم الیقین ہے اور مرتبہ وحدت یعنی حقیقت محمدیہ ﷺ درجہ عین الیقین ہے اور مرتبہ احدیت درجہ حق الیقین ہے۔

حقائق الاسماء : ہر اسماء کی نسبت ذاتیہ کہ جس کی وجہ سے ایک اسم دوسرے اسم سے متمیز ہوتا ہے جیسے کہ سمیع ۔ بصیر، بعض کے نزدیک اسماء کونی کے جو اسماء الٰہی ہیں ان کو حقائق الاسماء بھی کہتے ہیں۔

حقائق الاشیاء : صور علمیہ یعنی اعیان ثابتہ کو کہتے ہیں جو کہ مرتبہ واحدیت یعنی تعین ثانی میں علم الٰہی میں مقرر اور متعین ہوتی ہیں۔ ان کو حقائق الممکنات اور ازال الممکنات بھی کہتے ہیں۔

حقائق القلوب : عالم برزخ یعنی عالم مثال کا نام ہے۔

حقائق الٰہی : ان اسماء الٰہی کلیہ کو کہتے ہیں جن کے ماتحت یہ تینوں عالم ہیں یعنی عالم ارواح، عالم مثال، عالم اجسام۔ ان سب کا نظم نسق ان ہی اسماء کے ذریعہ سے ہوتا ہے اسی لئے ان اسماء کو ارباب کہتے ہیں اور ظہور ان اسماء کا مرتبہ واحدیت میں ہوتا ہے تعداد ان کی ۲۸ ہے۔ بدیع۔ باعث۔ باطن۔ آخر۔ ظاہر۔ حکیم۔ محیط۔ شکور۔ غنی۔ مقتدر۔ رب۔ علیم۔ قاہر۔ نور۔ مصور۔ محصی۔ مبین۔ قابض۔ حی۔ محی۔ ممیت۔ عزیز، رازق۔ مذل۔ قوی۔ لطیف۔ جامع۔ رفیع۔ ان ۲۸ اسماء آلٰہیہ کلیہ سے ۲۸ حقیقتیں پیدا ہوئی ہیں، ان سے تمام عالموں کا اور جملہ کائنات کا ظہور ہوا ہے ان کو حقائق کیانی کہتے ہیں۔

حقائق عینیہ : اس سے مراد وہ امور ہیں جو ذات میں موجود ہیں بلکہ عین ذات ہیں نہ کہ غیر۔ عین سے مراد عین ثابت ہے جو کہ عالم کے اس آئینہ کو کہتے ہیں جو علم حق تعالیٰ میں قبل تخلیق عالم موجود تھا اور اب بھی موجود ہے اسے مقام واحدیت بھی کہتے ہیں۔

حقائق عینیہ سے مراد شہود نسب اعیان ثابتہ ہے جو کہ ذاتِ واحد میں متحقق ہیں۔

حقائق کونی / کونیہ / کیانی : یہ بھی اٹھائیس ہیں کہ اُنہی اٹھائیس اسمائے الٰہی سے ظاہر ہوتے ہیں یہ سب مربوبات ہیں۔ عقل کل۔ نفس کل۔ طبیعت کل۔ جوہر ہبا شکل کل۔ جسم کل۔ عرش۔ کرسی۔ فلک البروج۔ فلک المنازل۔ فلک زحل۔ فلک مشتری۔ فلک مریخ۔ فلک شمس۔ فلک زہرہ۔ فلک عطارد۔ فلک قمر۔ کرۂ نار۔ کرۂ ہوا۔ کرۂ آب۔ کرۂ خاک۔ مرتبہ جماد۔ مرتبہ نبات۔ مرتبہ حیوان۔ مرتبہ ملک۔ مرتبہ جن۔ مرتبہ انسان۔

مرتبہ جامع حقائق الٰہی یعنی اسماء الٰہی کلیہ فاعل ہیں اور یہ حقائق کیانی ان کے مفعول ہیں۔ ان کے ظہور اور اثر سے یہ پیدا ہوئے ہیں۔ ایک ایک نام سے ایک ایک حقیقت پیدا ہوئی ہے یعنی اسم بدیع سے عقل کل پیدا ہوئی۔ بدیع فاعل اور رب ہے۔ عقل کل اس کی مفعول اور مربوب ہے۔ اسی طرح اسم باعث سے نفس کل اور باطن سے طبیعت کل اور آخر یہی جوہر مہاء اور ظاہر سے شکل کل اور حکیم سے جسم کل

اور محیط سے عرش اور شکور سے کرسی اور غنی سے فلک بروج اور مقتدر سے فلک منازل اور رب سے فلک زحل اور علیم سے فلک مشتری اور قاہر سے فلک مریخ اور نور سے فلک شمس اور مصور سے فلک زہرہ اور محصی سے فلک عطارد اور مبین سے فلک قمر اور قابض سے کرہ نار اور حی سے کرہ ہوا اور محی سے کرۂ آب اور ممیت سے کرہ خاک اور عزیز سے مرتبہ جماد اور رازق سے مرتبہ نبات اور مذل سے مرتبہ حیوان اور قوی سے مرتبہ ملک اور لطیف سے مرتبہ جن اور جامع سے مرتبہ انسان اور رفیع سے مرتبہ جامع پیدا ہوئے۔

حقیقت : ہر شئے کی اصل اور ہستی اور ماہیت اور ذات کو حقیقت کہتے ہیں اور اس کا مقابل مجاز اور اعتبار ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا وجود حقیقی ہے اور باقی اعتباری ہے ماسوائے اللہ کو مجازاً موجود کہا جاتا ہے نہ کہ حقیقۃً۔ اور کبھی لفظ حقیقت باطن کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے اس وقت اس کا مقابل ظاہر ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ عالم شہادت یعنی عالم اجسام ظاہر اور مجاز ہے اور باطن اور حقیقت اس کی عالم مثال ہے اور عالم مثال ظاہر اور مجاز ہے عالم ارواح کا کہ وہ اس کی حقیقت اور باطن ہے اور عالم عیان یعنی مرتبہ واحدیت ظاہر اور مجاز ہے مرتبۂ واحدیت یعنی حقیقت محمدیہ ﷺ کا کہ وہ اس کی حقیقت اور باطن ہے اور حقیقت محمدیہ ﷺ ظاہر اور مجاز ہے ذات بحت مرتبہ احدیت کا کہ وہ اس کی حقیقت اور باطن ہے اس سے ظاہر ہو گیا کہ ذات بحت جملہ کائنات کی حقیقت ہے اور سب کا باطن ہے اس لیے اس کو البطن البطون اور حقیقۃ الحقائق کہتے ہیں۔ اور بعض صوفیائے کرام ذات حق کے بے حجاب اور بے تعینات ظاہر ہونے کو حقیقت کہتے ہیں۔

حقیقت الحقائق : ذات بحت مرتبۂ احدیت وجود مطلق کو کہتے ہیں اس لیے کہ وہ جملہ کائنات کی حقیقت ہے اسی سے سب کا وجود ہے۔

حقیقت انسانی : انسان عالم کا خلاصہ ہے۔ حقیقت آدم حضرت جمع۔ حضرت ربوبیت۔ حضرت ارتسام۔ حضرت الوہیت۔ مرتبہ واحدیت کو کہتے ہیں کیونکہ اس مرتبہ میں ذات کا ظہور اپنی صفات میں ہوتا ہے اور ذات کو اپنی صفات کا علم تفصیلی ہوتا ہے اور جملہ کائنات کی حقیقتیں یہیں متعین اور مرتسم ہوتی ہیں اور حقائق الٰہی اور حقائق کیانی اسی جگہ ظہور پاتے ہیں۔

حقیقت عبد : عدم مطلق کو کہتے ہیں اور وہ بجز ایک مفہوم کے کچھ نہیں کیوں کہ وجود حقیقۃً حق کا ہے اور عبد اسی کا ایک اعتباری نام ہے۔

حقیقت محمدیہ ﷺ : تعین اول اور اسم اعظم کہتے ہیں نیز حقیقت انسانی کی اصل حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ حق تعالیٰ نے سب سے پہلا تنزل حقیقت محمدی ﷺ میں فرمایا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اوّلُ ما خَلَقَ اللّٰہ نُوری یعنی پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔

نیز فرمایا کہ کُنتُ نَبِیًا وَّ آدمُ بَینَ المَاءِ وَالطِّین یعنی میں نبی تھا جبکہ آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ آپ ﷺ کل موجودات سے اسبق اور کل مخلوقات سے اکمل ہیں۔

بلحاظ تخلیق کے آپ ﷺ اوّل اور بلحاظ ظہور کے آپ ﷺ آخر ہیں۔ بلحاظ حقیقت آپ ﷺ خلق اوّل۔ تعین اوّل۔ برزخ کبریٰ۔ اور رابطہ بین الظهور والبطون ہیں۔

آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہیں جو سب سے پہلے چمکا اور جس سے تمام کائنات کی تخلیق ہوئی۔ آپ ﷺ اصل ہیں جملہ کائنات کی۔ آپ ﷺ خلاصۃ الموجودات ہیں۔ آپ ﷺ جانِ عالم ہیں۔ آپ ﷺ اجمال ہیں اُن اسماء وصفات کا جن کا ظہور تفصیلی کائنات میں ہے۔ آپ ﷺ ہی عقل اوّل ہیں۔ آپ ﷺ ہی نور نبوت ہیں۔ آپ ﷺ ہی حقیقت ہیں آدم علیہ السلام کی۔

آپ ﷺ ہی اصل ہیں جملہ انبیاء علیہم السلام کی جس طرح آدم علیہ السلام پر تخلیق کائنات ختم ہوئی۔ آپ ﷺ پر تکمیل انسانی ختم ہوئی۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہیں جو اسماء وصفات کے ظہور سے پہلے درخشاں ہوا۔

زماں اور مکاں کے پیدا ہونے سے پہلے چمکا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس نور کو عقل اوّل کے اندر اس طرح جگہ دی جیسے انجینئر کے دل میں مکان کا نقشہ قبل از تعمیر مکان جگہ پکڑتا ہے۔ عقل اوّل روحانیات کی عمارتوں کے لئے بمنزلہ انجینئر کے ہے۔ مکان کی تعمیر کے لئے اینٹ پتھر چونا لکڑی وغیرہ جو سامان فراہم کیا جاتا ہے وہ سب اسی نقشہ کے

تابع ہوتا ہے جو انجینئر کے دل میں محفوظ ہے۔ اسی نقشہ پر مکان کی بنیاد پڑتی ہے اور اسی نقشہ سے مکان کی تکمیل ہوتی ہے۔ غرضیکہ مکان کی ابتدا اور انتہا اور جملہ درمیانی مراتب اِسی نقشہ کے تابع ہوتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے عالم روحانی کا ابداع کیا اور عالم جسمانی کی تخلیق فرمائی تو نورِ نبوت کو عقل اوّل کی ذات سے اس طرح نکالا جس طرح مکان کا نقشہ انجینئر کے ضمیر سے نکلتا ہے۔ چنانچہ اِسی نور سے چاند سورج روشن ہوئے اور اِسی نور سے عرش و کرسی اور لوح و قلم کو قیام ملا۔ اور اِسی نور سے آسمانوں کو ستاروں کے ساتھ رونق دی گئی اور اِسی نور سے زمینیں بچھائی گئیں اور انھیں آباد کیا گیا۔ یہی نور رَبانی آدم کے قلب میں امانت بن کر آیا اور منتقل ہوتے ہوتے پہلوئے آمنہؓ سے ہویدا اور صورتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس نے اختیار کی۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ بِقَدْرِ حُسْنِهٖ وَ جَمَالِهٖ۔

حکمت : اصطلاح فلاسفہ اور لغت میں معنی دانائی اور درست کرداری کے ہیں جس میں اشیاء موجودات خارجیہ سے بحث کی جاتی ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔ طبعی۔ ریاضی۔ الٰہی اور اصطلاح میں حقایق و اوصاف و خواص و احکام اشیا کا جاننا جیسا کہ نفس الامر میں ہیں اور جاننا ارتباط اسباب کا مسبب کے ساتھ اور حقائق الٰہی اور علم عرفان کے اصول کا جاننا مراد ہے۔

حکمت جملہ اشیاء کی حقیقت : افعال۔ خواص۔ احکام۔ آثار کی اصلیت کو صحیح طور پر جاننا اور حقائق الٰہی اور حقائق کیانی سے پوری پوری واقفیت ہونا۔ حضرات صوفیاء کے ہاں حکمت ہے۔

حکمت جامعہ : معرفت حق و باطل، نیکی پر عمل اور برائی سے اجتناب۔

حکمت مجہولہ : وہ اسرار الٰہی جن کی وجہ وقوع سمجھنے سے ہم قاصر ہیں جیسے نیک بندوں کا تکلیف میں مبتلا ہونا یا معصوم بچوں کا کسی مصیبت میں مبتلا ہونا یا مر جانا۔ ان چیزوں کی ایجاد اور وجہ انہی میں پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔

حکمت مسکوت عنہا : وہ اسرار حقیقت جو علما پر ظاہر اور عوام پر ظاہر نہ کئے جائیں کیونکہ وہ ان کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ اگر ان پر وہ ظاہر کر دیئے جائیں تو ان کو بجائے نفع کے نقصان کا اندیشہ ہے اور وہ اس سے انکار کے سبب سے ہلاک ہوتے ہیں۔

حکمت منطوق بہا : علوم طریقت و شریعت کو کہتے ہیں۔

حکیم : وہ حکما جو صوفیا کی نگاہ میں مذموم ہیں، وہ لوگ ہیں جو اشیاء موجودہ کو بطریق استدلال بقدر طاقت بشری جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے علم یا محدود معلومات کے مطابق عمل کرنے پر مصر رہتے ہیں برعکس ارباب تحقیق کے جو از روئے کشف حقائق تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

حلاوت حلقہ بگوش : ظہور انوار روحانی کو کہتے ہیں جو مشاہدہ سے حاصل ہوں اور مجرد عن المادہ ہیں۔ صاحب استعداد جو کلام الٰہی کے قبول کرنے کی استعداد رکھتا ہو۔

حلول : ایک شئے موجود کا دوسری شئے موجود میں داخل ہونا جیسے پانی۔ گھڑے میں جو چیز حلول کرتی ہے اس کو حال اور جس میں حلول کرتی ہے اُس کو محل کہتے ہیں، صوفیا کہتے ہیں ہر مطلق ہر مقید میں کہ جو اس کے تحت میں ہو ساری ہے۔

حلول و اتحاد : اس میں دو وجود کا ہونا لازمی ہے چونکہ وجود دراصل ایک ہی ہے اس لئے حلول و اتحاد توحید میں محال ہے اور موحد پر حلولی یا اتحادی ہونے کی تہمت لگانا سراسر لغو اور ظلم ہے۔

حمد : حق تعالیٰ کی عظمت و جلال و کبریائی کا بیان اور اس کی ثناء و صفت۔ منعم حقیقی کے انعامات کا احساس بذریعہ زبان اور دل سے اس کا اظہار۔

حواس : حاسہ کی جمع۔ یہ دو قسم کے ہیں ایک حواس دماغی۔ دوسرے حواس قلبی۔ حواس دماغی دس ہیں۔ پانچ ظاہری۔ پانچ باطنی۔ حواس ظاہری پانچ یہ ہیں۔

(۱) قوت باصرہ یعنی دیکھنے کی قوت ہے۔ اس کا فعل بذریعہ آنکھ کے ہوتا ہے اس قوت باصرہ سے اشکال و الوان کا ادراک ہوتا ہے۔

(۲) قوت سامعہ یعنی سننے کی قوت جو آواز کا ادراک کرتی ہے۔ اس کا فعل بذریعہ کان کے ہوتا ہے۔

(۳) قوت شامہ یعنی سونگھنے کی قوت ہے اس سے خوشبو اور بدبو کا ادراک ہوتا ہے۔ اس کا فعل ناک کے ذریعہ ہوتا ہے۔

(۴) ذائقہ یعنی چکھنے کی قوت ہے۔ اس سے ہر شئے کا مزہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کا فعل بذریعہ زبان کے ہوتا ہے۔
(۵) لامسہ یعنی کسی شئے کو چھو کر اور لمس کر کے اس کی سختی و نرمی۔ چکنا پن و کھر دراپن، گرمی و سردی کے محسوس کرنے کی قوت۔ یہ جسم کی تمام جلد میں ہوتی ہے۔
حواس دماغ باطنی یہ ہیں۔
(۱) حس مشترک ہے۔ یہ پانچوں حواس ظاہری کے محسوسات میں تمیز کرتی ہے۔ اس کی جگہ مقدم بطن اول دماغ کا ہے۔
(۲) قوت خیال ہے۔ اس کی جگہ بطن اول کا آخری حصہ ہے۔ اس میں حس مشترک متمیز کردہ اشکال۔ الوان۔ اصوات مزے۔ بو۔ کیفیات۔ لمس۔ اجسام۔ محفوظ رہتے ہیں۔ گویا یہ حس مشترک کا خزانہ ہے۔
(۳) قوت وہم ہے۔ اس کی جگہ دماغ کے بطن اوسط کا آخری حصہ ہے۔ یہ قوت خزانہ خیال کی صور اشیاء کے معنی کا ادراک کرتی ہے۔
(۴) قوت حافظہ ہے۔ یہ قوت ان معانی کو محفوظ رکھتی ہے۔ اس کی جگہ دماغ کا بطن مؤخر ہے۔
(۵) قوت متصرفہ ہے۔ اس کی جگہ دماغ کے بطن اوسط کا مقدم حصہ ہے۔ اس کا فعل یہ ہے کہ خزانہ خیال کی صورتوں کو قوت وہم کے سامنے پیش کرے تاکہ وہ اس کے معنی سمجھے اور قوت حافظہ کے محفوظ شدہ معانی کو بوقت ضرورت وہم کے سامنے پیش کرے اور ان صور و معانی میں ترتیب و تطبیق یا تفصیل کرے اور اسی قوت میں عالم مثال و عقل کے امور منعکس ہوتے ہیں پھر یہ قوت ان کو عالم اجسام کی صور پر ڈھالتی ہے۔
عوام الناس کا خواب یہی ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا نام قوت متفکرہ ہوتا ہے اور جب اس کا فعل صرف صور محسوسات و معانی مدرکات دماغیہ کے متعلق ہوتا ہے تو اسے متخیلہ کہتے ہیں۔
یہ دس حواس دماغی ہیں۔ مادیات و حسیات کی دریافت ان کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور جو امور ان سے بالاتر ہیں ان کے دریافت قلبی حواس کے ذریعہ ہوتی ہے وہ پانچ یہ ہیں۔
صوفیا کے یہاں علاوہ ان حواس کے پانچ حواس اور ہیں، قلب کے لیے مانند حواس ظاہر کے جو یہ ہیں۔
نور یعنی قلب۔ عقل یعنی نفس۔ روح اور سر اور خفی۔ یہ حواس قلبی تزکیہ نفس تصفیہ قلب تجلیہ روح کے بعد کھلتے ہیں۔
راہ طریقت پر چل کر انہیں کے ذریعہ سالک رموز معرفت سے آشنا و اسرار حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے۔ تمام افعال جسمانی میں بھی آلات جسمانی کا محتاج نہیں رہتا۔ وہ جیسا آنکھ کھول کے دیکھتا ہے ویسا ہی بند آنکھ سے۔ جیسا قریب سے سنتا ہے ویسا ہی بعید سے۔ حواس دماغی سے تو صرف اشکال الوان۔ مزے اصوات وغیرہ اوصاف مادیات و ظاہری خواص عالم اجسام وجسمیات معلوم ہو سکتے ہیں اور ان حواس قلبی سے حقائق اشیاء معلوم ہوتی ہیں اور اسرار عالم مثال و عالم ارواح منکشف ہوتے ہیں اور عالم قدس و عالم غیب کی اطلاع ہوتی ہے اور رموز معرفت کی تکمیل ہوتی ہے۔
دماغی حواس کی لذات سے جہت سفلی کی طرف میلان ہوتا ہے اور حضرت حق سے دوری ہوتی ہے اور حواس قلبی سے عالم بالا کی طرف میلان ہوتا ہے اور حضرت حق کی حضوری و قرب میسر ہوتا ہے۔
چنانچہ درجات معرفت کی بناء ان حواس قلبی کی لذات پر ہے۔
ان کو ابواب معرفت کہتے ہیں وہ یہ ہیں۔ خبر۔ اثر۔ نظر۔ لذت نظر۔ استغراق بالمنظور اس کی تشریح یہ ہے کہ دل قلب کا حاسہ سمع۔ لذت و حظ پاتا ہے۔ معشوق و مطلوب حقیقی کی خبر سے اگر وہ غیب میں ہے یا اس کے اثر و نشان سے وقت حضوری کے یہ مقام معرفت کلیمی کا ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اس کے ممتاز فرد ہیں۔
(۱) اس حاسہ سمع قلب گوش دل سے آواز بسیط صوت سرمدی کلام بے جہت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور قوت سامعہ دماغی سے تو صرف کلام مادی صوت جسمانی کا ادراک ہوتا ہے۔ یہ مظہر عالم غیب کا ہے۔
(۲) حاسہ شم (شامہ) قلبی۔ معشوق و مطلوب حقیقی کے اثر و نشان سے حظ پاتا ہے یعنی بلا حجاب خبر کے اثر و نشان معشوق کی لذت حاصل ہوتی ہے جو حضوری حضرت حق ہے۔ اس میں حاسہ سمع قلبی سے زیادہ حضوری ہے۔ یہ مقام معرفت عیسوی ہے اس کے ممتاز فرد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور قوت شامہ دماغی سے صرف خوشبو یا

بدبو معلوم ہوتی ہے لیکن اس میں شے مشموم کا قرب زیادہ ہے اس قرب سے جو قوت سامعہ دماغی میں اپنے مسموع سے ہے کیونکہ بو کا ادراک اتنی دور سے نہیں ہو سکتا جتنی دور سے آواز سنی جاتی ہے اور شئی مشموم کے اجزاء لطیفہ اس قوت تک پہنچتے ہیں ۔ بخلاف اس کے آواز کے ساتھ کوئی جز اس ذی آواز کا کان تک نہیں جاتا ۔ لہذا اس میں قرب زیادہ ہے اور یہ مظہر ہے عالم ارواح کا ۔

(۳) حاسہ بصر قلبی سے عین معشوق دکھائی دیتا ہے اس میں نظر و دیدار معشوق کی لذت ہے ۔ یہاں حجاب اثر و نشان بھی مرتفع ہے یہ معرفت بلاحجاب مقام خلیلی ہے اس کے ممتاز فرد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں اور اسی کے مطابق حاسہ باصرہ دماغی میں شئی مرئی کا قرب زیادہ ہے اور حضوری کامل ہے ۔ شامہ و سامعہ کی حضوری و قرب سے ۔ یہ مظہر ہے عالم شہادت کا ۔

(۴) حاسہ ذوق قلبی، اس میں لذت نظر ہے ۔ اس کا قرب حاسہ بصر قلبی کے قرب سے زیادہ ہے۔ اس میں عاشق کو ذات معشوق میں ایسی محویت ہوتی ہے کہ حسن معشوق سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے (النظر فی الوجہ الحسن یزید النور فی البصر) ترجمہ خوبصورت چہرہ کا دیکھنا نور بصر کو زیادہ کرتا ہے ۔ اس قول سے اس طرف اشارہ ہے ۔

یہ مقام معرفت یعقوبی ہے اس کے ممتاز فرد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔ اس کے مطابق دماغی قوت ذائقہ میں شئی مذوق کا قرب زیادہ ہے اس قرب سے جو آنکھ کو سامنے کی شئے سے قرب ہے اور یہ مظہر ہے عالم مثال کا ۔

(۵) حاسہ لمس قلبی ۔ کا حظ اور لذت یہ ہے کہ ذات حق سبحانہ سے پورا وصل ہو کسی قسم کا حجاب درمیان نہ ہو۔ یہ معرفت کشف حقیقی سے حاصل ہوتی ہے ۔ اس کی معرفت ارفع و اعلیٰ ہے ۔ معرفت خبر ۔ اثر ۔ نظر ۔ لذت نظر سے ۔

یہ معرفت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے اس میں سب سے زیادہ حضوری ہے یہ انتہائے معرفت ہے ۔ اسی کے مطابق قوت لامسہ دماغی کی لذت اور قرب تمام حواس ظاہری کے قرب و لذت سے بہت زیادہ ہے لامس و ملموس بالکل متصل ہوتے ہیں جب اُس کا لذت و ادراک پورا ہوتا ہے اسی وجہ سے تمام جسم میں وہ محیط ہے ۔ باقی حواس ایک ایک عضو سے مخصوص ہیں جیسے آنکھ ناک کان زبان یہ مظہر عین جامعہ کا ہے ۔

یہ پانچوں حواس قلبی ابواب معرفت ہیں اور پانچوں حواس دماغی ظاہری انکا نمونہ ہیں جس سالک کے یہ ابواب معرفت کھل جاتے ہیں وہ ظاہری حواس کی لذات سے بے پروا ہو جاتا ہے بلکہ اس کو ان حواس کی لذت حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف کھینچتی ہے اور جس کے یہ حواس قلبی مفتوح نہیں ہوئے ہیں وہ حواس ظاہری کی لذت جسمانی میں منہمک رہتا ہے اور حضرت حق سے دور ہو جاتا ہے ۔

حیا : کسی کی تعظیم کا وہ خیال جو انبساط سے روک دے۔ کسی کی عظمت کا وہ خیال جو شگفتگی و بے باکی سے روک دے ۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص خدا سے اتنی حیا کرے جتنا کہ حیا کرنے کا حق ہے اسے لازم ہے کہ وہ اپنے سر کی حفاظت کرے اور اس چیز کی جو اس کے سر میں بھری ہے اور پیٹ کی حفاظت کرے مع اس چیز کی جس پر پیٹ شامل ہے اور اس کو موت و ہلاکت کو یاد کرنا واجب ہے اور جس کو آخرت کا حاصل کرنا منظور ہو اسے دنیا کی آسائش کو چھوڑ دینا چاہیے جس نے ایسا کیا بے شک اپنے خدا سے حیا کی، جیسی حیا کرنی چاہیے ویسی حیا کی .

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں خدا کی نعمتوں کو دیکھنا اور اپنی تقصیر پر نظر کرنا ان دونوں کے درمیان ایسی حالت پیدا ہوتی ہے جسے حیا کہتے ہیں ۔ خدا کے حضور ترک دعویٰ بھی حیا ہے ۔

(۱) ارتکاب گناہ کی حیا : حضرت آدم علیہ السلام کا احساس شرمندگی ۔

(۲) حیائے تقصیر : ماعرفناك حق معرفتك اور ماعبدناك حق عبادتك ۔ ہم نے آپ کو ایسے نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے۔

(۳) حیائے اجلال : اسرافیل علیہ السلام کا خدائے برتر کی شان جلالت کا مشاہدہ کر کے حیا سے اپنا منہ اپنے پروں میں چھپانا ۔

(۴) حیائے کرم اخلاق : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کو کھانا کھلا کر یہ کہتے ہوئے شرماتے کہ بس اب جاؤ ۔

(۵) حیائے حشمت : حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک مسئلہ مذی کو

دریافت کرنے کے لیے مقدار بن اسود کے ذریعہ معلوم کرتے ہیں ۔
(۶) حیائے استحقار : یعنی کسی چیز کو اتنا حقیر سمجھنا کہ اس کا ذکر کرتے ہوئے شرم آئے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی پروردگار مجھے کچھ دنیا کی ضرورت پیش آئی ہے لیکن شرم آتی ہے ، اللہ نے فرمایا تم ہر چیز مانگو یہاں تک کہ اپنے آٹے کا نمک اور بکری کا چارہ بھی ۔
(۷) حیائے انعام : کسی پر مہربانی کرنا اور اس کے اظہار سے شرمانا ، یہ اللہ عزوجل کی حیا ہے کہ وہ اپنے بندے کو پل صراط عبور کر جانے کے بعد ایک سربمہر تحریر عطا فرمائے گا جس پر لکھا ہو گا تو نے جو کچھ کیا وہ کیا ، مجھے حیا آتی ہے اسے ظاہر کروں ، جا تجھے بخش دیا ۔
حیات : آگاہی ،شعور ،ظہور ، بروز ، کسی شے کا شے ہونا اس کی حیات ہے اور وہ اللہ کی حیات ہے جس سے سب چیزیں قائم ہیں ۔ حق تعالیٰ بالذات موجود و زندہ ہے اور اس کی حیات حیات تامہ ہے اور موت اسے لاحق نہیں برعکس مخلوقات کے جو صرف اللہ ہی کے واسطے سے موجود ہے اور حیات اضافی رکھتی ہے ، حیات موت کے مقابلہ میں۔
حیات اقتضائی : حسبِ اقتضائے ذاتی واقع ہوتی ہے : جیسے تجدد امثال اور سموں و بروز۔ اسے حیات بعد الممات بھی کہتے ہیں ۔
حیات اضطراری : حیات ابدی ہے جو عالم برزخ اور عالم ملکوت میں حسب استعداد اور حسب حالت عطا فرمائی جاتی ہے ۔
حیاتِ اختیاری : حیاتِ ابدی قلبی بواسطہ تزکیہ و تصفیہ و تجلیہ۔
حیات حسی : وہ حیوانی زندگی جو جملہ حیوانات میں مشترک ہے۔
حیات معنوی : ا.دل کو معشوق حقیقی میں زندہ رکھنے کو کہتے ہیں ۔
حیات معنوی وہ حقیقی اور روحانی زندگی جو (۱) جہل و نادانی کی موت سے نکل کر علم و دانش کی زندگی میں آ جانا ۔
(۲) تفرقہ کی موت سے نکل کر حقیقت کی جانب متوجہ ہونے میں ہمت صرف کرنا ۔
(۳) فقدان و نایافت کی مردنی سے نکل کر وجود و یافت کی حیات سے زندہ ہونا اور اپنی ذات سے فنا ہو کر بقائے حق سے باقی ہونا ۔
حیرت : انکشاف حقیقت پر حیران ہونا، حیرت کی دو قسمیں ہیں ۔
حیرت مذموم اور حیرت محمود ۔
حیرت مذموم نتیجہ ہے جہالت کا اور سبب ہے تنزل کا ۔
اس کی مثال اس جاہل گنوار میں پائی جاتی ہے جس کی شاہی محل کو دیکھ کر نگاہیں خیر ہو جاتی ہیں ۔
حیرت محمود نتیجہ علم کا اور سبب ہے عروج و ترقی کا۔ مثلاً ایک انجینئر کسی اعلیٰ درجہ کی عمارت دیکھ کر متحیر ہوتا ہے اس کا تحیر علم میں اضافے کا باعث ہوتا ہے وہ ایسی چیزوں کا مبصر اور قدردان ہوتا ہے ۔
انکشافِ حقیقت پر ہکا بکا ہو جانا ، سالک کا مرتبہ احدیت میں محو ہونا اور تجلی اسم "ھو" کا مشاہدہ کرنا اس کے لئے مقام حیرت ہے ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی "اے اللہ زیادہ کر تو تحیر میرا" کیونکہ جس قدر حیرت زیادہ ہوگی اسی قدر جامعیت اسماء حق سے استفادہ حاصل ہو گا کیوں کہ حیرت سالک کو کسی مقام پر یا کسی خاص معرفت پر ٹھہرنے نہیں دیتی اور کسی چیز پر نہ ٹھہرنا یہی توحید ذاتی ہے ۔
نیز مرتبہ احدیت میں محو ہونے کو اور عارف کے دیدۂ دل سے تجلی اسم ھو کے مشاہدہ کرنے کو کہتے ہیں ۔
حیرت سے مراد ہے خیال کا کسی چیز کو احاطہ ادراک میں لانے سے عاجز ہونا ۔
یہ عجز کبھی مدرک کے نفس استعداد و کمی علم وضعف ادراک کے باعث ہوتا ہے جو اسماء و صفات کے تفکر میں حارج ہوتے ہیں ۔
سلوک میں انسان اسماء و صفات کے تاثرات و تاثیرات متضادہ سے جن میں بعض یا اکثر اس کے خلاف طبیعت ہوتے ہیں ۔ ہارب ہوتا ہے یا تضاد اسماء و صفات میں پورا غور و خوض بوجہ کاہلی کے نہیں کرتا جس سے اس کی معرفت حاصل ہو بلکہ ان امور خلاف طبیعت سے بھاگ کر تفکر کو ذات کی طرف لے جاتا ہے ۔
ذات تفکر سے ماوراء ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جیسے جیسے وہ ذات کو گرفت میں لینا چاہتا ہے ذات سے بُعد میں پڑتا جاتا ہے اور جب اس میں وہ کامیاب نہیں ہوتا تو اپنی غلطی کا تو قائل نہیں ہوتا اور بجائے خود یہ سمجھ لیتا ہے کہ بزرگان دین کے جو ارشادات متعلق عینیت ہیں وہ سب فرضی و خیالی ہیں اور یہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا

کہ عینیت ذات کا ادراک بزرگان دین نے تخیل و تفکر سے نہیں کیا ہے بلکہ تفکر سے اسماء و صفات کے حقائق دریافت کر کے ان کے ذریعہ سے ذات میں فنا حاصل کی ہے۔
عینیت ذات کا ادراک اس فنا سے کیا ہے جہاں ادراک کی بھی گنجائش نہیں ہے بلکہ بے ادراکی سے اس کا ادراک ہے اور بے ادراکی سے ادراک کیونکر ہے اس کی کیفیت بلا حصول فنا کے محسوس نہیں ہو سکتی اور نہ بیان میں آ سکتی ہے اور اسی غلطی کا نام حیرت مذمومہ ہے جو باعث حرمان ہے اور کبھی عجز عن الادراک اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ چیز جس کی ادراک کی کوشش ہے وجہ لطافت ادراک سے باہر ہے لہٰذا خیال اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔
اہل عرفان نے اس کی تحقیق یوں کی ہے کہ ادراک چونکہ ذات ہی کی صفت ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ذات ادراک سے الطف ہو ایک اور دوسرے یہ کہ ادراک کرنے والی چیز تو ذات ہی ہے پس اس کا ادراک چاہا جانا یہ ہی اس کا مرتبہ ذاتی سے مرتبہ صفاتی میں لانا ہے اور چونکہ صفات میں بھی بجز اسی ذات کے اور کچھ نہیں ہے تو جس قدر حقائق و معارف کو صفات میں پائی جاتی ہیں وہ سب ذات ہی کا شہود ہیں غیر نہیں لہٰذا عینیت یکجہتی ذات میں ہے اور تفکر و معرفت اسما و صفات میں اور اسماء و صفات بے نہایت میں جن میں اسی ذات کے کمال کی تفصیل ہے اور اس کا سلوک یہ ہے کہ سالک تفکر و عرفان میں حد و حصر سے نکل جائے اور بے نہایت ہو جائے اور کسی چیز کی معرفت میں بس نہ کرے تا وقت کہ اس کا ادراک نہ کرے کہ اس کا اول و آخر مبداء سے کیونکر وابستہ ہے اور پھر کسی معرفت پر ٹھہرنا نہیں چاہیے کیونکہ ذات کا ظہور متضاد و اسماء و صفات میں ہے اور وہ ان متضاد کا جامع ہے لہٰذا سالک کو بھی جامع متضادات ہونا چاہیے اور یہی حیرت حسنہ حیرت محمودہ ہے جس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی اَللّٰھم زِدنی تحیرا کیونکہ جس قدر حیرت زیادہ ہو گی اسی قدر جامعیت اسماء حق سے استفادہ حاصل ہو گا کیونکہ حیرت سالک کو کسی مقام پر یا کسی خاص معرفت پر ٹھہرنے نہیں دیتی اور کسی چیز پر نہ ٹھہرنا ہی توحید ذاتی ہے۔

خ

خاتم: وہ شخص ہے جس نے تمام مراتب اور جملہ مقامات طے کر لیے ہوں اور کمال کے انتہائی مرتبہ کو حاصل کر چکا ہو جس طرح نبوت اور ولایت دونوں کے خاتم ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صرف ولایت کے خاتم حضرت امام مہدی علیہ السلام ہیں۔
خاتم اصغر: ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس میں تصرفات معنوی کے ساتھ تصرفات صوری جمع نہ ہوں گے۔
خاتم اس نوع کے حضرت محی الدین عربی صاحب فتوحات مکیہ ہیں آپ کو خاتم اصغر کہتے ہیں۔
خاتم اکبر: ولایت عامہ جس کے خاتم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں آپ کے بعد اصلاً کوئی ولی نہیں آپ خاتم اکبر ہیں آپ کے بعد بس قیامت ہے۔
خاتم صغیر: ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ خاتم اس کے امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ آپ کے بعد کوئی ولی سلطان نہ ہو گا۔ آپ خاتم صغیر ہیں۔
خاتم کبیر: ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ خاتم اس کے مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ آپ کو خاتم کبیر کہتے ہیں۔
خارجِ اول: عالمِ ارواح اور خارجِ ثانی عالمِ مثال اور خارجِ ثالث عالمِ اجسام۔ ان تینوں عالموں کو مراتب خارجی کہتے ہیں کیونکہ ذات کے وجود خارجی کے مظاہر یہی تین عالم ہیں۔ جس طرح کہ احدیت اور وحدت اور واحدیت ذات کے مراتب داخلی اور بطون کہلاتے ہیں۔
خارِ رہ: اپنی ہستی اور اپنی خودی کو کہتے ہیں اور ہر مصیبت کو جو سلوک میں پیش آئے، موانعات راہ سلوک۔
خار بدل سے محبت مراد ہے۔ اول سے مصائب سلوک مراد ہیں اور دوسرے سے محبت۔
خاطر: جو خطاب دلبر وارد ہو وہ وارد جس میں سالک کو اختیار نہیں یہ چار طرح پر ہے اول ربانی کو کبھی خطا نہیں کرتا اور کبھی موت اور

کبھی تسلط اور دم انقطاع سے شناخت کیا جاتا ہے دوسرا ملکی جس کو الہام بھی کہتے ہیں تیسرا انفسانی جس میں حظ نفس شامل ہو اسکو ہاجس بھی کہتے ہیں چوتھا شیطانی جو داعی ہوتا ہے، مخالفت حق کی طرف کلام مجید میں ہے الشیطان یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء خواطر اس کے جمع ہے۔

خاطر اوّل/خاطر ربانی: دل میں جو خطرہ سب سے پہلے کسی امر سے متعلق گزرتا ہے اسے کہتے ہیں ہاجس یا سبب اوّل یا نقر خاطر۔ اس میں خطا کا احتمال نہیں ہوتا۔

خال: نقطہ سیاہ چشم کو کہتے ہیں۔ خال نقطہء وحدت من حیث الحقائق جو مبدء و منتہائے کثرت ہے۔

وحدت حقیقت جو کہ بسیط ہے اور جس نے قلب انسانی میں ظہور کیا اہل کمال کے پاس ثروت دنیا کا ہونا ان کے عارض نورانی پر بمنزلہ خال ہے۔ اس کے چند معنی ہیں۔

(۱) انسانِ کامل کا دل۔ (۲) نقطۂ روح کہ مرکز اس کا قلب ہے جس کو سویدا بھی کہتے ہیں۔

(۳) معصیت کی ظلمت۔ (۴) تجلیِ جلالی۔ (۵) ذات کے مرتبہ خفاء الخفاء کو بھی خال کہتے ہیں کیونکہ نور اس مرتبہ کا سیاہ ہے۔

خال سیاہ: سے مراد عالم غیب اور عالمِ ہستی و نیستی بھی ہوتی ہے اس سے مراد صفات اور لطف الٰہی بھی ہے اور یہی سواد اعظم سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

خانقاہ: شیخ کی قیام گاہ، عالم تنزیہ۔

خانہ: مراد اس خودی سے ہے کہ جس میں وجود ناپید ہو جائے۔

ختام: مقام قربت کی انتہا، حقیقت ذوالجلال والاکرام کے ثابت ہونے سے مراد ہے، اسم ختام تمام مقاماتِ قرب پر منطبق ہے۔

خد: عبادت میں کشف انوارِ ایمانی کے انکشاف کو خد کہتے ہیں (ترجمہ: جدھر منہ پھیرو تم بس اسی طرف اللہ کا منہ ہے)۔

خراب: سالک کا استغراق۔ عشق کی محویت۔

خرابات: مرشد عارف کامل کے باطن کو کہتے ہیں کیونکہ اس کا سینہ گنجینۂ محبت الٰہی ہوتا ہے اور اسرارِ الٰہی سے معمور ہوتا ہے اور بندگانِ خدا اس سے عشق کا فیض حاصل کرتے ہیں۔ نیز تقصیراتِ بشری جو عالم ناسوت میں ہوں، کبھی خرابات سے اشارہ عالم تشبیہ یعنی ہاہوت کی جانب ہوتا ہے۔

خراباتی: وہ پیرِ کامل یا سالک جس نے اپنی خودی اور ہستی مٹا دی ہو اور مقام فنافی اللہ سے آگے عشقِ ذات میں قدم بڑھا کر باقی باللہ ہو گیا ہو، خواہشات نفسانی اور عادات حیوانی میں مبتلا کو بھی خراباتی کہہ دیتے ہیں۔

خرابی: عقل کی تدابیر اور اس کے تصرفات کو خرابی کہتے ہیں۔

خرق عادات: شیخ جو صاحب کرامت ہوتا ہے اس کی کرامت دو طرح کی ہوتی ہیں (۱) کرامت فی اللہ اس کا علم کسی غیر کو نہیں ہو سکتا۔ (۲) کرامت فی الخلق، خرق عادات کی فوری نمائش ہو جاتی ہے مگر یہ مفید نہیں۔

خرقہ: لغت میں پرانے اور پھٹے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں خرقہ پیر کے اُس لباس کو کہتے ہیں جو پیر مرید کرنے کے وقت یا خلافت اور اجازت دینے کے وقت عطا کرے۔ اسے خرقۃ التصوف بھی کہتے ہیں۔ اس میں چند فوائد ہیں۔

اول یہ کہ مرید اپنے شیخ کا سا لباس پہنے تاکہ لباسِ ظاہری میں بھی شیخ کی مشابہت نصیب ہو۔

دوسرے یہ کہ شیخ کے عطا کیے ہوئے لباس سے مرید کو شیخ کی برکات حاصل ہوتی ہیں۔

تیسرے یہ کہ خرقہ عطا کرنے کے وقت شیخ کی ایک خاص حالت ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ شیخ اپنی نورِ بصیرت سے مرید کے حال کو دیکھتا ہے، اس میں جو کچھ کمی پاتا ہے اُسے پوری کرتا ہے اور اپنا جیسا بنا دیتا ہے۔

چوتھے یہ کہ خرقہ کی برکت سے مرید کو شیخ سے محبت بڑھتی ہے اور ہمیشہ کے لیے اتصال قلبی قائم ہو جاتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ خرقہ کی رسم خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاری ہوئی ہے۔ اور احادیث سے ثابت ہے عبدالرحمن بن عوف کو عمامہ، کعب بن زبیر کو اپنی راد، ام خالدؓ حضرت عباسؓ اور ان کے بیٹے کو عمامہ اور گلیم سیاہ عنایت کی۔ خرقہ کی اصل سنت مطہرہ میں موجود ہے۔

سالک اُن عادات کو ترک کر دے جو حظوظ نفسانی سے متعلق ہوں ۔ اہل دنیا کا لباس ان کے ساتھ مجالست ہے۔ اہل تقویٰ کا لباس اہل دنیا سے گریز اور صالحین کی صحبت اختیار کرنا ہے ۔

خرقہ دراصل ولایت شیخ کا سایہ ہے اور اہل ولایت کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے حدیث : تحقیق شیطان حضرت عمرؓ کے سائے سے بھاگتا ہے ۔ شیخ اپنے باطن کے نور سے مرید کے باطن کو دیکھ کر دنیا داروں کا لباس اتروا کر اہل تقویٰ کا لباس پہنا دیتا ہے ۔ خرقہ بارگاہ حق میں مقبولیت کی بشارت ہے۔ خرقہ ارادتِ مرید اور محبت شیخ ہے ۔ جب شیخ اپنے جسم مبارک سے لباس اتار کر مرید کو پہناتا ہے تو شیخ کا حال مرید میں سرایت کرتا ہے ۔ سورۃ الاعراف میں ہے ، لباس جو شرم گاہ کو ڈھانکتا ہے پرہیز گاری کا لباس تقویٰ ہے ۔ خرقہ ارادت مرید کی ارادت اور شیخ کا خرقہ مرید کے لیے وہ کام کرتا ہے جو پیراہن یوسفی نے دیدہ یعقوب کے ساتھ کیا۔

خرقہ تبرک ، شیخ کے احکام شریعت کی پابندی اہل طریقت کا ان امور کی پابندی جو اصلاح حال کا ذریعہ ہو ۔

خرقہ کا رنگ سفید سے صفات نفسانیہ کی کدورتوں سے کلیۃً خلاصی ہے۔ سفیدی باطن کی نورانیت ہے ۔ بہترین جامہ جامہء سفید ہے ۔

خرقہ کا رنگ سیاہ فنا کی منزل ۔ دونوں جہاں اس کے لیے تاریک ہو جاتے ہیں ۔ یہ فنا ہی بقا کا ذریعہ ہوتا ہے ۔

خرقہ زرد عشق کی رنگت ہے ۔

خرقہ سبز سرسبزی اور شادابی پر دلالت کرتا ہے نامرادی اور ہر قسم کی امنگوں کو خیر باد کہہ دینا سرسبزی کا آغاز ثابت ہوتا ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خرقہ حضرت اویس قرنی علیہ الرحمۃ کو عطا فرمایا تھا۔ اور ایک خرقہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مرحمت کیا تھا۔ اس سنت کو مشائخ طریقت نے برابر جاری رکھا ہے۔ اور ظاہری امور کی حفاظت درستی کو بھی خرقہ کہتے ہیں۔ خرقہ کی دو اقسام ہیں ۔

خرقۂ ارادت : شیخ کی طرف سے سالکوں ہی کو عطا ہوتا ہے اور مرید کی ارادت اور شیخ کی محبت کا گواہ ہوتا ہے یہ خرقہ مرید کے لیے وہ کام کرتا ہے جو پیراہن یوسفی نے دیدۂ یعقوب کے ساتھ کیا۔

خرقہ تبرک : شیخ کے احکام شریعت کی پابندی اہل طریقت کا ان امور کی پابندی جو اصلاح حال کا ذریعہ ہو ۔ خرقہ کا رنگ سفید سے صفات نفسانی کی کدورتوں سے کلیتًا خلاصی۔ یہ سفیدی باطن کی نورانیت ہے بہترین جامہ جامہء سفید ہے ۔ خرقہ کا رنگ سیاہ فنا کی منزل دونوں جہان اس کے لیے تاریک ہو جاتے ہیں یہ فنا ہی بقا کا ذریعہ ہوتا ہے ۔ خرقہ زرد عشق کی رنگت ہے ۔ خرقہ سبز سرسبزی اور شادابی پر دلالت کرتا ہے۔ نامرادی اور ہر قسم کی امنگوں کو خیر باد کہہ دینا سرسبزی کا آغاز ثابت ہوتا ہے ۔

خرقہ صوفی رابخرابات بردن خزاں : اس سے اشارہ ہے قید و راستگی سے بھی وارستہ ہونا یعنی علم فنا کو محو کرنے کی طرف بوخزاں معرفت جو مبتدی کو پہونچنے لگی ہو ۔

بعض کے نزدیک خزاں سے مراد انوار و تجلیات کا کم ہو جانا اور سالک کا مقام نامرادی و نیستی میں قدم رکھنا ہے ۔

خشکی ساحل : شریعت جس میں مثل ساحل خشکی کی سلامتی ہے بعض لوگ کمالات معنوی اور احکام علم ظاہر اور بربنائے قسمت ازلی اپنے اوپر غالب پاتے ہیں بہ اقتضائے علم نہ کہ بہ اقتضائے حال ان کی سلامتی بھی اسی روش میں ہوتی ہے ۔

خشم : ظہورِ صفات قہری کو کہتے ہیں ۔

خشوع وخضوع : عجز و انکساری خلوص و محبت کے ساتھ ، بندے کا حق کے ساتھ ہمیشہ باخوف رہنا "کیا وقت نہیں پہنچا ایمان والوں کو گڑگڑائیں ان کے دل اللہ کی یاد سے جو تیرا بجا دین سجا دیں"۔

خضر : نام ہے ایک بڑے اولوالعزم ولی کامل کا جن کا ذکر قرآن شریف میں ہے اور جن کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی اور جن کو اس عنصری جسم کے ساتھ حیاتِ جاوید حاصل ہے۔ اکثر مشکلات کے وقت لوگوں سے ملتے ہیں اور ان کی مشکلات حل کرتے ہیں۔ اور بہت سے بزرگوں کو آپ کی ذات سے فیض حاصل ہوا ہے نیز صوفیا لفظ خضر سے اشارہ حالت بسط کی طرف کرتے ہیں جس طرح لفظ الیاس سے اشارہ حالت قبض کی طرف۔

خط : برزخِ کبریٰ و عالمِ ارواح کو کہتے ہیں۔ جو دائرہ وجود کا قطر

ہے۔ حقیقت محمدی ﷺ من حیث ھی جو کہ شامل ہے خفا و ظہور و کمون و بروز پر۔ مظاہر روحانی میں ظہور حقیقت تعینات ارواح ظہور حیات۔

یہ خط رُخ محبوب پر اس خوبی و لطافت سے کھینچا گیا ہے کہ جامع جمیع دقائق و نکات حسن و جمال بن گیا۔ یہ خط ظہورِ حیات ہے۔ اسے سبزہ زار جان عالم بھی کہتے ہیں۔

خط ایک حدّ فاصل ہے درمیان غیب مطلق اور شہود کے اور دونوں پر شامل ہے۔ رُخ وحدت دن ہے اور خط شب زلف تفرقہ عالم ہے اور خط سَر مبہم زلف کثرت مطلق ہے اور خط کثرت عالم ارواح اور عالم ارواح وحدتِ توسّط ہے درمیان غیب و شہادت کے۔

خط سبز: سے عالم برزخ کی طرف اشارہ ہے جو عالم مثال ہے۔

خط سیاہ: سے عالم غیب اور غیب الغیوب مرتبہء احدیت کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔

خط اشارہ ہے عالم ارواح کی طرف جو اقرب مراتب وجود ہے غیب ہویت کے ساتھ نیز حقیقت کا ظہور مظاہر روحانی میں جس سے مراد تعینات ارواح ہیں۔

بعض کے نزدیک حقیقت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور برزخ کبریٰ مراد ہے۔

خطرہ: ا۔ واضح رہے کہ انسان کے دل پر غیب سے جو واردات ہوتی ہیں جس میں سالک کو اختیار نہیں ہوتا ان کی چار اقسام ہیں۔

[illegible] ربانی جو کبھی خطا نہیں کرتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کریمی اور محض عنایت سے بندہ کے دل پر بلا اس کی کوشش کے ایسی کیفیت طاری ہو جو بندے کو حق تعالیٰ سے قریب کر دے اور مراتب سلوک اور منازلِ قرب طے کرا دے اس کو جذبہ کہتے ہیں۔

دوسرا ملکی جس کو الہام کہتے ہیں۔ یہ بندہ کے دل پر ایسی اضطراری کیفیت خدا کی طرف سے نازل ہو جو بندے کو مجبور کر کے خدا کی طرف متوجہ کر دے اور تمام برائیوں سے اُسے چھڑا دے۔ اسے خطرۂ داعیہ کہتے ہیں۔

تیسرا نفسانی جس میں حظ نفس شامل ہو اس کو ہاجس بھی کہتے ہیں۔ یہ انسان کے دل پر بطورِ خطاب کے اس کی صلاحیت اور اس کی استعداد کے مطابق کچھ وارد ہو۔ اسے خاطر کہتے ہیں۔

چوتھا شیطانی جو داعی ہوتا ہے مخالفت حق کی طرف "شیطان آمادہ کرتا ہے تم کو محتاجی اور بری بات کے لیے"۔

۲۔ خطرہ اس کے چار اقسام ہیں۔

(۱) خطرۂ رحمانی یا خطرۂ ربانی۔ وہ خطرہ ہے جو سالک کو ذاتِ حق سبحانہ کی طرف متوجہ کرے۔

(۲) خطرۂ ملکی وہ ہے۔ جو سالک کو عبادت کی طرف رجوع کرے۔

(۳) خطرۂ نفسانی جو سالک کو حظِ نفس اور خواہشاتِ دنیا کی طرف متوجہ کرے اس کا دوسرا نام ہاجس ہے۔

(۴) خطرۂ شیطانی وہ ہے جو رغبت دلاتا ہے معصیت اور شر و فساد کی اور بجا آوری احکامِ خداوندی کی مخالفت کرتا ہے۔ خطرہ نفسانی ہے جسے ہوا بھی کہتے ہیں۔ شیطان کی طرف سے ہے تو خطرہ شیطانی جسے وسواس بھی کہتے ہیں۔ فرشتہ کی جانب سے ہے تو خطرہ ملکی جسے الہام کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی جانب سے ہے تو خطرہ رحمانی ہے جو اس مان سے وارد ہوتا ہے کہ بندہ کو مغلوب کر لیتا ہے۔ خطرہ نفسانی میں لذات ممنوعہ کا شوق ابھرتا ہے اور شہوت پر آمادگی پیدا ہوتی ہے۔ یہ خطرات دیرپا ہوتے ہیں نفس ضدی اور لذات نفسانی پر اڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ خطرہ شیطانی معصیت کی خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے یہ خطرہ آتا ہے اور جلد چلا جاتا ہے۔ شیطان کا مقصد بندہ کو صرف معصیت میں مبتلا کرنا ہوتا ہے۔ برعکس خطرات نفسانی کے خطرات شیطانی میں قیام نہیں ہوتا۔ خطرہ رحمانی محبت الٰہی دہکانے اور عرفان کا شوق ابھارنے اور ہمیشہ مشاہدہ حق میں رہنے کا شوق پیدا کرنے آتا ہے یہ خطرہ مبارک جب آتا ہے تو جانے کا نام نہیں لیتا دلِ میں مستقل قیام کر لیتا ہے دل کو غیر کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔

۳۔ خطرہ اُس خیال کو کہتے ہیں جو بندہ کو حق کی طرف بلائے اور بندہ اس کی دفع پر قادر نہ ہو۔ خطرہ اگر نفس کی طرف سے ہو تو خطرۂ شیطانی ہے جسے وسواس بھی کہتے ہیں۔

فرشتے کی جانب سے ہو تو خطرۂ ملکی ہے جسے الہام بھی کہتے ہیں حق تعالیٰ کی جانب سے ہے تو خطرۂ رحمانی ہے جو اس شان سے

وارد ہوتا ہے کہ بندہ کو مغلوب کر لیتا ہے اور اس خطرہ کا دفعیہ محال ہو جاتا ہے حالانکہ دوسرے خواطر میں یہ امر لازمی نہیں خطرہ کو خاطر بھی کہتے ہیں۔

خطرۂ شیطانی : میں معصیت کی خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے۔ شیطان بندے کو صرف معصیت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس خطرہ رحمانی محبت الٰہی اور عرفان کا شوق ابھارنے اور مشاہدہ حق کی وجہ سے یہ خطرہ دل کو غیر کی جانب متوجہ نہیں ہونے دیتا ہے۔

خطرۂ نفسانی : میں لذات ممنوعہ کا شوق اُبھرتا ہے اور شہوت پر آمادگی پیدا ہوتی ہے۔ یہ خطرات دیرپا ہوتے ہیں۔ ضدی نفس لذات نفسانی پر اڑنے کی کوشش کرتا ہے۔

خفاء الخفا : مرتبہ سلب صفات اور ذات بحت اور ہویت کو کہتے ہیں۔

خفی : روح میں ایک لطیفۂ الٰہی رکھا ہوا ہے جس کے سبب سے روح پر فیضانِ الٰہی ہوتا ہے اور صفاتِ ربوبیت کی تجلیات وارد ہوتی ہیں۔

خلافت : شیخ جب مرید میں دوسروں کو تعلیم دینے کی استعداد دیکھ لیتا ہے تو اسے خلافت عطا فرماتا ہے۔ خلافت کی سات انواع مروج ہیں۔

(۱) اصالتہً : حضرت فرید الدین شکر گنجؒ کو غیب سے ندا آئی نظام الدین بدایونی راستے میں ہے اسے خلافت دو۔ یہ امر الٰہی تھا بابا صاحب فرماتے تھے نظام الدین بظاہر میرے خلیفہ ہیں مگر بہ باطن اللہ کے خلیفہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب ہیں نیز اس قسم کی خلافت کو خلافت الٰہی بھی کہتے ہیں۔

(۲) اجازۃً : شیخ کسی مرید میں صلاحیت اور استعداد دیکھ کر بہ رضا و رغبت اپنا خلیفہ بناتا ہے اسے خلافت رضائی بھی کہتے ہیں۔

(۳) اجماعاً شیخ کے وصال کے بعد اس کی جگہ پر اس کا خلیفہ اور جانشین بنا کر اسے صاحب سجادہ بناتے ہیں۔ مشائخین کے نزدیک یہ خلافت درست اور معتبر نہیں یہ خلافت افترائی ہے۔

(۴) وراثتہً اس نوعیت کی خلافت کو بھی مشائخین درست نہیں سمجھتے تاوقت کہ شیخ کے باطنی اشارے سے جائز اور قابل عمل ہے۔

(۵) حکماً : شیخ کے وصال کے بعد حکام وقت یعنی عدالت سے یہ جانشینی جائز تو ہوگی مگر یہ بھی درست نہیں۔

(۶) تکلیفاً : مرید پیر سے سفارش یا قوت سے خلافت حاصل کرے اس کی وقعت نہیں ہے۔

(۷) اویسیاً : مرید کو ایسے بزرگ کی روحانیت سے جو وصال کر چکے ہوں ان سے تربیت حاصل ہو اور خلافت بھی عطا ہو۔ اسے متقدمین تسلیم کرتے ہیں۔ متاخرین مستند نہیں سمجھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب مرید فنا فی الرسول اور جبروت تک پہنچ جائے اسے خلافت دینا جائز ہے۔

خلافت میں اجازت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اجازت مطلقہ۔ (۲) اجازت نیابتی۔ اس خلافت کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) صغریٰ (۲) کبریٰ خلافت صغریٰ جو شیخ حسن ظن سے مرید کی محنت اور ریاضت دیکھ کر دیتا ہے۔ خلافت کبریٰ یہ ہے کہ شیخ کے دل پر بار بار الہام حق وارد ہو اور شیخ اس کی تعمیل کرے۔ یہی خلافت اصل ہے۔ اسے نیابت مطلقہ بھی کہتے ہیں اور سجادگی بھی۔ یہ شیخ کے حال اس کے راز اور اس کے سجادہ کا وارث ہوتا ہے۔

خلاء و ملاء : خلا عالم تنزیہ وھویت محضہ اور ملاء عالم تشبیہ۔

خلت : حق تعالیٰ کا بندہ کا دوست ہو جانا۔ اس بندہ کے لفظ کن سے تمام عالم متاثر ہونے لگیں۔ حضرت ابراہیم کی آواز پر مردہ پرندے زندہ ہو گئے۔

خلع العادات : ا۔ یعنی صفاتِ ذمیمہ اور خواہشاتِ نفسانی کو اپنے دل سے اس طرح نکال دینا کہ کبھی ان کا خیال بھی نہ آئے اور ہمہ تن خلوص و محبت کے ساتھ بجا آوری احکامِ الٰہی میں ثابت قدم رہنا۔ ۲۔ کہتے ہیں عبد کا تحقیق حق کے ساتھ ایسا کہ ہر فعل میں موافقت حق کے ساتھ ہو۔

خلع بدن : ایک حالت جس میں روح صورت مثالی کے ساتھ نکل کر عالم بالا کی سیر کرتی ہے اور جسم کو کپڑے کی طرح اتار کر الگ ڈال دیتی ہے یہ جبروت کی ابتدائی حالتوں میں سے ایک حالت ہے۔

خلق : ا۔ ذات کے تینوں مراتبِ خارجی یعنی عالم ارواح، عالم مثال، عالم اجسام کو عالم خلق کہتے ہیں۔ ۲۔ افعال الٰہی کے مراتب میں خلق دوسرا مرتبہ ہے یعنی ایک واسطے سے دوسری چیز پیدا کرنا۔ حق تعالیٰ نے بلاواسطہ بلا کسی وسیلہ کے عقل اول کا ابداع فرمایا پھر عقل اول کے وسیلہ سے نفسِ کل کو خلق فرمایا۔ ۳۔ عالم کو کہتے ہیں جو موجود بالمادہ ہوا ہے جیسے افلاک اور عناصر اور موالید اور اس کو عالم شہادت اور عالم ملک بھی کہتے ہیں۔

خلقِ جدید : کہتے ہیں حق کی طرف سے بندے پر فیض کا وارد ہوتے رہنا۔ تمام ممکنات کو وجودِ ذات کے مرتبۂ واحدیت (جس کو نفسِ رحمان بھی کہتے ہیں) سے عطا ہوتا ہے اور اس کی کیفیت اس طرح ہوتی ہے کہ ہر لحظۂ ہر آن ایک شکل بنتی ہے اور بگڑتی ہے۔ کہیں ظاہر کہیں گم اس تغیر اور اس بناؤ بگاڑ کا سلسلہ برابر ہر آن جاری ہے یعنی اس عالم میں جو چیز موجود ہے ۔ وہ ہر وقت متغیر ہوتی رہتی ہے۔ ایک طرف تو اس میں ہر وقت نیا نیا اضافہ ہوتا رہتا ہے ، دوسری طرف ایک نہ ایک چیز اس کی گم اور کم ہوتی جاتی ہے اسی ہر آن کے تغیر کو خلقِ جدید کہتے ہیں۔ گویا یہ عالمِ وجودِ عدم کا ہر وقت تختۂ مشق بنا ہوا ہے۔

خلوت : ماسوائے اللہ کی محبت اور غیر اللہ کے خیال سے دل کو خالی کر کے اللہ کی محبت میں مستغرق ہو جانا اور اپنی ہستی سے بیگانہ ہونا خلوت ہے اور بعض صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ بندہ اور مولیٰ میں وہ راز و نیاز اور اسرار کی باتیں ہونا جس کی کسی کو خبر نہ ہو خلوت ہے۔

خلوتِ در انجمن : ۱. بظاہر مخلوق کے ساتھ اور بہ باطن حق تعالیٰ کے ساتھ رہنا۔

۲. حضرات نقشبندیہ کی گیارہ اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح خلوت در انجمن بھی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ بظاہر مخلوق کے شامل رہے اور بباطن مشغول بحق رہے۔ (النور ، ۲۴ : ۳۷)۔ (ترجمہ : یعنی وہ مرد کہ نہیں غافل کرتی ان کو تجارت نہ دوکانداری اللہ کی یاد سے'')۔

خلیل : اس کو کہتے ہیں جس میں محبت غالب ہو اور معشوق حقیقی پر بھی اطلاق کرتی ہو یہ مراتب محبت کا چھٹا درجہ ہے۔

خلیفہ : اصطلاح میں انسان کامل کو خلیفہ حق کہتے ہیں اور خلیفہ اس شخص کو بھی کہتے ہیں جس کو اپنا قائم مقام کریں جیسے کہ خاتم الانبیاءﷺ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ ہیں اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے چار خلیفہ حضرت امام حسنؓ و حضرت امام حسینؓ و حضرت بصریؒ و حضرت کمیل ابن زیادؒ انہیں چار پیر کہتے ہیں اور انہیں سے چودہ خانوادہ جاری ہوئے ہیں۔

خم : مقام تمکین اور علو مکانت کو کہتے ہیں مجازاً قلب عارف مراد ہے جس پر برابر فیضان کا ورود ہوتا رہتا ہے۔

خم زلف : عالم خلق اور تعینات کو کہتے ہیں۔

خَمار/خُمار: بفت بادہ فروش یعنی مرشد کامل کو کہتے ہیں ۔ بضم اول و فتح دوم یعنی خمار عبارت ہے سرور سے اور تیسرا اول یعنی خمار عبارت ہے حجاب سے کہ جس میں محبوب اپنے کو متحجب کرے بعض کہتے ہیں اس سے مراد رجعت ہے مقام وصول سے اور بعض کے نزدیک ظہور وحدت و کثرت مراد ہے محبّ و محبوب کے درمیان حجاباتِ عزت کا آ جانا رخِ وحدت پر پردہ ہائے کثرت کا نمودار ہو جانا ، مقام تلوین میں ہونا ۔

خماری چشم : سالک کی لغزشوں اور تقصیروں پر پردہ ڈالتی ہے۔

خمخانہ : عالم تجلیات کو کہتے ہیں اور عالم غیب و شہادت اسماء و صفات کے ظہور کا عالم ، قلب بھی خمخانہ ہے جہاں تجلیات کا ورد ہوتا رہتا ہے۔

خناس : دل میں وسواس پیدا کرنے والا شیطان۔ دل میں دو دروازے ہیں ، ایک اوپر ایک نیچے۔ اوپر والا دروازہ جسم سے متصل ہے اور نیچے والا روح سے۔ خناس ان دو دروازوں کے اردگرد مکڑی کا سا جالا بن کر قابو پاتا ہے خطرات اور وساوس باطلہ دل میں پھونکتا رہتا ہے ۔ خناس کی صورت اژدھے کے مانند ہوتی ہے اس کی دم پر زہر یلے کانٹے ہوتے ہیں جن سے وہ دل کو مسموم کرتا رہتا ہے اور دل میں سیاہی پیدا کر دیتا ہے ۔

طعام ناجائز اور لقمہء مشکوک سے اور غفلت سے اور عبادت میں کاہلی بے رغبتی اور بے توجہی سے خناس فربہ ہوتا ہے ۔ توبہ استغفار ، پاس انفاس ، ذکر و فکر اور مراقبہ سے وہ ضعیف ہو جاتا ہے اور دل میں صفائی اور نورانیت پیدا ہوتی ہے ، جس دم کی حرارت سے دل کی چربی پگھلنے لگتی ہے خناس مضمحل ہو جاتا ہے ۔ جس دم تصفیہ قلب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

خنجر : اس سے مراد جاذبہ تنزیہی ہے جو ہستی سالک کو فنا کر دیتا ہے۔

خندہ : اس سے مراد تجلی ظہوری ہے جو انبساطِ ذات کی طرف منسوب ہے۔

خواب : فنائے اختیاری جو عالم بشریت سے ہو۔ سچا خواب ایک زبان ہے جس میں حق تعالیٰ اپنے بندہ سے باتیں کرتا ہے۔ عالم غیب کی خبریں انسان تک پہنچائی جاتی ہیں۔ یہ رویائے صادقہ بھی ہوتے ہیں ۔

یہ قسم اول ہے۔
قسم دوئم کے خواب میں نفس کی آزمائش ہوتی ہے یہ خواب نفسانی کہلاتے ہیں۔
قسم سوئم کے خواب نفس امارہ والوں کے خواب ہیں انہیں خواب پریشانی، خواب شیطانی اور احتلام شیطانی بھی کہتے ہیں نیز خواب کو ہستی مجازی بھی کہتے ہیں۔
خودی: انانیت کو کہتے ہیں یہ دو قسم پر ہے ایک اپنی خودی اور دوسری حق کی جس کو انا مطلق کہتے ہیں۔
خورشید عیانی: تجلی ذات احدی۔
خوف: اسے کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو امر مکروہ سے بچائیں اور بجا آوری احکام حق میں عبودیت کے ساتھ سرگرم رہیں۔
سارا ایمان خوف ہے اور سارا کفر بے خوفی۔
خیال: تعینِ اوّل یعنی حقیقتِ محمدیہ ﷺ کا نام ہے اس لیے کہ ذات نے اپنے ظہور کا اسی مرتبہ میں خیال اور تصور فرمایا ہے اور خیال سے مراد حق بھی ہے یعنی جو خواب یا بیداری میں تصور کرے یا دیکھے اور کل فضا جس میں یہ عالم خلق واقع ہے حضرت حق کی وسعت خیال ہے۔
وہ نکتہ جس سے سلوک کی ابتدا ہوتی ہے اسی پر سلوک کی انتہا بھی ہے۔
یہ تمام عوام کا ہیولیٰ اور عوالم کی روح کی زندگی ہے خیال ہی تمام عوالم کی اصل ہے اور خیال دراصل ایک نیند ہے۔
مفہوم حدیث: سب لوگ سو رہے ہیں، جب وہ مر جاتے ہیں تب جاگتے ہیں، یعنی وہ حقائق جن پر کہ وہ دنیا میں تھے مرنے کے بعد ان پر ظاہر ہوتے ہیں ہر گروہ ہر عالم میں کسی خیال کے اندر مقید ہے۔ اہل دنیا اپنے معاش کے خیال میں ہیں۔ اہل جنت و جہنم نعمت اور عذاب میں مشغول ہیں۔ یہ لوگ دراصل سو رہے ہیں جو شخص اللہ کے ساتھ حاضر ہے وہ جاگتا ہے۔ جس قدر اس کا خدا کے ساتھ حضور ہے اسی قدر اس کی بیداری ہے۔ مثلاً اہل برزخ سو رہے ہیں اگر ان کا سونا دنیا کے سونے سے کم ہے۔ سونا عالم خیال میں رہنے کا نام ہے۔ بجز اہل حق کے کوئی بیدار نہیں۔ اہل دنیا کا خیال قابل اعتبار نہیں۔

د

دادار: اسم باسط کی صفت کا ظہور۔
دارُالاسباب: دنیا، عالم ناسوت، عالم صورت جو کہ محل ہے ظہور حکمت کا، حکمت کا اظہار مدارج کی مختلف نمائیوں پر موقوف ہے۔ برعکس قدرت کے جس کا محل ظہور عالم معانی ہے جہاں امور دفعی طور پر واقع ہوتے ہیں۔
داعی الی اللہ: دنیا اور رجوع الی اللہ کے درمیان یہ ایک برزخ ہے جو مومن اور کافر سب پر وارد ہوتا ہے ہر شخص پر کسی نہ کسی وقت ایک حالت طاری ہوتی ہے جس میں ذات الٰہی کی جانب اسے میلان پیدا ہوتا ہے ایسے وقت کو غنیمت جان کر ہمت سے کام لیا جائے تو اس حال کی کثرت اور اس میں قوت پیدا ہوتی ہے ورنہ یہ واردات ضائع ہو جاتی ہے۔ اس قسم کا ورود قلب انسانی سے مسدود ہو جاتا ہے۔
داغِ دل: اس سے مراد جذب عشق کا قلب سالک میں مستقل ہو جانا ہے اور دوام یادِ حق بھی اس کو کہتے ہیں۔
دام: مقادیر بے اختیاری اور کشش عشق اور گرفتاری عشق کو بھی کہتے ہیں۔
دانا: طالب مرید صادق اور سالک جو راہِ خدا میں ثابت قدم رہے۔
دبور: نفسِ امارہ کی خواہشات کے غلبہ کو دبور اور جذبات حقانیہ کے غلبہ کو صباء کہتے ہیں، ریح دبور سے پیدا ہوتا ہے۔
دُر: عارفوں کے وہ الہامی الفاظ جن سے اسرارِ الٰہی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ مکاشفات و اسرار و اشارات الٰہی خواہ وہ مادی ہوں یا غیر مادی۔ محسوس ہوں خواہ معقول جو کہ حقائق و معارف پر مطلع کریں۔
درازیِ زلف: سے یہ مراد ہے کہ وہ ذات پاک بصفت جمال خواہ بصفت جلال ان تعینات اور تنزلات اور شیونات میں محصور نہیں ہے اس کے مظاہر حد شمار میں نہیں آ سکتے۔ اس ذات کی کسی صفت کی بھی حد

مقرر نہیں ہوسکتی۔ اس کی درازی وطولانی کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا ہے۔

درِ باختن : سالک کا اپنی نظر باطن سے گذرے ہوئے حالات کو دل سے بھلا دینا، احوال ماضی و مستقبل کے محو کرنے اور گزشتہ فراموش کر دینا، نظر باطنی کو ان سے ہٹا لینا۔

درۃ بیضاء : عقل اوّل۔ تعین اوّل۔ یعنی حقیقت محمدیہ ﷺ کو کہتے ہیں۔ حدیث شریف ہے۔ اول ماخلق اللہ درۃ بیضاء اور اول ماخلق اللہ العقل الاول یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے درۂ بیضا یعنی عقل اول کو پیدا کیا۔

درخت : شجرۂ جامعیت یعنی انسان کامل جو کہ مجلّا ہے تجلی ذات وصفات ربانی کا۔ شیخ کامل کے آبِ ارشاد اور مرید صادق کی خاک استعداد سے یہ تخم حقیقت ایک با آور درخت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

جب تخم ظاہر تھا حقیقت شجر اس میں مخفی تھا۔ اب تخم مخفی ہوا تو شجر ظاہر ہوا۔ جب شجر کا ظہور ہوا تو حقیقت تخم اس میں پوشیدہ ہوئی تو قلم لگا کر دیکھ لو انسان اس درخت کا پھل ہے اس پھل میں وہی تخم موجود ہے جس سے اس درخت کی ابتدا ہوئی ھُوَ الاوّل والآخر و الظاہر و الباطن۔

درد : عاشق کی اس حالت کا نام درد ہے کہ غلبۂ شوق اس حد تک بڑھ جائے جو اس کی برداشت سے باہر ہو۔ اس حالت میں عاشق ایسا بے چین ہوتا ہے کہ کسی کل کسی کروٹ آرام نہیں پا سکتا۔ اس بے چینی کا زبان سے بیان محال ہے۔ جس تن لاگے وہی تن جانے۔ اس بے چینی کی ادنیٰ شرح یہ ہوسکتی ہے کہ ایک لحظہ اور ایک آن واحد کی تکلیف ساتوں طبقات دوزخ کی دوامی تکالیف سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کی ایک ادنیٰ تکلیف تمام جہان کی تکالیف سے وزنی ہے۔ اس کی سوزش تمام عالم کی سوزش سے برتر ہے۔ اس کی وہ گرمی ہے جس سے آتش دوزخ جل کر ٹھنڈی راکھ ہو جائے۔

درد سے مراد ہے ٹوٹا دل کا بوجہ تفرق اتصال کے یعنی بوجہ جدائی کے اپنے محل اصلی و مقصود اصلی سے جو باعث حجابات واقع ہوتی ہے خواہ وہ حجابات ظلمانی ہوں یا نورانی۔ اسی لیے کہا ہے کہ طالب کو جنت بے یار کے دوزخ ہے اور دوزخ یار کے ساتھ جنت معلوم ہوتی ہے۔

درد : عاشق کی اس حالت کا نام ہے کہ غلبہ شوق اس حد تک بڑھ جائے جو اس کی برداشت سے باہر ہو۔ اس حالت میں عاشق ایسا بے چین ہوتا ہے کہ کسی کل کسی کروٹ آرام نہیں پا سکتا۔ اس بے چینی کا زبان سے بیان محال ہے۔ جس تن لاگے وہی تن جانے۔ اس بچینی کی ادنیٰ شرح یہ ہوسکتی ہے کہا یک لحظہ اور ایک آن واحد کی تکلیف ساتوں طبقات دوزخ کی دوامی تکالیف سے بدرجہا بڑھتی ہوئی ہوتی ہے اس کی ایک ادنیٰ تکلیف تمام جہان کی تکالیف سے وزنی ہے اس کی سوزش تمام عالم کی سوزش سے برتر ہے اس کی وہ گرمی ہے جس سے آتش دوزخ جل کر ٹھنڈی راکھ ہو جائے۔

درد سے مراد ہے ٹوٹا دل کا بوجھ تفرق اتصال کے معنی بوجہ جدائی کے اپنے محل اصلی و مقصود اصلی سے جو بباعث حجابات واقع ہوتی ہے خواہ وہ حجابات ظلماتی ہوں یا تورانی اسی سے کہا ہے کہ طالب کو جنت بے بار کے دوزخ ہے اور دوزخ بار کے ساتھ جنت معلوم ہوتی ہے۔

دُرد/دُوری : تلچھٹ کو کہتے ہیں اور اس سے مراد جاذبہ حقیقی ذاتی ہے۔

دروں : عالمِ ملکوت کا نام ہے اور بعضوں کے نزدیک عالم النفس کو کہتے ہیں۔

درویش : جو ازروئے حال کے اپنی خودی سے فنا ہو کر اور کشتۂ انوار تجلی ہونے کے بعد بقا بالحق حاصل کر کے مستغنی عن الغیر ہو گیا ہو نیز اللہ تعالیٰ کے سچے طالب اور پکے عاشق کو کہتے ہیں۔

دریا وساحل : ہستی وجود کو عموماً دریا سے تشبیہ دی جاتی ہے اور نطق اس دریائے ہستی وجود کا ساحل ہے، نطق کے دو معنی ہیں ایک تو ادراکِ کلیات۔ دوسرے تکلم علم و ادراک بمنزلہ مغز کے ہیں جس پر صوت و حروف کا غلاف بمنزلہ پوست کے ہوتا ہے۔

دریائے ہستی کا ساحل بدن انسانی ہے کیوں کہ نطق بھی بدن انسان ہی کی ایک صورت ہے اس لیے ساحل دریائے ہستی فی الحقیقت تعین جامعۂ انسانی ہے ۔ جو کہ مشتمل ہے ظاہر و باطن پر دریا کے صدف کی طرح وجود ہستی میں بھی صدف ہوتے ہیں صدف حروف و الفاظ کے اندر سے دانش دل نکلتی ہے جو عبارت ہے حقائق اشیاء و معارف الٰہی کی آ گاہی سے ۔ دریائے ہستی کی امواج نفس انسانی کی صورت میں حقائق ومعارف وعلوم یقینیہ کے درشہوار ملفوظات کاملین اور نصوص قرآنی اور اخبار نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں ۔ وہ علم جو اخلاق ذمیمہ کی آلائش سے نفس کو پاک کرنے کا سبب اور وسیلہ بنتا ہے اس دل میں نہیں آتا جو حب دنیا کا مسکن اور ماسوئ کی قیامگاہ ہو ۔

جس گھر میں حرص دنیا کا کتا اور ماسوائے کی تصویریں ہوں وہاں عالم قدس فرشتہ اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک کہ اسے پاک نہ کیا جائے ۔

دریچہ: سالک کے دل پر انوارِ روحانی جس کا محل دل کا روشن ہونا ہے

دست: صفتِ قدرت اور تجلیاتِ صفات کا نام ہے۔

دست گاہ: جمیع صفاتِ کمالی کی قدرت رکھنا اور جمیع صفات کمال کا حاصل ہو جانا جو باوجود قدرت کے ہو ۔

دف: طلبِ معشوق و مطلوب کو کہتے ہیں ، مرادف بربط و چنگ ۔

دل: وہ لطیفۂ روحانی اور لطیفۂ ربانی ہے۔ وہی حقیقت انسانی ہے جس نے دل کو پہچانا اُس نے خدا کو پا لیا۔ اور جو دل تک پہنچ گیا خدا رسیدہ ہو گیا۔ دل مظہرِ جمال و جلال ہے۔ دلِ آشیانہ ذات لازوال ہے اور بعض لوگ منظر بھی کہتے ہیں خداوند تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے کہ نہ سما سکے مجھ کو زمین و آسماں اور سما لیا مجھ کو قلب عبد مومن نے ۔

دلال: اضطراب وقلق جو غائت عشق و ذوق میں جلوۂ محبوب کے لیے باطن سالک میں پیدا ہوتا ہے ، جلوۂ محبوب کے ذوق وشوق میں جو سالک کو اضطراب اور قلق ہوتا ہے اسے بھی دلال کہتے ہیں۔

دلالت: کہتے ہیں ایک شئے کا ہونا اصطلاح تصوف میں اشارات و بشارات مرشد کو کہتے ہیں جن سے سالک حضرت الوہیت کی طرف ہدایت پاتا ہے ۔

دلائل ثلاثہ: صوفی کے مراتب ثلاثہ یعنی فنا فی الشیخ۔ فنا فی الرسول۔ فنا فی اللہ کو کہتے ہیں ۔

بعض عدم شعور ناظر کو فنا فی شیخ اور محویت منظور کو فنا فی الرسول اور اضمحلال نظر کو فنا فی اللہ کہتے ہیں ۔

دلبر دوست: تجلیِ صفات کو کہتے ہیں اور کبھی دوست شیفتہ محبتِ الٰہی اور دلبر اسم قابض کی صفت کے ظہور کو کہتے ہیں۔

دلبری: دلبری میں صفت خالقی کا اظہار ہوتا ہے اور اندوہ مشقت میں ڈالنے والے نتائج پیدا ہوتے ہیں ۔

دلدار: اس کے کئی معنی ہیں (۱) حقیقت روحی (۲) تجلیات صفاتی کا دلِ سالک پر روشن ہونا (۳) اسم یا باسط کی صفت کا ظہور ہونا۔ دل میں محبت کے اثر سے صفتِ انتسابی پیدا ہونا۔

دلداری: دلداری میں صفت باسطی کا اظہار ہوتا ہے اور نتائج بسط و کشود اور فرحت و انبساط کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں

دلکشائی: صفت فتاحی کو کام میں لا کر دلِ سالک میں انس پیدا کرنا۔

دم: نَفَس یعنی سانس۔ حرکت باطنی یعنی حرکت ذات کو کہتے ہیں چونکہ ہر ذی حیات میں سانس کی حرکت اس کے اختیار سے نہیں ہے بلکہ ذات حق سبحانہ کی قدرت سے ہے۔ اس لیے اس کو ذات کی حرکت کہا جاتا ہے

دیق: تعین کو کہتے ہیں ۔

دیق دہ توی: مجموعۂ حواس ظاہرہ اور باطنہ کو کہتے ہیں ۔

دنیا: حق کی طرف سے غافل رہنا حق کو فراموش کر کے اور اپنی خواہشات میں مشغول اور مسرور رہنا دنیا کی لذت میں ۔دنیا عام طور پر مرنے سے پہلے کی زندگی کو کہتے ہیں حیات بعدالموت کو آخرت کی زندگی دنیا کی زندگی میں آخرت کی اصلاح میں صرف ہو حقیقتاً دنیا کی زندگی نہیں بلکہ پیش خیمہ آخرت ہے ۔ دنیا اصل ہے اور آخرت اس کی فرع جو عمل دنیا کریں گے نتیجہ آخرت میں ملے گا ۔ ایجاد میں بھی دنیا آخرت سے پہلے ہے ۔

دنیا میں جسم اپنی کثافت کی وجہ سے روح دنیا کو فراغت حاصل نہیں کرنے دیتا ۔

روح کسی کو موافق یا ناموافق مناسب نامناسب کو پوری طرح قبول نہیں کرنے پاتی۔ روح دنیا کی لذتوں سے تھوڑا بہت حصہ حاصل کرتی ہے۔ ایک پریشان حال شخص دنیا سے وہ لذت حاصل نہیں کر سکتا جو ایک آسودہ حال شخص حاصل کرتا ہے ۔ دنیا دارالذات اور دارالعجز آخرت دارالعزت اور دارالمقدرت ہے۔ آخرت میں بخشش بے حساب ہے۔ دنیا میں حساب سے ہے ۔صوفیاء کے نزدیک حق تعالیٰ سے غفلت کا نام دنیا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک مذموم دنیا کی تذلیل وتحقیر کی جاتی ہے۔ (دیکھیے سورہ الحدید آیت ۲۰) ۔

دو چشم : جمال اور جلال مراد ہے ۔

دور: نہایت سلوک کو کہتے ہیں یعنی نہایت وہ ہی ابتداء کی طرف پلٹنا ہے۔

دوری : اس عالم کثرت کی باریکیاں اور بیشمار مختلف اقسام کے مظاہر جن کی وجہ سے ذات بحت سے اعتباری دوری ہوتی چلی جاتی ہے۔ معارف کیفیات پرشعور ہونے کو بھی کہتے ہیں اور اس کو عالم تفرقہ اور دقایق بھی کہتے ہیں نیز کیفیات عالم کی خصوصیات سے آگاہی ۔

دوزخ : تجلی جلال۔ صفات نفسانی تجلی جلال ، احکام کثرت۔ وہ عذاب کی جگہ ہے ۔جس میں کافر و مشرک ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا رہیں گے اس کے سات درجے ہیں ۔کبھی دوزخ سے نفسِ امارہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کیونکہ اس کے دام میں آ کر انسان سے وہ فعل سرزد ہو جاتا ہے جس کی سزا دوزخ ہے۔ اور کبھی لفظ دوزخ سے شکم یعنی پیٹ کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان اس پیٹ کی بدولت کیا کچھ کر گزرتا ہے اور کیسی کیسی بلاؤں میں پھنستا ہے ۔

دوست : شیفتہ محبت الٰہی کو کہتے ہیں اور یہی حقیقی دوستی ہے ۔ حقیقی دوست اُن کو کہتے ہیں جو باہم یک دل ہوں یعنی اس کے اطوار و صفات و حالات و عادات وغیرہ سب اس میں پائی جائیں۔ اسی سے حدیث میں ہے کہ جو اللہ کے پاس بیٹھنا چاہے وہ فقراء کے پاس بیٹھے اور یہی فقرا حقیقی دوست ہیں ۔

دوستی : سالک کی شانِ محبت کو کہتے ہیں اور جب سالک پر یہ بات منکشف ہو جائے کہ میری محبت پر خدا کی محبت غالب ہے اسے دوستی کہتے ہیں۔

دوش : ا۔یعنی شانہ یا پشت۔ اصطلاح میں صفت کبریائی حق و عالم از محل تکثیر اسماء و عالم غیب کو کہتے ہیں۔۲۔ ازل ۔۳۔ عالم غیب ۔حق تعالیٰ کی کبریائی۔۴۔محل تکثیر اسماء کثرت ، اسماء ذات ۔

دہن : صفت متکلمی سر خفی جس کا ادراک محال ہے ۔

دہان : یہ لفظ چند معنی پر بولا جاتا ہے۔ (۱) صفتِ حیات یعنی زندگی۔ (۲) صفتِ تکلم و صفت حیات کو کہتے ہیں۔ (۳) سرِ خفی کہ جس کا ادراک بہت مشکل ہے۔

دہانِ شیریں : ذات کی صفت تکلم بطریق تقدیس یعنی بلا مادی آلات کے وہ ذاتِ متکلم ہے اور وہ خارج از وہم وفہم انسانی سے ہو ۔

دہانِ کوچک : اسی کو دہان کوچک بھی کہتے ہیں اور محض صفتِ تکلم کو بھی کہتے ہیں ۔

دیارِ دلدار : عالمِ شہود ہے۔

دید : اِس سے مراد ذات حق کا مشاہدہ ہے ۔

دیدار : دنیا میں دیدۂ دل سے حق کے دیکھنے کو کہتے ہیں یعنی ہر شئے میں ذات حق کو جلوہ گر دیکھنا اور کسی دم ذات حق سے غافل نہ ہونا۔

دیدہ : سالک کے جملہ حالات کی طرف ذات حق سبحانہ کا متوجہ ہونا۔ احوال خواہ خیر کے ہوں یا شر کے۔ نیز چشم بصیرت کو بھی کہتے ہیں ۔

دیر : اصطلاح میں مرشد کامل کے مکان کو کہتے ہیں اور عالم حیرت کو بھی اور عالم باطن کو بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں پہنچنے سے شوق الٰہی حاصل ہوتا ہے اور سالک اسرار الٰہی پر مطلع ہوتا ہے ، مرادف خرابات ہے یعنی مرشد کامل کا باطن بھی ۔ عالم انسانی کو (عالم ناسوت) اور عالم حیرت کو بھی دیر کہتے ہیں۔ خرابات ، عالم معانی ، عالم انسانی باطن عارف ، عالم حیرت اور اسے کلیسا بھی کہتے ہیں ۔

دیوانہ : اس کو کہتے ہیں جو اپنی خودی سے بیگانہ اور طلب حق میں حیران ہو.

دیوانگی : آثار عشقیہ کا سالک پر غلبہ ہو جانا یعنی حالتِ سکر کا طاری ہونا اور یہ مقام محفوظ ہے منجانب اللہ ، احکام عشق جس میں ہمہ تن

خراباتیت ہی ہے۔

دیہ: یہ وجودِ مستعار ہے گویا روح کے لیے یہ جسم گاؤں ہے کہ روح چند روز اس میں قیام پذیر ہوتی ہے۔

ذ

ذات: ذات وجود ہستی۔ وجود مطلق ۔ ہست۔ ذاتِ بحت۔ ذاتِ صرف۔ ذاتِ ہو ہو۔ ذاتِ ساذج۔ سب کے ایک معنی ہیں یعنی وجود حق سبحانہ تعالیٰ بلا اعتبار صفات وتعینات ذات باعتبارات ذات ساذج ہو اور وجوہات ساقط کر دیئے جائیں۔

ذاتِ بااعتبارات: مرتبۂ واحدیت کو کہتے ہیں۔

جس میں تفصیل صفات ہے اس لیے کہ اس مرتبہ میں ذات کی جملہ صفات کا ظہور ہوتا ہے۔

ذات بلا اعتبار جملہ اعتبارات وتقیدات کم ہیں۔

ذات بحت: بحت کہتے ہیں خالص کو یعنی ذات خالص از اسم و رسم و نعت و وصفت ہے۔

ذات ساذج: اس مرتبہ میں ذات کے ساتھ اور کوئی اعتبار نہیں۔ اسی کو ذات بحت اور ذات صرف کہتے ہیں۔

ساذج معرب ہے سادہ کا، یہاں ذات میں کوئی چیز شامل نہیں۔

ذات ہو ہو: اس سے اشارہ ہے مرتبہ سلب صفات کی طرف اور اسی کو مرتبہ ہویت کہتے ہیں۔

ذاکر: وہ شخص ہے جو یادِ حق میں ہمیشہ مشغول اور مستغرق رہے۔ بجز حق کے دوسرا کوئی یاد نہ آئے اور اسی کی یاد میں گم ہو جائے۔

ذائقہ: اس کی مختلف اقسام ہیں ظاہری اور باطنی مثلاً۔

مٹھاس ظاہر ہے باطن ذوق وشوق ہے۔

کھٹاس اس کے مقابل باطن میں مسرت وخوشی ہے۔

تلخی کے مقابل باطن میں غیر مفید اشیاء سے پرہیز اور صحبت ناجنس سے اجتناب میں شدت نمک اس کے مقابل باطن میں دلائل اور براہین۔

کشف سوندھاپن اس کے مقابل باطن میں محویت جسے حضور اور نایافت بھی کہتے ہیں ۔ یہ سب ادراک کی قوتیں ہیں ۔

ذخائر اللہ: اولیاء اللہ کی ایک خاص جماعت ہے جن کی وجہ سے مخلوق کی مشکلات حل ہوتی ہیں اور مصیبتیں اور بلائیں رد ہوتی ہیں، جیسے: فاقے کی بل کو بسبب ذخیرہ کے رفع کرتے ہیں۔

ذکر: نسیان کی ضد کو کہتے ہیں۔ وہ شئے ہے جس کے توسل سے مطلوب کی یاد آئے لہٰذا انسان کے جملہ افعال و اقوال و حالات بشرط یادِ حق کے ذکر ہیں اور بصورتِ غفلت کے ضلالت اور گمراہی ہے۔

ذکر کی چند اقسام ہیں (۱) ذکرِ لسانی (جو ذکر زبان سے کیا جائے اس ذکر کو ناسوتی بھی کہتے ہیں)۔ (۲) ذکرِ قلبی (جو ذکر دل سے کیا جائے اسے ذکر ملکوتی بھی کہتے ہیں۔ (۳) ذکرِ روحی (۴) ذکرِ سری (۵) ذکرِ خفی (۶) ذکرِ اخفی (۷) ذکرِ اخفی الاخفی۔

(۱) ذکرِ لسانی۔ اسی کو ذکر لفظی بھی کہتے ہیں یعنی زبان سے الفاظ ادا کرنا۔ اور ترتیب الفاظ کی رعایت رکھنا اور دل سے اس کے معنی کی طرف متوجہ ہونا۔

اس کی دو قسم ہیں۔ ایک ذکرِ جہر یعنی آواز کے ساتھ الفاظ ادا کرنا، دوسرے ذکرِ خفیہ یعنی آہستہ سے الفاظ ادا کرنا کہ اس کی دوسری آواز نہ سُنے۔

(۲) ذکرِ قلبی یعنی مطلوب کے اسم کا مطالعہ کرنا بلا رعایت ترتیب الفاظ۔

(۳) ذکرِ روحی اسے جبروتی بھی کہتے ہیں۔ وہ مشاہدہ مطلوب کا ہے۔

(۴) ذکرِ سری وہ حضوری مطلوب کی ہے اس حالت حضوری میں ذاکر یہ تمیز رکھتا ہے کہ میں ذاکر ہوں اور میرا مطلوب حاضر ہے۔

(۵) ذکرِ خفی وہ ہے کہ مطلوب کی حضوری غالب ہو جائے اور ایسی محویت ہو کہ اپنی خودی مٹ جائے صرف لذت ذکر ہی باقی رہ جائے۔

(۶) ذکرِ اخفی وہ ہے کہ مطلوب کی حضوری اس درجہ غالب ہو کہ ذکر و ذاکر و مذکور میں تمیز بالکل اٹھ جائے اور لذت ذکر بھی باقی نہ رہے صرف علم لذت ذکر باقی رہے۔

(۷) ذکرِ اخفی الاخفی وہ ہے کہ ذکر۔ ذاکر۔ مطلوب۔ لذت ذکر۔ علمِ لذت ذکر سب کچھ درمیان سے اُٹھ جائے۔ صرف مطلوب ہی

مطلوب رہ جائے۔
بعض صوفیائے کرام ذکر کی اس طرح تقسیم کرتے ہیں کہ ذکر چار طریقہ سے ہوتا ہے ایک یہ کہ زبان ذاکر ہو اور دل غافل ہو۔ دوسرے یہ کہ زبان ذاکر ہو اور دل بھی متوجہ ہو۔ لیکن کبھی کبھی دل غافل ہو جاتا ہے مگر زبان سے ذکر برابر جاری رہتا ہے۔ تیسرے یہ کہ زبان اور دل دونوں سے ذکر جاری رہے مگر کبھی کبھی دونوں غافل ہو جاتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ زبان غافل اور دل ذاکر ہے۔ یہی انتہاء مقاماتِ ذکر ہے اس مرتبہ میں ذاکر اپنے دل کی آواز سنتا ہے۔
بعض اکابر صوفیائے کرام ذکر کے اقسام اس طرح بیان فرماتے ہیں۔
(۱) ذکرِ جلی۔ اسم ذات۔ اللہ کا یا کلمہء طیبہ کا ذکر کرنا خواہ کسی طریقہ اور کسی صورت سے ہو۔ زبان سے ہو یا دل سے یا سانس کے ساتھ۔
(۲) ذکرِ قلبی ایک خاص شغل وہ یہ کہ ذاکر اپنی ہستی کو معدوم سمجھے اور ذاتِ حق کو اپنی صورت پر حاضر و موجود جانے اور یہ یقین کرے کہ موجود صرف وہی ذات ہے۔ یہ جو کچھ ہے سب وہی ہے۔
(۳) ذکرِ روحی وہ مشاہدہ ہے ذات کا اور ذات کے صفات و افعال و آثار کا اس طرح پر کہ یہ سب عین ذات ہیں۔
(۴) ذکرِ سری وہ معائنہ ہے اور نظر ذاکر اس مرتبہ میں اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ اعتبار اور اسم صفات و افعال و آثار درمیان سے اُٹھ جاتی ہے۔ لیکن اشغالِ بشری کبھی کبھی اس نظر کے مانع ہوتے ہیں۔
(۵) ذکرِ خفی وہ ہے کہ یہ معائنہ ہر وقت حاصل رہے اور اشغالِ بشری اس نظر کے مانع نہ ہوں ذاکر اسی معائنہ میں دائم الحال رہے۔ اور مرتبۂ احدیت میں پہنچ کر محو و بیخود ہو جائے۔
ذکر نفسی: تصورِ عقلی سے مقصودِ اصلی کی جانب بڑھنا۔ اسے فکر بھی کہتے ہیں۔
ذکر روحی: حق کا بجہت اسماء و صفات مشاہدہ کرنا۔ اسے ذکر جبروتی اور مشاہدہ بھی کہتے ہیں۔
ذکر لاہوتی: انوارِ تجلیاتِ ذات بے جہت و بے مثل و بے مثال کا قلب سالک پر چمکنا، اسے ذکر سری اور معائنہ بھی کہتے ہیں۔
ذکر نفی اثبات: کلمہء طیبہ لا الہ إلا اللہ کا ذکر۔

اسم ذات: یعنی اللہ کا ذکر۔
ذکر ملکوتی: إلا اللہ کا ذکر۔
ذکر جبروتی: اللہ کا ذکر۔
ذکر لاہوتی: ھوھو کا ذکر۔
ذکر مریضہ: بیمار کا کراہنا۔ سہروردیہ سلسلے میں اس ذکر کی تعلیم ہوتی ہے۔
ذکر محزونہ: غمناک آواز میں ذکر کرنا۔ یہ قادریہ سلسلے میں ہوتا ہے۔
ذکر عشقیہ: چشتیہ سلسلے میں ذوق و شوق کے غلبہ کے لیے کیا جاتا ہے۔
ذکر رابطہ: رابطہ شیخ کو قائم رکھنا حاضر و غائب۔ حضور میں رعایت ادب اور رضائے خاطر کے ساتھ اور غیبت میں نگہداشت تصور کے ساتھ۔
ذوالعقل: یعنی صاحبِ عقل و بصیرت وہ سالک ہے جو ظاہر میں خلق کو دیکھے اور باطن میں حق تعالیٰ کو۔ اس حالت میں سالک کے نزدیک ذات حق سبحانہ آئینۂ خلق ہوتی ہے جس طرح آئینہ بوجہ اس عکس اور صورت کے جو اس میں نظر آتی ہے دیکھنے والے کی نظر میں محجوب ہوتا ہے اسی طرح ذات حق سبحانہ اس سالک کی نظر میں ظاہراً محجوب ہوتی ہے اور خلق ظاہر ہوتی ہے۔
ذوالعین: ا۔ یعنی صاحب عقل و صاحب بصیرت وہ سالک کامل جو حق تعالیٰ کو خلق میں اور خلق کو حق تعالیٰ میں دیکھتا ہے اور ایک دوسرے کی وجہ سے اس کی نظر میں محجوب نہیں ہوتا بلکہ وہ سالک ہر جگہ ایک ہی وجود دیکھتا ہے حق کو بعینہ خلق اور خلق کو بعینہ حق دیکھتا ہے۔
۲۔ واضح ہو کہ یہ تین مراتب وحدۃ الوجود کے ہیں توحید کے باب میں اس کا ہم مفصل بیان کر چکے ہیں۔
ذوالعقل وہ سالک ہے جو ذات میں جملہ کائنات کو دیکھے یعنی کثرت فی الوحدت اور ذوالعین وہ سالک ہے جو جملہ کائنات میں ذاتِ حق کو دیکھے یہ وحدت فی الکثرت ہے۔
ذوالعقل و العین وہ سالک ہے جو خلق کو ذات میں اور ذات کو جملہ کائنات میں دیکھے یہ اعلیٰ مقام ہے۔
ذوق: ذکرِ محبوب یا دیدارِ معشوق سے عاشق کا مست اور بیخود ہو جانا ذوق ہے بعض کہتے ہیں کہ اپنی خودی اور جملہ اعتبارات غیریت مٹا کر ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرنا یعنی حق کو حق میں دیکھنا ذوق ہے

اور بعض کہتے ہیں کہ شہودِ حق بالحق کے تین مراتب ہیں۔
(۱) مشاہدہ حق کا پہلا درجۂ ذوق ہے اس میں شہودِ حق بالحق کی تجلیات شروع ہوتی ہیں اور پے درپے یہ تجلیات آتی ہیں اور جلد جلد ختم ہو جاتی ہیں دیرپا نہیں ہوتیں۔
(۲) مشاہدہ حق کا دوسرا درجہ مشرب کہلاتا ہے اس میں یہ تجلیاتِ شہودی بکثرت وارد ہوتی ہیں۔ اور دیرپا ہوتی ہیں۔ یہ درجہ پہلے درجے سے بڑھا ہوا ہے۔
(۳) مشاہدہ حق کا تیسرے درجہ شہودِ حق بالحق کا نام ہے۔ یہ درجہ انتہائی مقام ہے اس مقام میں سالک شہودِ حق میں مستغرق ہو جاتا ہے اور اپنی ہستی اور جملہ اعتبارات غیریت کو فنا کر کے حق میں حق کو دیکھتا ہے اور اسی میں محو ہو جاتا ہے۔
ذوق فی معرفت اللہ: وہ ایک نورِ معرفت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولیاء اللہ کے دلوں پر وارد ہوتا ہے اور اولیاء اللہ اس نورِ معرفت کے ذریعہ سے حق و باطل میں تمیز کرتے ہیں۔
ذہاب: ا۔ دیدارِ محبوب کی لذت اور محویت میں ہر محسوس شئے کی حس سے دل کا بے خبر ہو جانا اور اس کی وجہ سے دوسری باتوں کا شعور جاتا رہنا ذہاب ہے۔
۲۔ دل کا ہر محسوس کے حس سے بسبب اپنے مشاہدہ محبوب کے خواہ وہ کوئی ہو اور کہیں ہو غائب ہونا۔

ر

راحت: ہر وہ شئے جو دلی خواہش کے مطابق پیش آئے راحت ہے۔
راز: اِس سے مراد معرفت حق تعالیٰ ہے جو قلوب عرفان میں پوشیدہ ہو۔
راجع: جو پیچھے کی جانب ہٹے۔ اس کا علاج نہ کیا تو مایوسی ہوتی ہے۔
ران: اس حجاب کو جو بوجہ خواہشات و غلبہ ظلمات جسمانیہ کے قلب اور عالم قدس کے درمیان ایک حجاب ظلمانی پیدا ہونے کو کہتے ہیں۔
راہِ فنا: عاشقوں کے لیے راہِ عشق راہِ فنا ہے اور ذاکروں کے لیے راہِ ذکر۔
رب: ایک خاص نام ہے ذات حق سبحانہ تعالیٰ کا۔ اسی اسم سے تمام کائنات کی تربیت ہوتی ہے اور حقائق الٰہیہ یعنی اسماء الٰہیہ سے جو حقائق کیانی کا ظہور ہوا ہے وہ سب اسی اسم رب کی تربیت سے ہوا ہے مثلاً اسم رب مقتضیٰ ہوا کہ بدیع (جو حقائق الٰہیہ میں سے ہے) سے عقل کُل (جو حقائق کیانی میں سے ہے) صادر ہو تو وہ صادر ہوگئی اور اسم بدیع اس عقل کُل کا رب ٹھہرا الغرض اسماً کلیہ یعنی حقائق الٰہیہ ان حقائق کیانی کے ارباب اسی اسم رب کے مقتضی سے ہوئے ہیں۔ ان میں ربانیت اسی اسم سے حاصل ہوئی ہے۔
رب الارباب: وہ ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ ہے باعتبار تعین اول کے کیونکہ وہ ذات احدیت مرتبۂ تعین اوّل میں ظہور فرما کر ہی تو رب العالمین بنی ہے اور موسوم باسماء و موصوف بصفات ہوئی ہے اور ربوبیت تخصی اور ربوبیت عظمیٰ یہی تعین اول یعنی حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔
اسماء رب تین قسم پر ہیں، ذاتیہ، صفاتیہ اور فعلیہ۔ کیوں کہ اسم اطلاق کیا جاتا ہے ذات پر باعتبار نسبت اور تعین کے اور یہ اعتبار یا تو امر عدمی نسبی محض ہے۔ جیسے کہ غنی اور اول اور آخر اور ظاہر اور باطن یا وہ غیر نسبی ہیں جیسے کہ قدوس و سلام۔ ان اسما کو اسماً لذات کہتے ہیں۔ خالق اور رازق وغیرہ ان اسما کو اسماء افعال کہتے ہیں۔
ربوبیت: پرورش عالم جو بواسطہ ظہور اسماء عمل میں آئے چونکہ ظہور اسماء کا تعلق واحدیت سے ہے۔ ربوبیت کا ظہور بھی واحدیت ہی سے متعلق ہے کہ جس کو بشرط شئے کہتے ہیں۔
رتق: لغت میں باندھنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں مجمل ہونا مادہ واحدانیہ کا۔ ذات کے مرتبۂ اجمال یعنی وحدت کو کہتے ہیں اور ہر بطون اور ہر غیبت کو اور ہر جملہ حقائق مکنونہ فی الذات کو حضرت واحدیت کی تفصیل سے پہلے مرتبہ کو رتق اجمال کو کہتے ہیں اور مرتبۂ واحدیت میں حقائق کی تفصیل کو فتق تفصیل کو کہتے ہیں چنانچہ اس آیت پاک میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ ''بے شک آسمان اور زمین تھے بندھے ہوئے پس کھولا ہم نے انہیں دونوں کو اور کردنا ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ کیا پس نہیں ایمان لائیں گے وہ لوگ''۔
رجاء: سالک کا مقامِ احدیت کو بوجہ محویت کے ہمیشہ طلب کرنا رجاء ہے۔

رجال اللہ: مردان خدا وہ مردان خدا جنھیں تجارت خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ (ترجمہ سورۃ النور ۲۴ : ۳۷)۔
ان کا وجود حضرت آدم علیہ السلام سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہور مہدی علیہ السلام سے نزول عیسٰی علیہ السلام تک رہا اور رہے گا۔
قیام کائنات کا دارمدار ان پر ہے۔ عبد اور رب کے درمیان فیض رسانی کا یہ ذریعہ ہوتے ہیں۔
یہ حضرات دو اقسام پر منقسم ہیں۔ (۱) اولیاء ظاہرین ان کے سپرد ہدایت خلق کی خدمت ہوتی ہے یہ ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ خدمت ہدایت ان کو اپنے اظہار پر مجبور کرتی ہے۔
(۲) اولیائے مستورین کے سپرد انصرام امور تکوینی ہوتا ہے۔ یہ اغیار کی نگاہ سے مستور رہتے ہیں۔ یہ صاحب خدمت ہوتے ہیں۔ انہیں رجال الغیب اور مردان غیب کہتے ہیں۔ رجال اللہ ظاہرین ہوں یا مستورین ان کی بارہ اقسام ہیں۔ ۱۔ اقطاب۔ ۲۔ غوث۔ ۳۔ امامان۔ ۴۔ اوتاد۔ ۵۔ ابدال۔ ۶۔ اخیار۔ ۷۔ ابرار۔ ۸۔ نقباء۔ ۹۔ نجباء۔ ۱۰۔ عمد۔ ۱۱۔ مکتوبان۔ ۱۲۔ مفردان۔
(۱) اقطاب: ہر زمانہ میں تمام دنیا میں سب سے بڑا قطب ایک ہوتا ہے جسے قطب عالم، قطب کبریٰ، قطب ارشاد یا قطب مدار، قطب الاقطاب، قطب جہاں یا جہانگیر عالم کے ناموں سے پکارتے ہیں۔
(۲) غوث۔ بعض کی نظر میں غوث اور قطب ایک ہی چیز ہے۔ حضرت محی الدین ابن عربی اسے جدا کہتے ہیں بعض کے نزدیک یہ جداگانہ منصب ہیں جو ایک ہی شخص میں مجتمع ہو سکتے ہیں۔
(۳) امامان۔ قطب الاقطاب کے دو وزیر ہوتے ہیں عبدالملک داہنے ہاتھ اور عبدالرب بائیں ہاتھ والا۔
(۴) اوتاد چار ہوتے ہیں، مغرب، مشرق، شمال، جنوب۔ قیام عالم میں ان سے میخوں کا کام لیا جاتا ہے۔
(۵) ابدال سات ہوتے ہیں (دیکھئے ابدال میں)۔
(۶) اخیار۔ سات ابدال سفر میں رہتے ہیں انہیں اخیار کہتے ہیں۔
ان سب کا نام حسین ہے۔
(۷) ابرار۔ ان میں سے چالیس ابدال ابرار کہلاتے ہیں۔
(۸) نقباء۔ یہ سب تین سو ہیں اور نام ان سب کا علی ہے۔
(۹) نجباء ستر ۷۰ ہیں۔ نام ان کا حسن ہے۔ مصر میں رہتے ہیں۔
(۱۰) عمد چار ہیں۔ نام ان کا محمد ہے۔ زوایائے ارض میں رہتے ہیں۔
(۱۱) مکتوبان۔ تعداد ان کی چار ہزار ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں لیکن اپنے آپ کو نہیں پہچانتے۔ ایسے لباس میں ہوتے ہیں کہ اغیار نہیں پہچان سکتے۔
(۱۲) مفردان افراد کو کہتے ہیں۔ جب قطب ترقی کرتا ہے تو فرد ہو جاتا ہے تصرفات سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ ان سب کی تفصیل ان کے ابواب میں موجود ہے۔

رجعت: مقام قرب حق سے گرجانا اور اللہ کی طرف سے پھر جانا رجعت ہے اور یہ بوجہ قہر الٰہی کے ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اس کا فوری علاج نہ کیا جائے تو مایوسی ہو جاتی ہے۔

رحمت امتنانیہ: یعنی اللہ کی طرف سے بندے پر فیضان نعمت ہو بلاشرط کی عمل کے۔ اس آیت پاک میں اس طرف اشارہ ہے، رحمتی وسعت کل شئی۔

رحمت وجوبیہ: متقی اور نیک بندوں پر فیضان نعمت ہونا رحمۃ وجوبیہ کہلاتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال اور حسنات سے خوش ہو کر اپنے وعدے کے مطابق نزول برکات فرماتا ہے ان آیات میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ان رحمته الله قریب من المُحسنین۔ (بے شک رحمت اللہ کی نزدیک ہے احسان والوں کے لیے)

رحمٰن: اللہ تعالیٰ کا نام رحمٰن اس نسبت سے ہے کہ جملہ موجودات کو وجود و دیگر کمالات اسی جناب سے عطا ہوئے ہیں۔ اور مرتبۂ وحدت پر بھی رحمٰن کا لفظ بولا جاتا ہے۔
یہ ایک اسم حق ہے باعتبار جمیعت اسمائیہ کے۔ حضرت الٰہیہ میں اسی سے جمیع وجود اور باقی کمالات جمیع ممکنات پر فائز ہوتے ہیں۔

رحیم: حق سبحانہ تعالیٰ کا رحیم نام اس نسبت سے ہے کہ وہ کمالات مغویہ (جیسے معرفت توحید کا فیضان اہلِ ایمان پر کرتا ہے اور کبھی

مرتبہ واحدیت پر بھی لفظ رحیم بولا جاتا ہے)۔
رُخ : ذات حق کی تجلیات کو کہتے ہیں اور ذات الٰہی کو بھی باعتبار ظہور کثرت اسمائی اور صفاتی کے اور تجلی جمالی کے ظہور کو بھی کہتے ہیں ۔ اعیان عالم کا وجود اسی کے سبب سے ہے اور یہی سبب اسماء حق کے ظہور کا واقع ہوا ۔ رُخ واحدیت یعنی مرتبہ تفصیل اسماء کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک رُخ ذات حق یعنی واحدیت کو کہتے ہیں ۔
رُخسار : اس سے حقیقتِ جامع اور کبھی وحدانیت کی جانب اشارہ ہوتا ہے ایک طرح سے صورت انسانی کا خلاصہ ہے ۔ رخسار کو بدن سے وہ نسبت ہے جو فاتحۃ الکتاب کو کتاب کے ساتھ ہے ۔
فاتحۃ الکتاب خلاصہ ہے قرآن کا سات آیات کا مجموعہ ۔ حق تعالیٰ کے بھی مرتبہ عین اور مرتبہ علم میں سات اعتبارات کلی ہیں جنہیں سبعہ ذاتیہ بھی کہتے ہیں۔ ۱۔ حیات ۲۔ علم ۳۔ قدرت ۴۔ ارادہ ۵۔ سمع ۶۔ بصر ۷۔ کلام ۔
ذات حق کا اشتمال جملہ معانی اسماء و صفات پر وارد ہوتا ہے ۔ انوار ایمان کے انکشاف کو بھی کبھی عارض اور کبھی خد سے کنایہ کرتے ہیں ۔
رِدآء : سالک پر کسی صفتِ حق کا ظاہر ہونا ہے۔ سالک کا کسی صفت حق تعالیٰ سے متصف ہوجانا ، حدیث قدسی ہے۔ "کبریائی میری ردا ہے"۔
رَدِی : اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں سے کسی صفت کے لیے بندہ کا مدعی ہونا رَدِی ہے یعنی ہلاکی، حدیث قدسی ہے "کبریائی میری ردا ہے اور عظمت میری ازار پس جو شخص مجھ سے جھگڑا کرے ان دونوں کے بارے میں توڑ دوں میں پیٹھ اس کی"۔
رسم : اس کے کئی معنی ہیں (۱) بلانیت تقرب حق کی عبادت۔ یعنی عادت اور رسمی طور سے عبادت بے سود ہے ۔ (۲) خلق اور صفاتِ خلق کو بھی رسم کہتے ہیں۔ یہاں رسم کے معنی اثر کے ہیں کیونکہ جملہ کائنات آثارِحق ہیں جو افعال حق سے پیدا ہوئی ہیں۔
رسول : رسول سے کبھی مرشد کامل مراد لیتے ہیں اور کبھی خاطر کو بھی رسول کہتے ہیں ۔
رشحات : لغوی معنی قطرات کے ہیں ۔ وہ علوم و فیوض و معارف و دقائق و حقائق کی طرف اشارہ ہے جو عالم قدس سے سالک کے قلب پر تقاطر ہوتا رہتا ہے ۔
رضا : اپنے مولا سے ہر حال میں خوش رہنا۔ اور یہ سالک کے پنجگانہ مقامات میں سے ایک مقام ہے یعنی توکل ، شکر ، رضا ، تفویض ، تسلیم۔ ادنےٰ مرتبہ صبر اور اعلیٰ مرتبہ تسلیم ہے ۔
رعونت : خواہشاتِ حظوظ نفسانی میں اور لذتِ جسمانی میں محظوظ اور سرور رہنا رعونت ہے
رغبت : تین طرح پر ہوتی ہے۔ نفس سے ، قلب سے، سر سے ۔ نفس کی رغبت ثواب کی طرف ہوتی ہے اور قلب کی مطلوب کی طرف اور سر کی حق کی طرف ۔ نفس کا ثواب کی آرزو کرنا نفس کی رغبت ہے، دل کا حقیقت کی خواہش کرنا دل کی رغبت ہے اور سر کا ذات حق کی طلب کرنا سر کی رغبت ہے۔
رفتن: عالم سفلی سے عالم علوی کی طرف عروج یا منتقل کرنے کو کہتے ہیں۔
رفرف اعلیٰ : مکانیت الٰہیہ۔
رقایق : علوم طریقت اور سلوک اور ہر اس چیز پر جس سے باطن پاک ہوتا ہے اور کثافت نفس زائل ہو جاتے ہیں رقایق ہیں ۔
رقیب : نفس اماره۔ حواس خمسۂ ظاہری۔ سامعہ۔ باصرہ۔ ذائقہ۔ لامسہ۔ شامہ و حواس خمسہ باطنی ۔ ذہن۔ خیال۔ وہم۔ حافظہ۔ متفکرہ۔
یہ سب روح کے رقیب ہیں نیز ہر وہ چیز جو محبّ اور محبوب کے درمیان رخنہ اندازی کے در پے رہے ۔
رقیقہ : ا.علم طریقت وسلوک۔ ہر وہ چیز جس سے سالک کا دل رقیق ہو اور کثافت نفس میں کمی ہو اور لطافت روح میں ترقی ہو۔ ہر وہ چیز جو طالب کو مطلوب تک پہنچنے میں مدد دے۔ محدثین نے ان احادیث کو جو انواع دقائق پر مشتمل ہیں کتاب الرقائق کے تحت جمع کیا ہے ۔
۲.لطیفۂ روحانیہ نورانیہ کو کہتے ہیں۔ نیز سالک کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کا فضل شامل حال رہتا ہے اور اس پر وقتاً فوقتاً نزول رحمت و برکت ہوتا رہتا ہے۔ اُس کو رقیقۃ النزول کہتے ہیں۔ اور سالک علوم معرفت اور اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کے ذریعہ سے جو قربِ

حق حاصل کرتا ہے ان ذرائع کو رقیقۃ العروج و رقیقۃ الارتقاء کہتے ہیں۔
رقیقۂ فکریہ : یہ غیب کی کنجی ہے۔ جس کے دو اقسام ہیں حقی اور خلقی ، حقی اسماء وصفات کی حقیقت ہے خلقی ذات کے جو ہر فرد کی ترکیب کے پہچاننے کو کہتے ہیں۔
رمز : وہ کیفیت ونسبت مراد ہے جو عاشق ومعشوق میں مشترک ہے۔
رمقہ : مراتب محبت۔ محسوسات میں کسی خوبی کا ادراک کر کے اس کے تتبع کی جانب دل میں میلان کا پیدا ہونا۔
رنج : جو خلاف راحت ہو۔ نیز اوامر و نواہی۔ نیز وہ کیفیت انقباضی جو خلاف طبیعت کسی امر پر واقع ہونے سے قلب پر وارد ہو۔
رنج و راحت : اوامر و نواہی یعنی رنج امور جو موافق ارادہ دل یا خواہش دل کے پیش آئیں۔
رند : جو طاعت میں اعمال سے قطع نظر کرتا ہو، وہ عاشق ذات حق تعالیٰ ہے جو اپنے غلبۂ عشق میں ان رموز اور حقائق کو (جن کا چھپانا عوام الناس سے ضروری ہے) رموز و حقائق کو برملا اور علانیہ بیان کردے ، آزاد مرد جو راہِ حق میں بے باک ہو کہ کوئی چیز اس کو حصول مقصود سے روک نہ سکے۔
رندی : عبادت میں ہر قسم کے اعمال و رسوم خلق سے قطع نظر کرنا۔
رنگ : ذات کے مختلف صفات و افعال و آثار میں ظاہر ہونے کو کہتے ہیں جو ہر آن و ہر لحظہ رنگ برنگ کی صورتوں میں جلوہ دکھلاتا ہے۔
رُو : رو سے کبھی تنویرات وتجلیات الٰہی کی جانب کبھی کشف انوار ایمان و عرفان کبھی جمال حقیقت پر سے رفع حجابات کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔
روح : ایک جوہر بسیط ولطیف جو افرادِ عالم میں حسب استعداد ان کے متصرف ہے اور اُس کے کنہہ کو بجز ذات باری تعالیٰ کوئی نہیں سمجھتا۔ الغرض وہ ایک حکمِ ربی ہے اور روح قدسی بھی اسی کو کہتے ہیں اور وہ نفخت فیہ من روحی میں اسی روح کی طرف اشارہ ہے۔ جب یہ روح جمادات میں جلوہ گر ہوتی ہے تو روح جمادی کہلاتی ہے۔ اسی طرح نباتات میں روح نباتی ، حیوانات میں روح حیوانی ، انسان میں روحِ انسانی کہلاتی ہے۔
روح ایک ایسی چیز ہے جس کے جسم میں آنے سے جسم زندہ ہو جاتا ہے اور نکل جانے سے جسم کو موت آجاتی ہے۔ حیات انسانی کو قائم رکھنے والی روح تین اجزاء سے مرکب ہے۔
ا۔ روح حیوانی وہ ہوائے لطیف ہے جو عناصر کے بخارات لطیف سے پیدا ہوتی ہے۔ کیوں کہ روح حیوانی ہی کے قلب سے بے تعلق ہو جانے کا نام موت ہے۔ درخت کی جڑیں کاٹ دینے سے درخت مر جاتا ہے اور وہ خشک ہو جاتا ہے یعنی مر جاتا ہے۔
۲۔ روحِ انسانی :۔ یہ روح حیوانی پر ایک اضافی چیز ہے۔ اللہ کا ایک نور ہے جس کا پرتو روح حیوانی پر ڈالا جاتا ہے۔ رحم مادر میں تخلیق انسانی کی تکمیل کا باعث وہ شعاع علم ہے جو نطفہ انسانی پر چمکتی ہے اسے روح ملکوتی بھی کہتے ہیں۔
۳۔ روح القدس :۔ یہ وجود حق تعالیٰ سے ایک خاص وجہ ہے جو احاطہ کن سے خارج ہے اور مخلوقات میں شامل نہیں۔ اس سے آدم علیہ السلام میں روح پھونکی گئی۔
نقائص کونیہ سے پاک ہے اور وجہ الٰہی کے ساتھ ہر چیز میں تعبیر کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر چیز میں اللہ کی روح ہے اور اسی بنا پر روح القدس کہلاتی ہے اور اسی کو روح الارواح بھی کہتے ہیں۔
جس طرح عالم کبیر یعنی کائنات میں بہت سے مظاہر اور اسما ہیں مثلاً عقل اوّل اور قلم اعلیٰ اور نور اور نفسِ کلی اور لوح محفوظ وغیرہ اسی طرح عالم صغیر یعنی انسان میں بہت مظاہر و اسما ہیں ظہور مراتب میں ان اسماء کے اصطلاحی نام یہ ہیں۔
ا۔ سر :۔ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا نور صرف صاحبِ دل اور راسخین فی العلم ہی کو معلوم ہوتا ہے۔
۲۔ خفی اس لیے ہے کہ عارف اور غیر عارف سب پر مخفی ہے۔
۳۔ روح یہ لطیفہ بدن کا رب اور حیات حسی کا مصدر اور قوائے نفسانی پر فیضان حیات کا منبع ہے۔
۴۔ قلب :۔ جہتِ حق اور جہتِ نفس میں منقلب ہوتا رہتا ہے تاکہ

جب حق کی جہت میں حق سے انوار کا استفادہ کرے اور دوسری جہت آ کر اس نور کا اضافہ کرے۔ قلب کو لطیفہ انسانیہ بھی کہتے ہیں ۔

۵۔ کلمہ :۔ جب نورِ حق تعالیٰ قلب کی وساطت سے نفس میں آ کر ظہور کرتا ہے تو اسے کلمہ کہتے ہیں ۔

۶۔ فواد :۔ نور متذکرہ بالا کے مبدع کے اثر سے متاخر ہونے کے اس کا نام فواد ہو جاتا ہے ۔

۷۔ صدر :۔ ان انوار کے بدن سے متصل ہونے کی جہت سے لطیفہ کا نام صدر ہو جاتا ہے۔ مبدع فیاض ہی کی جانب سے ان انوار کا صدور ہوتا ہے۔

۸۔ روع :۔ مبدع قہار کے خوف و قہر سے نفس اثر پذیر ہوتا ہے تو جو لطیفہ اس سے پیدا ہوتا ہے اس کا نام روع ہے ۔

۹۔ عقل :۔ نفس اپنی ذات اور اپنے تعین خاص میں جملہ شرائط کے ساتھ اور صحیح حدود کے اندر مقید ہو جاتا ہے تو اسے عقل کہتے ہیں۔

۱۰۔ نفس :۔ بدن سے تعلق اور بدن کی تدبیر کی جہت سے اسے نفس کہتے ہیں۔ نفس سے افعال نباتی کا ظہور اسے نفس نباتی اور افعال حیوانی کا ظہور اسے نفس حیوانی بناتا ہے۔ نفس حیوانی کا قوت روحانی پر غلبہ ہو تو وہ نفس امارہ ہے ۔ جب نفس پر قلب کی وساطت سے انوار چمکنے لگتے ہیں اور ان کی روشنی میں اس کے انجام پر نظر رکھتا ہے اور عقل سے اپنے اندر کی خرابیوں کا ادراک کرتا ہے۔ اپنی ترقی اور تکمیل کی تمنا پیدا ہوتی ہے تو اسے نفس لوامہ کہتے ہیں۔

کیونکہ ایسا نفس برے افعال پر ملامت کرتا ہے یہی قلبی انوار نفس میں قوت حیوانی پر غالب آ جاتے ہیں اس وقت اس کا نام نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے ۔ حدیث قدسی کا مفہوم ہے۔ (''میری زمین اور میرے آسمان مجھ کو نہیں سما سکتے لیکن میرے متقی بندے کا قلب مجھے سما لیتا ہے)''۔ اسی بنا پر مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے نفس کو روح حیوانی اور عقل کو روح ملکوتی کہتے ہیں۔ قلب ان کے درمیان ہے۔ عقل گویا روح کی زبان ہے۔ جب سالک روح حیوانی کے تسلط سے کسی قدر آزاد ہو جاتا ہے تو اس کا قلب روح بن جاتا ہے اور اس کی عقل سر ہو جاتی ہے۔ روح قلب سے لطیف تر اور سر عقل سے روشن تر ہے۔

قلب کا کام وجد ہے، روح کا کام اُلفت، عقل کا کام یقین اور سر کا کام مشاہدہ ۔ نفس کی کمزوری شہوتوں اور لذتوں کا تابع ہونا ہے یہ قلب سے متعلق ہے۔ حبِ بغض شجاعت اور بزدلی۔ عقل کا تعلق فہم و ادراک سے ہے۔ نفس حیوانی کو نفسِ ناطقہ کہتے ہیں۔

نفسِ ناطقہ کی تین قسمیں ہیں۔ قوائے طبعیہ کا مقام جگر ہے۔ قوائے حیوانیہ کا مقام پارۂ صنوبری اور قوائے ادراکیہ کا مقام دماغ ہے۔

عالم ارواح سے مراد عالم ملکوت ہے۔

عالم ناسوت میں کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے آواز دیتے ہیں۔ عالم ارواح یعنی ملکوت میں کسی کو اپنی جانب متوجہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا تصور کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ روح بھی متوجہ ہو جاتی ہے ارواح چیز کی جانب متوجہ ہوتی ہے اس میں حلول کرتی ہے۔ مگر اس طور پر کہ اپنے مرکز اصلی سے جدا نہیں ہوتی۔

ارواح بسیط سے مراد ارواح مجرد یعنی روح محض ہوا کرتی ہے ۔

روح عالم سے اکثر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ ان کو اس عالم کے ساتھ وہی نسبت ہے جو روح کو جسم کے ساتھ ہوتی ہے حضرت آدم خلیفہ اوّل ہیں۔ جن باتوں کا اطلاق حق تعالیٰ پر کیا جا سکتا ہے ان کا اطلاق اللہ کے خلیفہ پر بلحاظ خلافت جائز ہے اور اس لحاظ سے سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بھی روح عالم اور جانِ عالم کا اطلاق ہوتا ہے۔

روح اعظم : تعین اوّل و حقیقت محمدیہ ﷺ، اور روح کلی کو کہتے ہیں جو مظہر ذات الٰہی ہے من حیث الربوبیت اور اس کی حقیقت سوائے حق کے اور کوئی نہیں جانتا ہے۔

حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں اور وہی عقل اوّل اور حقیقت محمدیہ ﷺ اور نفس واحدہ اور حقیقت اسمائیہ ہے اور یہی اول موجودات ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنی صورت پر پیدا کیا اور یہی خلیفہ اکبر اور جوہر نورانی ہے جس کی جوہریت مظہر ذات ہے اور نورانیت مظہر علم ذات ہے اور یہ باعتبار جوہریت کے مسمیٰ بنفس واحد ہے باعتبار نورانیت

موسوم بعقل اول۔ اب جس طرح کہ عالم کبیر میں روح اعظم کے مظہر ہر اسماء ہیں یعنی عقل اول اور قلم اعلیٰ اور نور اور نفس کائنہ اور لوح محفوظ اسی طرح عالم صغیر انسانی میں بھی مظاہر اور اسماء بحسب المراتب و الظہورات ہیں اصطلاح اہل اللہ میں اور یہی مظاہر سر اور خفا اور روح اور قلب اور کلمہ اور روح اور فواد اور صدر اور عقل اور نفس میں۔

روح الالقا: جبرئیل علیہ السلام ہیں جو اللہ کی طرف سے نبیوں پر وحی لایا کرتے تھے نیز اس فرشتے کو جو بندوں کے قلوب پر امر الٰہی القا کرتا ہے۔ ترجمہ: ''اور ڈالتا ہے روح اپنے امر سے جس میں کہ چاہتا ہے بندوں اپنے سے'' اور قرآن شریف کو بھی روح الالقا کہتے ہیں۔

روحِ عالم: سے مراد آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ خلیفۃ اللہ ہیں اس لیے مجازاً اُن کو روحِ عالم کہتے ہیں۔

روز: دن کو دن اس وجہ سے کہتے ہیں۔ یہ صاحب جمعیت ونوریت ہے اس کو وحدت اور وجہ حق کہتے ہیں۔ پے در پے انوار کا وارد ہونا اور کبھی روز سے مرتبۂ وحدت مراد لیتے ہیں۔

شب کو شب اس وجہ سے کہتے ہیں اس میں ظلمت اور تفرقہ مناقض ہے روز کے اور اسے شب کثرت بھی کہتے ہیں۔ شب کو عالم کثرت بھی کہتے ہیں اور مقام انتشار خاطر بھی مراد لی جاتی ہے، کیوں کہ اس میں وجہ حق حجابات تعین لے لیتا ہے اور یہی تارکی ہے۔

روسیاہی: اشارہ ہے سوا دالوجہ فی الدارین کی طرف۔ اس بلند مقام سے بے تعلق ہو جانا ہے اُس مقام بلند کی جانب جہاں سالک دونوں جہان سے تجاوز کر جاتا ہے۔

روز وشب: روز سے اشارہ دین کی طرف کہ وہ روشن ہے اس سے مراد غیب و شہادت بھی ہے اور فراق اور وصال بھی۔ اور شب سے کفر کی طرف شب روز اشارہ ہے کیونکہ وہ ظلمت ہے۔

روزہ: حالت تجرید کو کہتے ہیں اور اس سے رفع خطرات مراد لیتے ہیں یہ تین قسم پر ہے روزۂ عام، روزۂ خاص، روزۂ خاص الخاص۔

روزۂ عام عبارت ہے امساک طعام صبح سے شام تک، یہ شریعت ہے۔

روزۂ خاص عبارت ہے نگاہ رکھنا اپنی زبان کو گویائی اور سمع کو شنوائی اور چشم کو بینائی ماسوائے اللہ سے۔

روزۂ خاص الخاص یہ ہے کہ سالک اپنے دل میں ماسوائے اللہ اور آسایش کو جگہ نہ دے اور بغیر یادِ حق کے وقت ضائع نہ کرے۔ یہی صوم حقیقی یا روزہ ہے۔

روزہ نماز: ماسوائے اللہ سے اعراض کرنا اور ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہو جانا۔ یہ فرائض میں شامل ہے۔

روع: مبدع قہار کے خوف و قہر سے نفس اثر پزیر ہوتا ہے تو جو لطیفہ اس سے پیدا ہوتا ہے اس کا نام روع ہے۔ اور قرآن شریف کو بھی روح الالقا کہتے ہیں۔

روئے: تنویرات تجلیات کو کہتے ہیں اور بعض کشف انوار ایمان اور فتح ابواب عرفان اور رفع حجاب جمال حقیقت اور اعیان کو کہتے ہیں اور بندگی شیخ جمال لکھتے ہیں کہ روئے وجہ حق کو کہتے ہیں اور بعض لکھتے کہ روئے مرات تجلیات کو کہتے ہیں کہ جس سے معانی نوری اور صوری ظاہر ہوتے ہیں اور تجلی اس پر ختم ہوتی ہے اور اسی کو لقاء مع اللہ بھی کہتے ہیں۔

روئے مرات: تجلی مقصود ہے۔

رویائے صادقہ: سچا خواب حق تعالیٰ اس زبان میں اپنے بندہ سے باتیں کرتا ہے۔ یہ ایک روزن ہے جس میں سے عالم غیب کی باتیں انسان تک پہنچائی جاتی ہیں۔ یہ ایک کشف ہے۔ الہام ہے مگر کشف و الہام کی سب سے کمزور قسم۔ نیند ایک چھوٹی موت ہے اور موت بڑی نیند ہے۔ نفس کو یہ مرتبہ حاصل ہے کہ وہ حقائق اشیاء کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اسی بنا پر عالم و عارف کی نیند کو جاہل کی بیداری پر فضیلت دی جاتی ہے۔

رویا کی پہلی قسم کہ خواب حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ یہ نعمت نفسِ مطمئنہ والوں کو ملتی ہے۔ اس خواب میں جملہ حجابات اور حقیقت منکشف ہوتی ہے۔ غیب کی خبر بندگان حق کو دی جاتی ہے۔ سورۂ یونس کی آخری آیت کا ترجمہ ہے۔ ''واسطے ان کے ہے بشارت بیچ

زندگانی کے اور بیچ آخرت کے'' (سورۃ یونس آیت ٦٤) ۔
مفسرین کا اتفاق ہے کہ دنیوی بشارت رویائے صادقہ ہیں اور اُخروی بشارت رویت حق ۔
دوسری قسم رویا وہ ہے جس سے نفس لوامہ کو سابقہ پڑتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب کسی شخص سے بات کی جاتی ہے تو اسی زبان میں، جو وہ سمجھتا ہے۔ نفسِ مطمئنہ والا اپنے ارفع و اعلیٰ مقام کی وجہ سے ادراک کر لیتا ہے۔ مگر نفسِ لوامہ والا چونکہ مرتبہ میں کمتر ہوتا ہے اسے عالم علوی سے بُعد زیادہ ہے اس لیے اس کے واسطے حقائق ایک نزولی نشان اختیار کرتے ہیں۔ اندھا شخص بھی خواب میں چیزوں کا ادراک اسی طرح کرتا ہے جیسا بیداری میں۔ گونگوں اور بہروں میں خواب میں بھی اشاروں ہی میں باتیں ہوتی ہیں۔
قسم اوّل کے خواب بھی خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور قسم دوئم کے خواب بھی خدا کی طرف سے ہوتے ہیں ۔
قسم دوئم میں نفس کی آمیزش ہوتی ہے۔ یہ خواب خواب نفسانی ہیں ۔
تیسری قسم کے خواب جو نفسِ امارہ والوں کے ہیں۔ یہ سب شیطانی خواب ہیں جو خواہش نفسانی کے غلبہ اور اخلاق خبیثہ کے خوگر اور طہارت و عبادت سے بے التفاتی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر جو دن میں ہوتا ہے وہی نظر آتا ہے۔ یہ خور و نوش کی بے اعتدالیوں کا بھی نتیجہ ہوتے ہیں۔
رویائے صادقہ صالحہ یعنی نیک خواب۔ حدیث کی رو سے نبوت کا چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ اس کا سبب تقلیل غذا، مزاج کا اعتدال، قلب کو غیر اللہ سے پاک رکھنا ہے۔ تعبیر اس سے معلوم کریں جو عالم ہو، قرآن مجید کی زبان سے آگاہ ہو، قیافہ شناس اور مردم شناس ہو، عفیف النفس اور پرہیزگار ہو۔ خواب کو غلط بیان کرنا حق تعالیٰ پر گویا بہتان باندھنا ہے اور بہت بڑا گناہ ہے ۔ غلط بیانی اصل خواب کو فاسد کردیتی ہے۔ بلحاظ اس بیداری کے جو عالم آخرت میں ملے گی۔ اس دنیا کی زندگی بھی ایک خواب ہے اور انسان سو رہا ہے۔ جب مرے گا تب بیدار ہوگا اور جو خواب یہاں دیکھا ہے اس کی وہاں تعبیر پائے گا۔ پہلی قسم کا خواب جو نفسِ مطمئنہ کا خواب ہے علم و عمل ہے۔ دوسری قسم کا خواب جو نفسانی ہے تصورات اور تصدیقات قلبی ہیں۔ تیسری قسم کا خواب حرص و طمع اور دنیا سے متعلق ہے ۔

رویت حق : یعنی ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ کو مخلوقات میں دیکھنا۔ کیونکہ خلق مظہر حق ہے اور دونوں عالم میں بجز ذاتِ حق کے کوئی غیر موجود نہیں ہے اس لیے کہ غیر حق عدم محض ہے۔ لہٰذا یہ جو کچھ نظر آتا ہے حق سبحانہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے جو مختلف تعینات اور رنگ برنگ کی تشبیہات میں جلوہ گر ہے۔

رویت روح : کی بہ نسبت قلب کے مطلق اور لطیف ہے ۔جس قدر لطافت اور اطلاق سالک پر بڑھتا جائے گا رویت بھی بطریق لطافت اور اطلاق بڑھتی جائے گی ۔ البتہ جس شخص نے مجاہدہ اور جاذبہ حق کی مدد سے اپنے آپ کو مطلق کیا وہ بے شک باعتبار اطلاق دنیا میں بھی حق کو بطریق اطلاق مشاہدہ کرے گا ۔ لیکن اس بھید کو وہی سمجھ سکے گا اور اس کا ذوق وہی پا سکے گا جس کا سلوک تمام ہو چکا ہے۔

رہبت : دو طرح پر ہے ظاہری اور باطنی ، ظاہری یعنی وعید سے ڈرنا اور باطنی سلب کیفیت سے ڈرنا ۔

ریا : اپنے آپ کو مخلوق کی نظر میں اچھا ظاہر کرنے کو جھوٹی عبادت کرنی ، اعمال و عبادات میں خلق پر نظر رکھنا اور حق تعالیٰ سے غافل رہنا ، اگر دل میں یہ مرض نہیں، ریا کا ٹھکانہ قلب میں ہے نہ کہ اعمال میں یہ خوف کہ لوگ اسے ریا نہ سمجھیں۔ تمام عبادات علانیہ کرنے کا حکم ہے یہ ریاکاری نہیں ۔

ریاضت : تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق اور اوصاف ملکوتی کے حصول میں مشقت کا اٹھانا موافق شریعت و طریقت عبادت شاقہ مثل کثرت روزہ، نماز، ذکر، نوافل، اعتکاف، چلہ کشی وغیرہ تا کہ صفائی قلب حاصل ہو ۔

ریحان : وہ نور ہے جو انتہائی ریاضت اور تصفیہ باطن سے حاصل ہو۔

ز

زاجر : داعی الی اللہ۔ وہ فرشتہ یا وہ واعظ اور ناصح کہ جو حق کی جانب سے قلب مومن میں پیدا ہو اور یہ ایک نور ہے جو داعی ہے عبد کو حق کی طرف۔ اس کو حق نے اپنی عنایت سے عبد مومن کے قلب میں ودیعت رکھا ہے۔ یہ ایک نور ہے جو اللہ کی طرف سے مومن کے قلب میں وارد ہوتا ہے اور مومن کو اللہ کی طرف کھینچتا ہے۔

زاہد : عبادت اور تقویٰ اختیار کرے اور ہمیشہ اس پر عامل رہے۔ تھوڑی چیز پر قناعت کرنے والا۔ فانی کو باقی کی لالچ میں ترک کردینے والا جو حظ نفس کو چھوڑ دے، جس میں زہد کی باتیں ہوں وہ زاہد ہے (جس کو آخرت کا ہر وقت خیال رہے) راحت و لذت دنیا کی پروا نہ رکھے ہر وقت عبادت الٰہی میں مصروف رہے۔ اسفل سے بیزار ہو کر اعلیٰ کی طرف دیکھتا ہے۔

زاہد خشک: جاہل اور ریاکار کو کہتے ہیں جو ظاہر احکام شرعیہ کی بجا آوری محض اپنی شہرت و تفاخر کے لئے کرتا ہے اور اپنے سوا ہر شخص کو حقیر سمجھتا ہے۔ قلب اس کا سخت ہوتا ہے اور زبان اس کی غیبت اور ذم خلایق پرور راز ہوتی ہے، ظاہر میں عابد و متقی لیکن دل محبت خدا سے خالی ہو۔ تقویٰ و عبادت محض ریاکاری کے واسطے ہو۔

زبان : سے مراد اسرار الٰہی ہوتے ہیں۔

زبان تلخ : سالک کا غصہ سے جواب دینا۔

زبان چرب : اُس کام کو کہتے ہیں جو سالک کی طبیعت کے موافق ہو

زبان شیریں : سے مراد وہ امر ہے جو موافق تقدیر کے ظہور پذیر ہو۔

زبور : تجلیات صفات افعالی۔

زجاجۃ : عبد مومن کے قلب کو کہتے ہیں۔ اس آیت پاک اللّٰہ نُور السمٰوات والارض الخ میں یہ چند الفاظ ہیں زجاجۃ مصباح۔ شجرہ۔ مشکوٰۃ۔ زیتونیہ سے مراد وہ نفس جو مستعد ہے نور قدسی سے قوت فکر کے ساتھ۔ زیت عبارت ہے نفس کے نور اصلی سے۔

صوفیائے کرام نے ان کے یہ معانی بیان فرمائے ہیں۔ مصباح سے مراد روح۔ شجرہ سے مراد نفس قدسی۔ مشکوٰۃ سے مراد جسم ہے اور زجاجہ سے مراد قلب ہے۔ مشکوٰۃ کے معنی طاقچہ کے ہیں۔ اس سے جسد کی طرف اشارہ ہے کہ وہ فی نفسہ ظلمت ہے اور روشنی اس میں روح کے نور سے ہے جس کی طرف مصباح سے جس کے معنی چراغ کے ہیں اشارہ کیا گیا اور زجاجہ قندیل کو کہتے ہیں یعنی روشنی جسم کے اندر مثل قندیل کے ہے۔ اس سے قلب کی طرف اشارہ ہے جو منور ہے اور وہ اپنے نور سے غیر کو روشن کرتا ہے اور کوکب دری، وفور نورانیت اور کثرت شعاع کو کہتے ہیں۔ شجرہ نفس مزکی ہے جس سے زجاجہ یعنی قلب روشن ہوتا ہے۔ یہ نفس مزکی زیتونیہ یعنی درخت اور تخم کے ہیں" اور بڑھتے ان کو اپنے فضل سے اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بلا حساب"۔

زخم دل و زخم جگر : دوام درد عشق سے مراد ہے۔

زخمِ زلف : اللہ تعالیٰ کے اسرار کی مشکلات اور دشواریاں۔

زر : کنایۃً ریاضت اور مجاہدہ کو کہتے ہیں۔ یہ وہ زادِ راہ ہے جس سے مسافر آخرت اپنا سلوک طے کرتا ہے۔

زردی : صفت سلوک اور عشق کی علامت ہے (عاشق کو زردی سے ایک خاص نسبت ہے) جو سلوک میں عارض ہوتی ہے اور درد بھی مراد لیتے ہیں۔

زکوٰۃ : ترک دنیا۔ ترک ایثار اور تصفیہء قلب و باطن کو کہتے ہیں یہ تین طرح پر ہے۔ زکوٰۃ عام، زکوٰۃ خاص، زکوٰۃ خاص الخاص۔

زکوٰۃ عام یہ ہے کہ اپنے مال سے بعد سال گزرنے کے چالیسواں حصہ مستحق زکوٰۃ یعنی مسکین کو دے جو شریعت نے مقرر کر دیا ہے۔ فقہ کی کتابوں میں بالتفصیل مذکور ہے۔

زکوٰۃ خاص یہ ہے کہ حقوق مقررہ شریعت ادا کرے۔

زکوٰۃ خاص الخاص یہ ہے کہ سالک اپنے کو خدا کی راہ میں ڈالے اور اپنی خودی کم کرے۔ یہی زکوٰۃ حقیقی ہے۔

زکوٰۃ حسن : اس سے مراد مجازاً بوسہ اور حقیقتاً فیض روحانی اور جذبہ حقیقی ہے۔

زلف: جذبہء عشق الٰہی کو اور موجودات اور تعینات کو بھی کہتے ہیں۔ بعض

لوگ کہتے ہیں کہ زلف سے اشارہ ہے تجلی جلالی کی طرف ، زلف جذبہء الٰہی اور ظلمت کافری کو بھی کہتے ہیں اور بعض غیب ہویت کو بھی کہتے ہیں کہ جہاں پر کسی کا گزر ہی نہیں اور مشکلات حقایق طریق کو بھی کہتے ہیں اور بعض لوگ زلف کو کسوت کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اس وجہ سے کہ زلف حاجب روئی وحدت ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک جو کچھ موجود ہے وہ زلف جناب باری ہے اور بعض سلسلہ امکان کو زلف کہتے ہیں جس کا اول مرتبہ عقل کل ہے اور آخر مرتبہ انسان ہے اس کے چند معنی اور بھی ہیں (۱) تجلی جلالی (۲) تجلی اسم ہُو (۳) جذبہٴ عشقِ الٰہی (۴) ظلمتِ کفر (۵) مشکلاتِ رموزِ حقائق کہ جن کے ادراک سے عقل عاجز ہوتی ہے۔ (۶) ذات کے جملہ مظاہر اور حجابات۔

حقیقت محمدیہ ﷺ یعنی تعین اوّل سے لے کر عالمِ اجسام تک۔ زلف کہلاتے ہیں اور عالمِ غیبی کو بھی کہتے ہیں اور اس سے وہ وجودِ خاص مراد ہے جس کے درجہ کی معرفت سے تمام جہاں کو علم حاصل ہو۔ زلف کا باب طویل ہے مختصر یہ کہ زلف میں سیاہی ہے اور درازی ہے ۔ تعنیات بھی حجاب ہیں بوجہ حجاب ہونے کے سیاہ ہیں زلف رخ زیبا کو چھپالیتی ہے اسی طرح تعنیات بھی ذات کو یعنی وجہ واحد حقیقی کو چھپا دیتے ہیں ، زلف سے کبھی تجلی اسم ہُو اور کبھی ذات خالص بلا اعتبار صفات کی جانب بھی کنایہ کیا جاتا ہے ۔

زمان : جو ہر وقت بدلتا رہتا ہے ۔ حرکت فلک اعظم کی مقدار ۔ چونکہ یہ حرکت دائمی ہے تعینات ایک دوسرے سے اسی کے باعث مسبوق مفروض ہوتے ہیں ۔ بعض کی نسبت بعض ماضی اور بعض مستقبل قرار دیئے جاتے ہیں ۔ ماضی گیا اور وجود نہیں رکھتا۔ مستقبل ابھی آیا نہیں ہے۔ حال ماضی کی نہایت اور مستقبل کی بدایت ہے یعنی ہر دور میں فاصل اور ہر دور میں مشترک ہے ۔

زمانہ : حکما کی اصطلاح میں حرکت فلکی کو کہتے ہیں اور صوفیاء کی اصطلاح میں عالم کو جس کو خیال حق بھی کہتے ہیں ۔

زمستان : مقامِ کشف ہے۔

زنّار : اس کے کئی معنی ہیں (۱) سالک کو یک رنگی و یکجہتی یعنی توحید حقیقی کا حاصل ہو جانا۔ (۲) معشوق کا اپنے عاشق کو نوازنا (۳) معشوق کی خدمت اور اطاعت کے لیے کمربستہ ہو جانا (۴) کبھی زنار سے زلف معشوق بھی مراد لیتے ہیں نیز باری تعالیٰ کی تجلی ذاتی کے زبردست وسیلہ سے مدد چاہنا ، راہ دین میں مطابقت اور راہ یقین میں استقامت خدمت اور اطاعت۔ اس کی دو قسمیں ہیں زنار محمود عبادت اور عبودیت کے ساتھ ، زنار مذموم دنیا اور نفس کے ساتھ ۔

زنّار بستن : یعنی خدمت کے لیے مستعد ہونا یہ عبودیت کے مشابہ ہے ۔

زنان : جو مثل عورت کے خانہ نشین ہیں، ہمت اور شجاعت سے محروم، عورتوں کی طرح ناقص العقل اور نقص الدین ہیں۔ مشہور ہیں زنان مصر۔

زنخ : مقام ملاحظہ و مشاہدہ کو کہتے ہیں ، زبان کی لذات کا محل ، عبارت ہے محل لطف اور محبت سے ۔

زنخداں : عبارت ہے لطف و عنایت سے ، اس ذات لطیف کو حجابات ظلمانی و پردہ ہائے جسمانی میں مشاہدہ کرنے میں جو مشکلات سالک کے لیے پیش آتی ہیں ان مشکلات کے مشاہدہ کو زنخداں کہتے ہیں ، چاہ نورانی سے نکل کر چاہ ظلمانی میں جا پڑنا ، لطف اور عنایت کے ساتھ تھوڑا سا قہر۔

زندگی زندگانی : زندگی میں محبوب کی نگاہ میں مقبولیت کا حاصل ہونا حقیقی زندگی ہے۔ اس کے برعکس جو حالت ہو وہ موت ہے ۔

محبوب کا عاشق کی طرف متوجہ ہونا اور اس کی خدمات و ایثار کو قبول کرنا نیز دربارِ محبوب سے عاشق کا ہٹا دینا اور نکالنا زندگی کے برعکس یعنی موت ہے ۔

زواہر الانبیا۔ زواہر العلوم۔ زواجر الوصلہ : علوم طریقت۔ رموزِ حقیقت اور اسرار الٰہی کو کہتے ہیں۔

زورق/سیر زورق : کشتی۔ تعین نشاء انسانی کا منازل امواج کثرت عبور کر کے مقام وحدت تک پہنچنا یوں تو بحر وحدت میں تعیناتِ صوری و معنوی میں ہر تعین ایک زورق یعنی کشتی ہے ، مگر دریائے توحید میں سیر عیانی نشاء انسانی کے سوا کسی دوسرے مرتبہ میں میسر نہیں ۔

زہد/زہد خشک : خواہشات نفسانی کو مارنا۔ جسمانی عیش و آرام اور راحت کو ترک کرنا۔ دل کو ماسوائے اللہ کی طرف نہ مائل ہونے کو زہد کہتے ہیں اور یہ مقام رندی سے ادنیٰ ہے ۔ عبادت اور تقویٰ اختیار کرنا۔
زیت : سے مراد نورِ اصلی ہے جس سے قلب میں صلاحیت اور استعداد حاصل ہوتی ہے۔
زیتونت : سے مراد وہ قلب ہے جس میں نورِ قدسی کے روشن ہونے کی استعداد ہے ۔
زیتون/ زیتونیہ : سے مراد ہے انواع و اقسام کے فیوض قبول کرنے کی قابلیت ۔

س

سابقہ : اللہ کی ازلی عنایت جو بندہ کے واسطے پہلے سے مقرر ہو چکی ہے۔
ساحل : دیکھئے ''دریا و ساحل'' مکمل تفصیل درج ہے ۔
ساربان : رہنما ۔ سالک ۔ مرشد ۔ قضاء و قدر کو کہتے ہیں ، کیونکہ یہ بھی سار بانی کرتی ہے ۔
ساز : یافت ذات اور بقا بحق کو کہتے ہیں۔ مزید دیکھیے سوز و ساز .
ساعد : صفت قدر و قوت کو کہتے ہیں۔
ساغر : اس سالک کو کہتے ہیں کہ انوارِ غیبی کا مشاہدہ کرے اور مقامات کا اس کو ادراک ہو ۔ بعض کہتے ہیں کہ جس چیز میں معانی کا ادراک اور انوارِ غیبی کا مشاہدہ ہو اس کو ساغر کہتے ہیں۔ نیز ساغر سے گردش چشم مرشدی جو سالک کو حقیقی مستی بخشتی ہے۔ نیز ساغر کو پیمانہ بھی کہتے ہیں ۔
ساقی : شراب محبت الٰہی پلانے والا ، ساقی کو مطرب بھی کہتے ہیں کیونکہ ترانہ ،محبت اور نغمہ ، توحید سنا کر مست کر دینے میں ساقی مطرب کا کام دیتا ہے۔ دلوں کو مستیوں میں لانے والا پیر کامل۔
فیض معنوی پہنچانے والے اور ترغیب دینے والوں کو کہتے ہیں جو اپنی کشف سے حقایق اور معارف بیان کرتے ہیں اور ساقی صور مثالیہ اور جمالی کو بھی کہتے ہیں جس کے دیکھنے سے سالک پر مستی طاری ہوتی ہے اور مرشد اور محبوب حقیقی اور عارف کامل کو بھی کہتے ہیں ، اطمینانِ خاطر سے تجلیات کا ورود جو موجب لذت و شکر ہوتا ہے ''اور پلائے گا ان کو اُن کا رب شراب طہور'' (سورۃ الدھر آیت ۔۲۱)۔
ساقی و مطرب : ان دونوں سے مراد مخلوق کو فیض پہنچانے والے اور رموز حقیقت و نکات معرفت بیان کر کے عارفوں کو مسرور رکھنے والے کو کہتے ہیں اور ساقی کے چند معنی اور بھی ہیں ۔
(۱) صورِ جمیلہ کہ جن کے دیکھنے سے سالک پر مستی غالب ہو ۔
(۲) شرابِ محبت پلا کر اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا کرنے والا اور مقصود الطالبین میں ہے کہ ساقی کی دو قسمیں ہیں ایک ساقی بالذات دوسرا بالواسطہ ساقی بالذات اللہ تعالیٰ ہے جس کا اس آیت میں اشارہ ہے۔ ''اور پلائے گا ان کو اُن کا رب شراب طہور'' (سورۃ الدھر آیت۔ ۲۱)۔
وسقاهم ربهم شراب طهورا (پلائی اُن کے رب نے پاک شراب) ۔
اور ساقی بالواسطہ : جملہ انبیاء اولیاء ۔
شیخ کامل کہ فیضِ الٰہی کو طالبانِ حق تک پہنچاتے ہیں ، ساقی شب ، پیر مرشد جو قلب سے حق کی طرف متوجہ ہو ۔
سالک : سیرالی اللہ کرنے والے کو سالک کہتے ہیں اور ان کی چند قسمیں ہیں ۔
(۱) اول محض سالک (یعنی راہِ طریقت پر چلنے والا و منازل طریقت کو مجاہدہ اور ریاضت سے طے کرنے والا) ۔
(۲) سالک مجذوب اس کو کہتے ہیں ۔ کہ اثنائے سلوک میں بفضل ایزدی یکا یک ایسا جذبہ پیدا ہو جائے جو دفعتہً اس کو واصل بحق کر دے ۔
(۳) مجذوب سالک اس کو کہتے ہیں جس کی ابتدا جذبہ سے ہو اور اس کے بعد وہ راہِ طریقت مجاہدہ اور ریاضت سے طے کر کے واصل بحق ہو جائے ۔
(۴) مجذوب محض وہ ہے کہ جس پر جذبۂ الٰہی وارد ہو اور بہت سے اسرار اس پر منکشف ہو جائیں۔ لیکن وہ بوجہ حالت محویت کے اور جوش عشق کے قواعد سلوک پر نہ چل سکے اور طریقۂ اہل ارشاد کے مطابق راہِ طریقت کے جملہ مراتب نہ طے کر سکے اور مقام بقاء بعد الفنا تک نہ پہنچے۔ اس وجہ سے مجذوب محض قابلِ تقلید نہیں ہوتے۔ سب سے افضل مرتبہ سالک مجذوب کا ہے اس کے بعد مجذوب سالک کا ہے۔

بعض صوفیائے کرام لکھتے ہیں کہ سب سے اعلیٰ مرتبہ مجذوب سالک کا ہے۔ پھر سالک مجذوب کا پھر سالک محض کا پھر مجذوب محض کا۔

سالک ہالک جو مجاز میں قید اور حقیقت سے بالکل بے خبر۔ سالک واصل آغاز سلوک سے محکوم حقیقت مرتبہ اطلاق پر فائز اور توحید مطلق میں گم ہو۔

سبب اول : دل میں جو خطرہ سب سے پہلے کسی امر کے متعلق گزرتا ہے اسے خاطر اول خاطر ربانی ہاجس یا سبب اول کہتے ہیں۔

سبب رنج : اسرار الٰہی کے حصول کی مشکلات کا نام ہے۔

سبزی/سپیدی/سرخی : کمال لطف خواہ خدا کی طرف سے ہو یا خدا کے دوستوں کا ہو یا معشوقِ مجازی کا ہو۔ مطلق کمال لطف جو باعث شادابی ہے مراد ہے۔ سپیدی یک رنگی اور صفائی کو کہتے ہیں۔ سرخی قوت سلوک ہے جو سرخ روئی کا باعث ہوتی ہے۔

سبع مثانی : فاتحہ الکتاب کا ایک نام ہے جو سات آیات کا مجموعہ ہے حق تعالیٰ کے بھی مرتبہ عین اور مرتبہ علم میں سات اعتبارات کلی ہیں۔ جنھیں صفات سبع ذاتیہ بھی کہتے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ ۱۔ حیات۔ ۲۔ علم۔ ۳۔ قدرت۔ ۴۔ ارادہ۔ ۵۔ سمع۔ ۶۔ بصر۔ ۷۔ کلام۔

سپند : کالے دانے کو کہتے ہیں۔ اس سے تجلی ذات مراد ہے جس کا رنگ تاریک ہے جس کو ماہیتہ الحقایق بھی کہتے ہیں۔

سپیدی : یک رنگی صفائی اور توحیدِ ذوقی کو کہتے ہیں۔

ستر : ۱۔ وہ حجاب جس کے رفع ہونے سے سالک واصل ہوتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ جو انعامات بندہ کو عطا فرمائے ان کو پوشیدہ رکھنا، حدیث میں ہے اگر اللہ اپنے چہرہ سے پردہ دور فرما دے تو اس کے چہرہ کے انوار جہاں تک اس کی بصر پہنچے سب کچھ جلا کر خاک کر دیں چنانچہ جب انوارِ حقیقت اپنی شعاعیں عارف کے قلب پر ڈالتے ہیں اس وقت خاصان خدا ایسا پردہ طلب کرتے ہیں جو اس تجلی کا انہیں متحمل بنا دے۔ استتار سے یہی مراد ہے۔

سجادہ : مراد شریعت و طریقت و حقیقت میں کمال حاصل کرنا اس کی اصل سہ جادہ ہے۔ نیز سجادہ سے ظاہری تبدیلی مراد ہے۔

سجادگی : نیابت مطلقہ۔ یہ خلافت اصلی ہے اسے خلافت کبریٰ بھی کہتے ہیں جو شیخ کے دل پر بار بار الہام حق وارد ہو کہ فلاں شخص کو خلافت دی جائے اور شیخ اس کی تعمیل پر مجبور ہو۔

سجود القلب : سالک کا ذاتِ حق کو مشاہدہ کرنا اور اس میں ایسا محو اور فنا ہو جانا کہ کوئی فعلِ جوارح اس کے مشاہدہ میں مخل نہ ہو سکے یعنی اپنے اور مخلوق کے کاروبار بھی کرتے رہنا اور مشاہدۂ ذات میں بھی محو رہنا

سحق : ۱۔ اس سے مراد حقیقت کی تجلی عظمت میں عبد کا درمیان سے اٹھ جانا، حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے حادث جب قدیم سے قریب ہوتا ہے تو اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔

ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے ظہور کے وقت سالک کا اپنی ہستی اور انانیت کو مٹا دینا۔ ۲۔ قہر الٰہی کے تحت میں ترکیب انسانی کا پراگندہ ہو جانا۔

سخن : اس سے اشارہ ہے عالم غیب کی طرف اور کلام الٰہی کو بھی کہتے۔ ہیں اس کی دو قسمیں ہیں، بالعبارت اور بالاشارت۔ اول مشتمل ہے الفاظ اور معانی اور مطالب اور حقایق پر جیسا کہ طُور پر کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا۔ یہ قرآن مجید ہے کہ الفاظ و معانی و مطالب و حقایق پر مشتمل ہے۔

دوم کلام بالاشارت ہے اور وہ مشتمل ہے صور اور ارواح اور اعیان اور شیون پر جیسا کہ جناب باری نے فرمایا لو کان البحر مداداً الآیة یا وہ کلمة القاھا الی مریم و روح منه یہاں پر کلمہ سے مراد وجود ناسوتی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے اور اس کو زبان حال کہتے ہیں اور اس معنی میں کل عالم کلام الٰہی ہے کہ صورتیں بمنزلہ الفاظ کے ہیں اور ارواح بمنزلہ معانی اعیان بمنزلہ مضمون یا مطلب اور شیون بمنزلہ حقایق ہیں اور ان سب کا صدور ایک ذات سے ہے جو متکلم ہے اور تخاطب اس کا حقیقت محمدی ﷺ کی طرف ہے جو محبوب حق ہیں لولاک لما خلقت الافلاک (اگر نہ ہوتا تو البتہ نہ پیدا کرتا میں آسمانوں کو۔ (۱) عالم غیب کے اسرار سے آشنا و آگاہ ہونا۔ (۲) محض انبیاء الٰہی کے اشارات مراد ہیں۔

سخن خوب : اشارہ واضح کو کہتے ہیں جو مادہ اور غیر مادہ میں ہو۔

سخن درخواب : شی محسوس میں اشارات کا کشف۔

سخن شیریں : وحی انبیاء علیہم و السلام پر اور الہام اولیاء کرام پر

وارد ہوتے ہیں۔

سدرۃ المنتہیٰ : ۱. وہ انتہائی مقام جس کے ذریعے سے مخلوق اپنی سیر میں خدا تعالیٰ تک پہنچتی ہے اس سے اوپر کسی کی رسائی نہیں۔ ہاتھی کے کان کے برابر پتوں والا بیر کا درخت۔

۲. برزخ کبریٰ یعنی حقیقتِ محمدیہ ﷺ تعین اول کو کہتے ہیں اور عقل کلّی کو کہتے ہیں جہاں پر سب کی سیر اور اعمال اور علوم عقلی منتہے ہوتے ہیں اور یہی مراتب اسماء خلقیہ کی انتہا ہے۔

سِرّ : بھید الٰہی کو کہتے ہیں، اس کی چند اقسام ہیں۔

ایک سرّ لطیفہ ذات ہے، جو قلب میں امانت رکھا گیا ہے جس طرح روح جسم میں ہے اور یہ سرّ محل مشاہدۂ ذات ہے جس طرح روح محل محبت اور قلب محل معرفت ہے نیز سرّ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا نور صرف صاحبِ دل اور راسخین فی العلم ہی کو ہوتا ہے۔

دوسرا وہ سرّ ہے جس کی بابت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں فرماتے ہیں کہ انسان کے جسم میں ایک مضغہ ہے اور مضغہ میں دل ہے اور دل میں روح ہے اور روح میں سرّ ہے اور سرّ میں خفی اور خفی میں اخفی اور اخفی میں انا۔

تیسرا وہ سرّ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شئے کی ایجاد کا ارادہ فرماتا ہے تو اُس شئے کو مخصوص اور متعین فرما کر لفظ کُن سے اس کو مخاطب کرتا ہے۔ پس وہ شئے ہو جاتی ہے۔ اس آیت پاک میں اسی طرف اشارہ ہے۔ انّما قولنا لشئی اذا اراد ان نقول لہ کن فیکون۔

چوتھا سرّ ہے۔ اس واسطہ کہا گیا ہے کہ نہیں پہچانا حق کو کوئی سوائے حق کہ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یعنی پہچانا میں نے اپنے پروردگار کو اپنے پروردگار سے اور حق نے فرمایا ترجمہ: ''انسان میں بھید ہے اور میں اس کا بھید ہوں'' یہاں تخصیص انسان کی بوجہ جامعیت ہے۔

سرّ العلم : پانچواں سرّ اس سے مراد سر علم باری تعالیٰ کا ہے جو حقیقت باری تعالیٰ کی ہے کیونکہ حقیقتاً علم عین حق ہے اور غیر بحسب اعتبار اسے سرالعلم بھی کہتے ہیں۔

سرّ الحال : چھٹا سرّ ہے یعنی وہ سرّ جس کے ذریعے سے ارادہ حق سبحانہ کی معرفت حاصل ہو یعنی جو کچھ وارد ہوا ہے اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے اور منشاء اس حال کا کیا ہے۔

سرّ الحقیقت : ساتواں سرّ ہے یعنی وہ سر جس کا افشاء نہیں کیا جاتا اور وہ ہر شئے میں ہے بلکہ ہر شئے کے عین ہے یعنی وہی ذات باری تعالیٰ کی ہے۔

سرّ التجلیات : آٹھواں سرّ سے مراد ہے مشاہدہ کرنا دل کا ہر شئے کو۔ ہر شئے میں انکشاف تجلی اول کے ساتھ یعنی مشاہدہ کرنا احدیت جمعیہ کو تمامی اسماء میں بسبب ہر اسم کے متصف ہونے کے کل اسماء کے ساتھ کیونکہ اسماء ذاتاً احدیت ذات سے متحد ہیں البتہ بسبب ان تعینات کے کہ جو اکوان خارجیہ میں ان اسماء کی صورتیں ہیں ہر اسم باہم متمیز ہو گیا ہے پس اس صورت میں سالک بوجہ احدیت کے یعنی سالک کا مرتبۂ وحدت تک پہنچ کر اور تجلی تعین اول کا انکشاف ہونے کے بعد ہر اسم اور ہر مظہر میں احدیت کا مشاہدہ کرنا اور ہر شئے کو ہر شئے میں دیکھنا۔

سرّ القدر : نواں سَر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہر ایک اعیان ثابتہ کے لیے جو احکام اور احوال مقرر فرمائے ہیں جن کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہے اور جب یہ اعیان ثابتہ وجود خارجی میں ظہور پذیر ہوتی ہیں تو بحکمِ خدا وہی احکام اور احوال ان سے صادر ہوتے ہیں۔

سرّ الربوبیہ/ربوبیت : دسواں سَر ہے یعنی ذاتِ حق سبحانہ رب ہے اور اعیان ثابتہ مربوب ہیں اور ربوبیت ایک نسبت ہے۔ درمیان ذاتِ حق اور اعیان ثابتہ کے لہٰذا ربوبیت کا ظہور موقوف ہے اعیانِ ثابتہ پر اور اعیانِ ثابتہ معدوم ہیں لہذا غیریت اعتباری کے لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ربوبیت معدوم ہے کیونکہ وہ موقوف ہے اعیان ثابتہ پر جو فی نفسہ معدوم ہیں۔

سرالسر : علم تفصیل حقایق اور اعمال اور احدیت الجمع کو کہتے ہیں اور بعض ہویت ذات مراد لیتے ہیں۔

سرائر : ۱. سرائر جمع ہے سریرۃ کی۔ سالک کا وصول تام میں حق تعالیٰ میں مستغرق اور محو ہو جانا مقام لی مع اللہ۔

۲. واصل باللہ ہو کر سالک کا ذات حق سبحانہ تعالیٰ میں مستغرق اور محو ہو

جاتا۔ اسی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ لی مع اللّٰہ وقت لا یسعنیٔ فیہ احد (میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے کہ اس وقت مجھ میں کسی چیز کی گنجائش نہیں (سوائے ذات کے)۔

سرائرالآثار: اسماء الٰہیہ کو کہتے ہیں کیونکہ یہ اسماءِ عالمِ اکوان کے بطون ہیں۔

سرخوش: اس سے مراد مستی ہے جو جوش کے ساتھ ہو اور اس کا افاضہ دوسروں پر بھی ہو سکے۔

سرخی: سالک کی قوتِ سلوک کو کہتے ہیں جو سرخ روئی کا باعث ہوتی ہے اور بعض جوش عشق کو عاشق میں اور بعض شوخی جمال کو معشوق میں تعبیر کرتے ہیں اور روحانیت کو بھی مراد لیتے ہیں۔

سردی: نفس کا خواہشات سے فارغ ہوجانا نیز مراد راحت طلبی ہے۔

سرِزلف: عبارت ہے تعین ناسوتی سے نیز انسانِ کامل کو کہتے ہیں۔

سرّ الربوبیت: یعنی سرالربوبیۃ کو نظرِ حقیقت سے دیکھا جائے تو اس میں ایک اور سرّ ہے وہ یہ کہ غیریتِ اعتباری اور اضافی نسبت کو اٹھا کر دیکھو تو وہی ذاتِ حق رب ہے۔ اور وہی ذاتِ حق بصورتِ اعیان ثابتہ مربوب ہے کوئی غیر شئے نہیں ہے وہی رب وہی مربوب وہی موجود لہٰذا نسبت ربوبیۃ کسی غیر شئے پر موقوف نہیں ہے۔ کیونکہ رب غیر موجود ہی نہیں ہے پھر ربوبیت معدوم کیوں ہو سکتی ہے۔

سرکشی: ۱۔ سالک کی سرکشی یہ ہے کہ اڑا رہے۔ اس کے برعکس حالت کو سرکشی نفس کہتے ہیں۔ مراد اور ارادہ اور ارادہ کی مخالفت جو بحکم ایزدی ہو۔ ۲۔ بعض اسے تجرید وتفرید مراد لیتے ہیں۔

سرو: بلندیِ مرتبہ مراد ہے اور مرادف قامت ہے۔ اس سے مراد عالم کون ہے اور سرو خرامان سے مراد نورِ محمدی ﷺ ہے جس نے باغ عالم کی سیر اپنے مشاہدہ قد بالا کے لئے اختیار فرمائی۔

سرور: اس سے مراد ہے ذات کا لذت پانا۔ ذات میں بوجہ اندماج صفات کے۔

سرورِنفس: فراغت اور فرحت دل کو کہتے ہیں۔

سریان: ساری ہونے کو کہتے ہیں۔ یہ دو طرح پر ہے۔ ایک حلول سریانی جیسے کہ ایک موجود دوسرے موجود میں حلول کرے مثلاً سواد جسم سواد عرض میں حلول کرے اور دوسری قسم ہے سریان ظہور مطلق صور مقیدات کے ساتھ مثلاً انسان مطلق کا سریان زید اور عمر اور بکر اور خالد ہیں اور سریان کرہ کا خطوط اور نقطہ میں اس کو حلول نہ کہیں گے بلکہ سریان کہیں گے اس کی تحقیق تفصیلی حرف حا میں حلول میں درج ہو چکی۔

سَریرۃ: یہ جمع ہے سرائر کی سالک کا وصول تام میں حق تعالیٰ کی ذات میں محو ہو جانا مقام۔ حی مَعَ اللّٰہ۔

سعادت: طلب ازلی جو سالک میں ابتداء ہی سے حق کی طلب رکھی گئی ہے۔ اور بعض علمِ لدنی سے مراد لیتے ہیں۔

این سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

سالک کا اپنی خودی کو مٹانا۔

سعۃ القلب: یعنی انسان کامل کا حقیقت برزخیہ (جو کہ جامع ہے امکان اور وجوب کی) کے ساتھ متصف ہونا۔ کیونکہ انسان کامل جب اس مقام میں پہنچتا ہے تو اس کا قلب اتنا وسیع ہو جاتا ہے کہ ذات اس میں سما جاتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میں زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا۔ لیکن قلبِ مومن میں میری سمائی ہے"۔

سفر: سفر سالکوں کی اصطلاح میں ایک مقام سے دوسرے مقام کی جانب حرکت معنوی کو سفر سے تعبیر کرتے ہیں، کہتے ہیں توجہ کرنا عبد کا حق تعالیٰ کی طرف اور یہ چار طرح پر ہوتا ہے۔

سفر اول کو سیر الی اللہ کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ عبد سیر کرے حق کی طرف منازل نفس سے افق مبین تک جو نہایت مقام قلب ہے اور یہ مبدء تجلیات اسمائیہ ہے۔

سفر دوم سیر فی اللہ ہے جس میں سالک صفات حق کے ساتھ متصف اور اسماء حق کے ساتھ متحقق ہوتا ہے اور اس سفر کی انتہا افق اعلیٰ تک ہے اور یہی نہایت حضرت واحدیت کی ہے اور اسی کو مقام روح کہتے ہیں۔

سفر سوم سیر باللہ کہ جس میں سالک عین جمع اور حضرت احدیت تک جو مقام قاب قوسین ہے ترقی و سیر کرتا ہے اور ولایت کا مقام بھی یہی ہے۔ اس مقام تک اثنینیۃ یعنی دوئی باقی رہتی ہے اور جب اثنینیۃ مرتفع ہو جاتی ہے تو وہی مقام اَو ادنیٰ اور نہایت ولایت کا ہے۔

سفر چہارم سیر من الحق الی الخلق یہ تکمیل کے واسطے ہے اور یہی مقام بقا بعد فنا اور فرق بعد جمع ہے ۔

سفرالحق: حق سبحانہ کا تنزلا و تعینات میں نزول فرمانا، اسی کو قوسِ نزولی کہتے ہیں ۔

سفرالعبد/قوس عروجی: مرتبۂ جامع سے ذات احدیت کی طرف عروج کرنا اور مراتب تعینات کو طے کرنا ۔ اسی کو قوس عروجی کہتے ہیں۔ اس کی ابتداء انسان اور انتہا نقطۂ وحدت ہے ۔

سفر در وطن: کہتے ہیں سالک طبیعت بشری سے سفر کرے یعنی صفات بشری سے صفات ملکی پر فائز ہو اور صفات ذمیمہ سے صفات حمیدہ کی طرف انتقال کرے ۔

سقف المرفوع: مکانت عالیہ الٰہیہ جو قلب سالک میں واقع ہے حقیقت الٰہیہ بیت المرفوع کی جہت الوہیت ہے اور بیت قلب ہے ۔

سقوط الاعتبارات: یہ اشارہ ہے ذات بحت کی طرف۔ اس لیے کہ وہ منزہ ہے جمیعِ اعتبارات سے ، احدیت الذات جس میں تمامی اعتبارات ساقط ہیں ۔

سکر: ۱. (اپنے نفس سے اور خلق سے غائب اور حق تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کو غیبت کہتے ہیں) سکر حیرت و وحشت و ولہ و غایت بیخودی و مدہوشی و تعطل عقل جو مشاہدۂ جمال معشوق ہو ۔ یہ وہ حالت ہے جو غیبت سے تقویت پاتی ہے اور طرب و التذاذ کار باعث ہوتی ہے ۔

۲. وقتِ مشاہدۂ جمال محبوب مست و بیخود ہو جانا اور عقل کا عشق سے مغلوب ہو جانا اور اس نوبت پر پہنچنا کہ اس کو عاشق و معشوق کی تمیز نہ رہے۔ اسی حالت میں حضرت منصورؒ سے انا الحق اور حضرت بایزید بسطامیؒ سے سبحانی اعظم شانی صادر ہوا۔

سکینہ: ایک نور ہے جو سالک کے دل پر وارد ہو کر اس کو مطمئن کر دیتا ہے جس سے اس کو درجہ عین الیقین حاصل ہو جاتا ہے ۔

نور طمانیت جو حق تعالیٰ کی جانب سے قلب سالک پر وارد ہوتا ہے "وہی اللہ ہے جس نے نازل فرمائی تسکین بیچ ایمان والوں کے دلوں کے تا کہ بڑھ جاویں ایمان میں ساتھ اپنے ایمان کے" (ترجمہ سورۃ الفتح آیت ۔۴)

سلاب: سلب اختیار جمیع احوال و اعمال ظاہری و باطنی میں اختیاراتِ سالک کا سلب ہو جانا۔

سلام: درود اور صفت و ثناء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے ہیں۔

سلامتی: تجرید کونین اور تفرید دارین کیوں کہ حقیقی سلامتی اسی میں ہے۔

سلسلہ: ۱. اعتصام خلائق کو کہتے ہیں یعنی اس سے فیض بالواسطہ مراد ہے خواہ آفاق میں ہو کہ اشیاء کو سلسلہ بسلسلہ حضرت واحدیت سے فیض رحمانی پہنچتا ہے اور خواہ نفس میں کہ قلب کو بواسطہ روحانیت روح کلی یعنی حضرت وحدت سے فیض رحیمی پہونچتا ہے اور خواہ النفس مع الآفاق میں کہ سالک کو بواسطہ اولیاء و انبیا حضرت الوہیت سے دونوں فیض پہونچتے ہیں ۔

۲. جماعت روحانی جو آپس میں ایک دوسرے سے منسلک ہوں ۔

سلطان: عمل کا قائم ہونا جس کا قیام اعمال پر ہمیشہ ہو۔ سلطان کے لغوی معنی نشانی کے ہیں۔ اصطلاح میں مبتدی کے لیے استقامت بالعمل اور متوسط کے لیے حضرت جبروت کا مشاہدہ اور منتہی کے لیے بقا بعد الفنا ۔

سلطانی: واردات الٰہی ، اعمال و احوال کا عشاق پر جاری ہونا ۔

سلوک: طلبِ قربِ حق تعالیٰ۔ نیز سلوک خدا تک پہنچنے کا راستہ بطریق سیر کشفی عیانی نہ کہ بطریق استدلال۔ اس راستہ پر چلنے والے کو سالک کہتے ہیں۔ وقت خاص میں یاد باری تعالیٰ کا غلبہ جس سے دوسرے خیالات محو ہو جاتے ہیں۔ یہ منجانب اللہ ایک کشش ہوتی ہے۔ اس حالت کو صفائی مبتدی کہتے ہیں ۔

جو پہلی قسم ہے صفائی وقت کی کیونکہ یہ حالت مبتدیوں پر طاری ہوتی ہے اس مرتبہ کے صوفی کو سالک مجذوب کہتے ہیں۔ تجلیات کے وارد ہونے کی حالت صفائی متوسط ہے اس مرتبہ کے صوفی کو مجذوب کہتے ہیں۔ شیخ طبیب دل ہر مریض اور اس کا مرض دیکھ کر علاج کرتا ہے۔ سلوک کے طریقے بے تعداد ہیں۔

۱۔ طریق اخیار کثرت صوم وصلوٰۃ و تلاوت قرآن و حج اور جہاد۔

۲۔ طریق اصحاب مجاہدات و ریاضت اخلاق ذمیمہ ریاضت اور مجاہدہ سے اخلاق حمیدہ میں بدل جانا۔

۳۔ طریق اصحاب شطاریہ: ریاضت سے گریز ، صحبت خلق سے پرہیز ، ماسوائے سے بیزاری ، ذکر و فکر کے سوا کسی اور شغل سے سروکار نہ

رکھنا۔ وصول الی اللہ کے لیے یہ طریقہ زیادہ اقرب و قوی ہے۔ کشش ربانی اور عنایت الٰہی سے وہی نوازے جاتے ہیں جو اس راستے میں جدوجہد کرتے ہیں۔

سماع : مجلسِ انس و محبت کو کہتے ہیں۔ نیز سماع، دل کش موہنی آواز جو سلیم الطبع انسان کی فطرت میں خدا نے رکھی ہے کہ وہ صدائے دل کش اور نغمہ شیریں سن کر محظوظ ہو مسرور ہو اور مستی میں آ جائے۔ صوتِ ہوش ربا جانوروں کے لیے بھی کشش مقناطیسی ہوتی ہے۔ بچے بھی اسے سن کر بے خود ہو جاتے ہیں۔ آواز بہت بڑی انسانی ضرورت کو پورا کرنے چیز ہے جو بطور انعام انسان کو مرحمت ہوئی سورۂ الفاطر کی آیت کا ترجمہ ہے۔ (اللہ تعالیٰ خلقت میں جو چاہتا ہے بڑھاتا ہے یعنی جسمانی ترکیب میں زیادتی فرما دیتا ہے) مفسرین نے کی اس تفسیر سے اشارہ خوش آواز کی جانب کیا ہے۔ سب سے پہلی مستی جو روح انسانی پر طاری ہوئی الست بربکم کے دل کش نغمہ کو سن کر طاری ہوئی اور سب سے آخری مستی نغمہ صور کی ہو گی جس کی حیات بخش آواز سے مردے زندہ ہو جائیں گے اور رقص کرتے ہوئے اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہوں گے۔ آواز میں دونوں کرشمے ہیں۔ زندوں کو مردہ کر دیتی ہے اور مردوں کو زندہ۔ پہلا نغمہ صور زندوں کو مردہ کردے گا اور دوسرا نغمہ صور مردوں کو زندہ کردے گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو حسن صوت اور خوش الحانی کا معجزہ ملا، آپ کی مجلس میں زبور شریف سن کر سننے والے جان دے دیتے تھے۔ حضرت بختیار کاکیؒ پہلا مصرعہ سن کر جان بحق تسلیم ہو جاتے اور دوسرے مصرعہ پر ازسرنو زندہ ہو کر تڑپنے لگتے۔ اگر قوالوں کو اس موقع پر روکا نہ جاتا تو ایک شہید محبت کے اس مرنے جینے کا کھیل دنیا قیامت تک دیکھتی رہتی۔

مجلس سماع اس کو کہتے ہیں جب اہل صفا صدق کے ساتھ طلب الٰہی کے ذوق و شوق میں جمع ہوں۔ سماع کے لیے تین چیزوں کی صحت ضروری ہے۔

۱۔ زمان : سماع سننے کے وقت جب دلوں میں یک سوئی ہو۔ حق تعالیٰ کے ساتھ خلوت کے لیے طبیعت آمادہ ہے۔

۲۔ مکان : مقام ایسا ہو جہاں یک سوئی ہو۔ خانقاہ یا مکان جو اس کے لیے مختص ہو۔

۳۔ اخوان : ہم نشین ایسے ہوں جو ہم مذاق، ہم مشرب، ہم رنگ ہوں۔ سماع جو حق سے سنتا ہے حق رسیدہ ہو جاتا ہے اور جو نفس سے سنتا ہے زندیق بن جاتا ہے۔ سماع کے وقت تین قسم کی سعادتیں عالم بالا سے سامعین پر فائض ہوتی ہیں۔

۱۔ انوارِ عالم ملکوت سے پیدا ہو کر ارواح پر نزول کرتے ہیں۔

۲۔ احوالِ عالم جبروت سے علیحدہ ہو کر قلوب پر نازل ہوتے ہیں۔

۳۔ آثارِ عالم ملک سے پیدا ہو کر روح پر اثر ڈالتے ہیں۔

سماع بلحاظ اپنی تاثیر کے دو اقسام پر منقسم ہے، ہاجم اور متکلف۔ ہاجم قلب میں ایسی غیر معمولی تحریک و برانگیختگی پیدا کرتا ہے جو بیان سے باہر ہے۔ متکلف کی شان یہ ہے کہ اُس کے سننے والے کا دل خود بخود بے اختیارانہ طور پر محبوب کی جانب برانگیختہ ہو یا مرشد و ہادی یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب میلان کر کے اللہ کے تقدس پر مائل ہوتا ہے۔ سماع کے باب میں مزید جاننے کے لیے سردلبراں، سے فیض حاصل کریں۔

سمٰوات : سمٰوات ارواح ہیں۔ زمین اجساد ہے۔ مشکوٰۃ جسم انسانی ہے۔ مصباح روح ہے جو مثل چراغ کے روشن اور کنندہ ہے۔ زجاجہ قلب عبد ہے۔

سمسمہ : ایک رمز ہے حقیقت کی۔ کسی طرح اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ دقائق و معارفت جو عبارت کے بیان نہ ہو سکیں نہ تحریر میں آ سکیں۔ ایک ذوقی اور وجدانی کیفیت ہے، جس پر طاری ہو وہی جانے۔

سنت/سنہ : ترکِ دنیا کو کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں الفریضتہ حب المولی والسنتہ ترك الدنيا (محبت اللہ تعالیٰ کی فرض ہے اور ترکِ دنیا سنت)۔

سنبل : مرادف زلف ہے۔

سواد الوجہ فی الدارین : فنا فی اللہ ہو جانا۔ دین و دنیا کے جھگڑوں سے چھوٹ جانا۔ صوفیا کے اس قول سے اسی طرف اشارہ ہے اذاتم الفقر فهو الله (جس وقت فقرِ تمام ہوا وہ اللہ ہے) اور فقر حقیقی اسی کو کہتے ہیں۔

فقرِ حقیقی فقرِ عبارت ہے فنا فی اللہ سے سالک جب ظاہر و باطن نیز دنیا اور آخرت سے بے تعلق ہو جاتا ہے یعنی دارین اس کے لیے تاریک ہو جاتے ہیں تو یہ سوادُ الوجہ اس کے لیے سوادِ اعظم بن جاتا ہے۔

سوادِ اعظم : وہ مرتبہ جس میں سالک جو چاہتا ہے پاتا ہے، وہ سب کچھ جو تمام موجودات میں مفصل طور پر ہے یہاں بطریق اجمال موجود ہے نہایت انوار، اسے شب یلدا بھی کہتے ہیں۔

سواری : خداوند تعالیٰ کے استیلاد احاطہ کا نام ہے (یعنی غلبۂ حق)۔

سوال الحضرتین : یہ دو سوال ہیں دو حضرتوں یعنی دو درباروں کے، ایک حضرت وجوب کا اور دوسرے حضرتِ امکان کا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت وجوب کا سوال یہ ہے کہ اسماءِ الٰہیہ اپنے ظہور بصورت اعیان کے طالب ہیں نفسِ رحمان سے اور سوال حضرتِ امکان یہ ہے کہ اعیانِ ثابتہ اپنے ظہور بہ امداد اسماءِ الٰہیہ کے نفسِ رحمان سے طالب ہے۔

سوال خفی : استعدادِ قبولیت۔ کسی چیز کے قبول کرنے کی استعداد کا ہونا، گویا اس چیز کے مطالبہ کے لیے ایک خفی ہے سوال جو نہ زبان پر آیا نہ دل میں پیدا ہوا۔

سواء : حق کا خلق میں مخفی ہونا۔ چونکہ تعینات خلقیہ حق حق تعالیٰ پر حجابات ہیں حق تعالیٰ ان حجابات میں مخفی ہے یعنی تعیناتِ خلقیہ کے نفس کے اندر حق تعالیٰ ظاہر ہے۔ بطونِ خلق درحق و بطونِ حق در خلق یعنی مخلوق عدم محض ہے اور جو کچھ شہود ظاہر ہے وہ حق ہے لہٰذا خلق باطن وحق ظاہر ہے اور چونکہ تعینات مظہر حق ہیں اور ذات ان میں پوشیدہ، لہٰذا حق باطن اور خلق ظاہر۔

سوختہ جلال : عاشق کو کہتے ہیں اور اس سے مراد صاحب فنا تام بھی ہے۔

سوز : اس سے مراد سوزشِ عشقی اور گدازئی قلب ہے جو یادِ حق میں ہو۔

سوز و ساز : سوز سے مراد یادِ حق تعالیٰ میں سوزشِ عشق اور گداز قلب میں پیدا ہونے اور یادِ حق میں فنائیت حاصل ہونے سے ہے گو سوز و ساز فناء و بقا ہے مع اپنے جمیع لوازمات و نتائج کے۔

سوے[1] : اعیان ممکنات بہ حیثیت تعینات ہونے کے ماسویٰ یعنی غیر ہے۔

سہ جادہ : ۱۔شریعت۔ ۲۔طریقت۔ ۳۔حقیقت سے مراد ہے۔

سیاہی : نور ذات۔ گنج مخفی۔ مرتبۂ احدیت۔ تجلی ہُو۔ تجلی نور ذات۔

یہ انوار اور یہ ظلمت میں نہ نور محض ہے نہ ظلمت محض ہے نور میں جب تک ظلمت اور ظلمت میں نور کی آمیزش نہ ہو نہ نور نظر آ سکتا ہے نہ ظلمت کا احساس ہو سکتا ہے۔

نور محض اور ظلمت محض کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ نور ذات ماورائے ادراک ہے اور فنا کی تاریکی میں پوشیدہ۔

سیبِ زنخ / زنخداں : معشوق کے لطف قہر آمیز اور لذتِ مشاہدہ فرحت کو کہتے ہیں۔

سیر : اصطلاح میں جذبہ الٰہی کو کہتے ہیں اور اس سے مراد ہے نقل کرنا۔ سالک کا ایک حال سے دوسرے حال اور ایک عقل سے دوسری عقل اور ایک تجلی سے دوسری تجلی اور ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف نقل کرنا۔

سیر و سفر : مقامات قرب حق اور مراتبِ ذات کے ادنیٰ مقام سے اعلیٰ مقام کی طرف ترقی کرنا۔ سالک کا سفر اور سالک کی سیر ہے۔ اور یہ سیر و سفر چار قسم پر مشتمل ہیں۔

(۱) سیر من الخلق الی الحق۔ منازل نفس سے حجابات کثرت افق مُبین (کہ وہ انتہائی مقام قلب و معبداء تجلیات اسمائیہ کا ہے) تک پہنچنا۔

(۲) سیر فی اللہ۔ صفات حق تعالیٰ سے متصف ہونا اور اسماء حق تعالیٰ کے ساتھ متحقق ہونا اور انتہاء اس سیر کی افق اعلیٰ ہے جو انتہائی واحدیت ہے اور یہ مقام روح ہے۔

(۳) سیر باللہ۔ سالک کا عین جمع و حضرت احدیت تک ترقی کرنا۔ جب تک اس میں اثنیت یعنی رسم غیریت اعتباری باقی ہے مقام قاب و قوسین کہلاتا ہے اور جب دور ہو جائے تو اس کو مقام ادنیٰ کہتے ہیں اور یہ انتہائی مقام ولایت ہے۔

(۴) وحدت میں کثرت دیکھنا اور کثرت میں عین وحدت کو دیکھنا۔ اور اسی کو سیر باللہ من اللہ کہتے ہیں اور یہ مقام بقا بعد الفنا حاصل ہوتا ہے جس کے بعد سالک کامل ہو کر طالبانِ حق کی تعلیم و تلقین میں مشغول ہوتا ہے۔ اور ان کی تکمیل کرتا ہے۔

سیر الی اللہ : انسان کا جو کہ خلاصہ ہے تمام چیزوں کا تعینات و کثرات

کا سیر شعوری و رجوعی کے ساتھ بجانبِ کلی جو کہ واحد مطلق ہے یعنی بمقام احدیت وصول یاب ہونا۔

سیر باللہ : اطلاق میں فناء و اتصال کے بعد بفرضِ تکمیلِ ناقصاں حکمت الٰہی کے تقاضے کے مرتبہ سے واپس گزرنا بقا بعدالفنا جو کہ مقام تمکین ہے۔

سیر زورق : نشاء انسانی کا منازل امواج کثرت عبور کر کے مقام وحدت تک پہنچنا۔ زورق یعنی کشتی دریائے توحید میں سیر عیانی نشاء انسان کے علاوہ کسی دوسرے مرتبہ میں میسر نہیں۔

سیر عروجی : سیر مقید بجانب اطلاق اور سیر جز بجانب کل۔

اس سیر کی انتہائی رسائی احدیت تک ہے جو کہ انسان کا نقطہ اوّل ہے مستلزم معرفت کشفی شہودی یہی سیر ہے۔

سیر نزولی : سیر اطلاق سے تقید، کُل سے جز کی جانب تنزلِ احدیت در مراتبِ کثرت امکانیہ از جہت اظہار اسماء و صفات نیز اس سیر کو ظہوری الباطن بھی کہتے ہیں۔

سیر وطیر : سالک کا ایک حال سے دوسرے حال ایک فعل سے دوسرے فعل ایک تجلی سے دوسری تجلی۔ ایک مقام سے دوسرے مقام میں منتقل ہونا سیر ہے یا طیر۔ جب کشف و کرامات کی راہ سے یہ سلوک طے کیا جاتا ہے تو اسے سیر کہتے ہیں۔ بلاکشف و کرامات یہ سلوک طے ہوتا ہے اسے طیر کہتے ہیں۔ اسے سلوک اتم بھی کہتے ہیں۔

سیل : غلبۂ احوال اولیاء اللہ کو کہتے ہیں۔ (احوال دل کے اثرات کا غلبہ جو مسرت سے پیدا ہو)۔

سیم : تصفیۂ ظاہر و باطن کو کہتے ہیں۔

سیمیا : اقسام طلسم میں سے ایک علم جس کے ذریعے روح کو ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ جس موہوم شکل کو چاہتے ہیں آنکھ کے سامنے لے آتے ہیں۔

کاغذ کو سکّے کی شکل میں تراش کر اسے سکہ بنا دیتے ہیں اور بازار میں جا کر اس سے خرید و فروخت بھی کر لیتے ہیں۔

سیمرغ : عقلِ کُل ذات مطلق، مرتبہ بقا بعد الفنا کو کہتے ہیں۔

ش

شام : شام عالمِ کثرت ہے اور صبح مرتبۂ وحدت ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ شام خفائے حق کو تعینات مظاہر میں کہتے ہیں اور صبح ظہور حق صور مظاہر میں ہونے کو کہتے ہیں۔

شان : ہر تجلی کی ایک شان ہے۔ اور ہر شان حق تعالیٰ جب بندے پر متجلی ہوتا ہے تو اس تجلی کا نام حق کے اعتبار سے شان الٰہی رکھا جاتا ہے اور بندے کے اعتبار سے اسے حال کہتے ہیں۔ اُس شان الٰہی کا جو ہر تجلی کو لاحق ہے "کُل یَومہ ھُوفِی شان" کے یہی معنی ہیں۔

شانِ الٰہی : تجلی حق سبحانہ اس اعتبار سے کہ وہ حق سبحانہ کی طرف سے عبد پر نازل ہوتی ہے شان الٰہی کہلاتی ہے اور اس اعتبار سے کہ تجلی کے نازل ہونے سے عبد پر ایک خاص اثر ہوتا ہے، یہ تجلی عبد کا حال کہلاتی ہے۔

شاہد : مشاہدہ سے سالک کے قلب میں ایک حضوری پیدا ہوتی ہے جو قلب پر محیط ہو جاتی ہے۔ اگر اس حضوری میں علم لدنی کا غلبہ ہے تو اس کا نام شاہد العلم ہے اور اگر حالت وجد ہے تو اس کا نام شاہد الوجد ہے اور اگر تجلی انوار کا غلبہ ہے تو اس کا نام شاہد تجلی ہے اور اگر غلبۂ ذات حق سبحانہ بلا کیف ہے تو اس کا نام شاہد الحق ہے۔ شاہد حق باعتبار ظہور و حضور۔ شاہد فروغ نور تجلی جو مخصوص ہے ارواح طیبہ کے ساتھ اسے تجلی نوری بھی کہتے ہیں۔ ہر وہ چیز جو انسان کے دل میں گھر کئے ہوئے ہو جیسے شاہد علم جسے علم کا غلبہ ہو، جسے وجد کا غلبہ ہو تو شاہد، وجد حق کا غلبہ ہو تو شاہد حق کہینگے۔

شاہد الوجود تعینِ اوّل : مرتبۂ وحدت یعنی حقیقتِ نور محمدیہ ﷺ کو کہتے ہیں جو اصل کائنات ہے۔

شب : ا۔ عالم غیب اور عالم ربوبیت اور عالم حروف کو کہتے ہیں اور عالم حروف ایک خط ہے درمیان وجود اور عدم کے، بعضوں کے نزدیک

درمیان خلق اور امر کے اور بعضوں کے نزدیک درمیان ربوبیت اور عبودیت کے اور شب کو شب بوجہ تفرقہ اور ظلمت ہونے کی کہتے ہیں جس سے مراد کثرت ہے ۔

۲. عالم کثرت و تفرقہ جس طرح شب میں ظلمت ہے۔ کثرت و تفرقہ میں بھی ظلمت ہے۔ جو وحدت کو مخفی کر دیتی ہے ۔ عالم غیب جس میں امور مخفی ہوتے ہیں ۔ عالم حروف جو کہ خط درمیانی ہے وجود و عدم کے درمیان اور خلق و امر کے درمیان اور ربوبیت و عبودیت کے درمیان۔

شبِ روشن : مراد ذات احدیت ہے کیوں کہ احدیت میں بھی بے جہتی بے تعینی اور عدم ادراک ہے۔

شب سے بوجہ سیاہی اور عدم ادراک کے تشبیہ دی گئی ۔

شبِ قدر : سالک کا اپنی ہستی و خودی کو فنا کر کے بقا باللہ ہو جانا۔

شب و روز : وحدت و کثرت نور و ظلمت ایمان و کفر کنایہ ہے کفر و دین کی طرف بطون اور ظہور انسانی مراد لیا ہے یعنی رات سے عقول و روحانیت اور دن سے صور و اجسام ۔

شبِ یلدا : ذاتِ بحت کا انتہائی مقام انوار (جو کہ سوادِ اعظم ہے)۔

شباب : سرعت سیرِ ذات میں تیزی اور جلدی کرنا، اور نزول سے عروج کی طرف تیزی سے چڑھنا ، اور مقاماتِ سلوک کی مراعات اور تصفیہ باطن کی باریکیوں کی طرف متوجہ نہ ہونا ۔

شباب سے مراد حدِ بلوغ کو پہنچنا۔

شبر و شبرواں : وہ سالک جو شبِ بیدار ہو اُسے شبرواں بھی کہتے ہیں۔

شبنم : تصفیہِ ظاہری و باطنی فیض حق جس سے شگفتگی قلب حاصل ہوتی ہے۔

شجاعت : اعتدال اور ادراک کے باب میں چار قوتیں غضبی کی تہذیب کو شجاعت کہتے ہیں ۔

شجر / شجر شجرہ : شجر انسان کے وجودِ خارجی و جسم ظاہری کو کہتے ہیں جو اربع عناصر سے مرکب ہے اور انسانِ کامل کو بھی کہتے ہیں اس لیے کہ وہ جامع حقیقت ہے اور جملہ موجودات پر اس کا تصرف ہے ۔ اُس کے فیض کی شاخیں ہر موجود کی طرف رواں ہیں ۔

یہ شجرہ متوسطہ ہے درمیان شجرۂ وجوبیہ شرقیہ اور شجرۂ امکانیہ غربیہ کے اس کی جڑ قائم ہے ارضِ سفلی میں اور فروع یعنی شاخیں وہ حقائقِ روحانیہ ہیں سماوات میں اور تجلیِ ذاتی اس شجرہ کی حقیقت ہے اور اسرار انی انا اللہ رب العالمین اسکا پھل ہے یعنی شجرہ انسان ہے ، شجرہ مبارک سے نفس انسانی مراد ہے۔

شر : اس کے معنی برائی کے ہیں۔ شر مطلق عدم محض ہے اور شر اضافی ایک حیثیت سے شر ہے اور ایک حیثیت سے خیر، شر بوجہ حوادثات کی طرف اضافت کی ہے اور خیر بوجہ حق کی طرف اضافت کی ہے اس وجہ سے یہ شر نہیں کہا جائے گا بلکہ خیر محض اور جو چیز غیر حق کی طرف راجع ہو وہ شر ہے

اور عدم محض کو شرِ مطلق اور وجودِ مطلق کو خیرِ محض کہتے ہیں۔

شراب : (۱) ذوق و شوق کو کہتے ہیں جو عالم باطن سے سالک کے دل پر پروارد ہو کر اس کو مست و بیخود بنادے۔ (۲) وہ غلبہءِ عشق ہے کہ جس کے سبب بھید کی باتیں زبان سے نکلیں اور اس کی وجہ سے مستوجب علامت ہوں۔ (۳) عشق و محبت حقِ سبحانہ تعالیٰ۔ (۴) معرفتِ حق کو بھی کہتے ہیں ۔

موسیٰ علیہ السلام کے لیے اس شراب کا کام آتش نے کیا جسے دیکھتے ہی ان میں ذوق و بے خودی پیدا ہو گئی ۔ مشرب محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شراب بے خودی وہ نور تھا جس کا مشاہدہ شب معراج میں ہوا ۔

عشق و محبت کو عموماً شرابِ صوری کے ساتھ مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر مشابہت دی جاتی ہے ۔

(۱) شراب کے نشہ میں انسان اظہار و اعلان کی جانب مائل ہوتا ہے۔ عشق بھی نہیں چھپتا ۔

(۲) مَے اپنی ذات سے کوئی شکل معین و مخصوص نہیں رکھتی۔ جس شکل کے ظرف میں ڈالی جاتی ہے ، وہی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

اسی طرح محبت حقیقی بھی ظرف کی قابلیت کے مطابق ظاہر ہوتی ہے ۔ بعض میں ذاتی ، بعض میں اسمائی ، بعض میں صفاتی اور بعض میں آثاری صورت اختیار کرتی ہے علیٰ قدرِ مراتب ۔

(۳) شراب جسم کے ہر حصہ میں اثر پیدا کرتی ہے ۔ محبت بھی مبتلائے محبت کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں تاثیر کر جاتی ہے ۔

(۴) شراب بخیل کو سخی بنا دیتی ہے ۔ عاشق بجائے درہم و دینار کے

کل مانی الوجود کی دولت اور نقدِ دو جہاں کو بیک بار دے ڈالتا ہے۔
(۵) شرابی میں دلیری، بیباکی اور لاأبالی پن پیدا ہو جاتا ہے۔ جو عقل مآل اندیش کی مغلوبی کا نتیجہ ہے، عاشق میں دلیری و شجاعت غلبۂ نورِ کشف و یقین سے پیدا ہوتی ہے۔ اول الذکر کیفیت خسر الدنیا و الآخرة کا باعث ہوتی ہے موخر الذکر کیفیت سے حیات جاودانی حاصل ہوتی ہے۔
(۶) شرابی میں تواضع و نیاز کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ عاشق بھی تواضع و نیازمندی میں بڑھا ہوا ہوتا ہے۔
(۷) شرابی سے افشائے راز اکثر ہو جاتا ہے۔ عاشق سے بھی افشائے راز کا صدور ہوتا رہتا ہے۔
(۸) شراب مستی پیدا کرتی ہے۔ عشق بھی مستی پیدا کرتا ہے دونوں کی مستی میں بے ہوشی اور قیدِ ہستی سے خلاصی اور خود پرستی سے آزادی حاصل ہوتی ہے۔ مگر شرابِ صوری سے جو مستی پیدا ہوتی ہے وہ مطلوب سے غفلت اور جہالت کا نتیجہ ہوتی ہے اور عشق سے جو مستی پیدا ہوتی ہے وہ کمال شعور اور محبوب سے آگاہی پر مبنی ہوتی ہے۔
(۹) شراب جس قدر زیادتی کے ساتھ نوش کی جاتی ہے اُسی قدر زیادتی سے ھَل مِن مَزید کی آگ بھڑکتی ہے۔ یہی کیفیت عشق میں بھی ہوتی ہے۔
(۱۰) شراب پینے سے حیا کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ حب جاہ وحشمت جاتی رہتی ہے۔ حجابِ ناموس اُٹھ جاتا ہے اور وحشت طاری ہو جاتی ہے جلوۂ محبوب کی شرابِ معنوی سے عاشق پر یہی حالتیں طاری ہوتی ہیں۔
شرابِ بادہ خوار: تعین وجوبی و امکانی کا دخل نہیں اور یہ تجلی ذاتی ہے اور بعض حصول کمال ذاتی مراد لیتے ہیں۔
شراب بے ساغر و جام: شراب طہور کو کہتے ہیں جس سے سرور حقیقی مراد ہے، تجلیِ ذات جو قلب سالک پر وارد ہوتی ہے کیونکہ تجلیِ دل مقتضی فناء مطلق کی ہے۔
شرابِ بیخودی: محو اور فنا کو کہتے ہیں۔
شرابِ پختہ: کمال شوق اور ذوق الٰہی اور عیش صرف کو کہتے ہیں جو اعتبار عبودیت سے مجرد ہے، عشق کا نام ہے جو اعتبار عبودیت سے مجرد ہو۔

شرابِ خام: مرتبۂ عبودیت کو کہتے ہیں۔ یعنی ابتدائے سلوک کی کیفیات جو سالک پر وارد ہوتی ہیں اور عیش مخروج کو کہتے ہیں۔
شراب خانہ: معنیٰ عالم اور باطن میں پیرِ کامل، عارفِ کامل کہ جو معدنِ اسرارِ الٰہی ہیں اور اُن سے فیضان جاری ہوتے ہیں۔
بعض بتکدہ اور عالم ملکوت کو بھی شراب خانہ کہتے ہیں۔
شرابِ ساقیِ آشام: شرابِ بے خودی۔ اس لیے کہ اس تجلی کے وقت سالک کو امتیاز بادہ ساغر نہیں رہتا اور ہمہ تن محوِ تجلی ہو جاتا ہے۔
بعض حصول کمال ذاتی مراد لیتے ہیں۔
شرابِ صاف: فیضانِ الٰہی بواسطہ ارواحِ مقدسہ کے دوسروں تک پہنچیں، جیسا کہ ملائیکہ کو پہنچتا ہے۔
شرابِ طہور: فیض الٰہی جو صدیقین کے قلوب پر وارد ہو اور اس سے مراد وہی سرور ہے جو سالک کو مست کر دیتا ہے اور یہ بلا واسطہ ہوتا ہے۔
شرب: ۱. بقول حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی مراتب طریقت میں نواں نکتہ بیان کرتے ہیں شرب کو۔
۲. تجلیاتِ درمیانی اور صفاتی کے آثار و نتائج۔
شرح صدر: ۱. اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا دارومدار شرح صدر پر رکھا ہے (دیکھیے الانعام، ۶: ۱۲۵ نیز الزمر ۳۹: ۲۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب نور سینہ میں داخل ہوتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے یعنی دل دنیا سے ہٹ جاتا ہے اور آخرت کی طرف رجوع ہوتا ہے موت کے آنے سے پہلے موت کے لیے تیار رہتا ہے۔ ہدایت کا انحصار شرح صدر پر ہے جس پر انوار الٰہی وارد ہوتے ہیں۔
۲. اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (سورۃ عنکبوت، ۲۹: ۶۹) ترجمہ: "یعنی اور جن لوگوں نے مجاہدہ کیا ہماری راہ میں ہم دکھا دیں گے ان کو راہ اپنی" اس وعدہ پر اعتماد کلّی کے ساتھ صوفی مجاہدہ کرتے ہیں اور ہدایت پاتے ہیں۔ ہدایت کا انحصار شرح صدر پر اور شرح صدر کا نتیجہ وہ انوار الٰہی جو غیب سے قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ صوفیاء اسی بصیرت پر دعوت دیتے ہیں (سورۃ یوسف، ۱۰۸) ترجمہ: "بلاتا ہوں میں (لوگوں کو) طرف اللہ کے اوپر بصیرت کے میں اور میرے متبعین بھی"۔
شرطہ: مرتبۂ واحدیت یعنی نفسِ رحمانی کو کہتے ہیں۔

شرک : تین قسم پر ہے (۱) شرکِ جلی (۲) شرکِ خفی (۳) شرکِ اخفی (۱) شرکِ جلی خدا کی ذات و صفات میں دوسرے کو شریک کرنا، اور صفاتِ حق کو ذات حق کے غیر سمجھنا (۲) شرکِ خفی غیر اللہ کو فی نفسہ موجود سمجھنا۔ جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ اعیانِ ثابتہ بذاتِ خود موجود ہیں (۳) شرکِ اخفی سالک کا اپنی ہستی کو غیر خدا سمجھنا۔

شریعت/طریقت/حقیقت: شریعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال یعنی وہ احکام جو جسمِ ظاہری سے تعلق رکھتے ہیں؛ جیسے: نماز، روزہ، زکوۃ اور حج اور ترک ان افعال سے جن کی صراحت کتب فقہی میں موجود ہیں۔

طریقت : روش ارباب حال، تہذیب اخلاق، اوصاف ذمیمہ کو اوصاف حمیدہ میں تبدیل کرنا۔ اس کو سفر در وطن بھی کہتے ہیں۔

حقیقت : ظہور توحید حقیقی، حقیقت ذات حق بلا حجاب تعینات دراصل حقیقت مغز ہے جس کا پوست شریعت ہے۔ طریقت مغز اور پوست کے درمیان ایک برزخ ہے۔ مغز حقیقت بے پوست شریعت و طریقت پختہ نہیں ہوتا۔ شریعت نسخہ اکسیر ہے۔ طریقت اس نسخہ کا صحیح استعمال ہے۔ حقیقت اس نسخہ سے نتائج کا حاصل کرنا ہے۔

شریعت طریقت حقیقت معرفت : شریعت صراط مستقیم ہے اس کے اتباع سے انسان صفات ذمیمہ سے پاک اور اخلاق حمیدہ سے متصف ہو کر واصل بحق ہوتا ہے۔

شریعت کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ دوسروں سے منکر اللہ تعالیٰ ہی کو معبودِ برحق ماننا اور اس کے احکام کی پیروی کرنا۔ معصیات سے بچنا۔ یہ عوام الناس کا تقلیدی اسلام ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ عالم علمی و عقلی دلائل سے سمجھے کہ وہ ذات پاک لاشریک ہے وہی معبود برحق ہے یہ استدلالی اسلام ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ عالم کے علمی و عقلی دلائل علم منقول کے بالکل مطابق ہوں۔ اس وقت عالم کو پورا اعتماد اور یقین حاصل ہوتا ہے اور اس کی عقل سلیم ہو جاتی ہے۔ اب اس قابل ہوتا ہے کہ طریقت میں قدم رکھے۔ اس کا نام اسلام کامل ہے۔ اب تلاش مقصود کی فکر ہوتی ہے۔

شست وشو : صفائی وحضور عاشق ومعشوق کو کہتے ہیں جو نفسانیت سے معرا ہوں، نیز اس سے مراد ہے دل کا ماسوا اللہ سے پاک ہونا۔

شطح شطحیات : وہ کلمات ہیں جو واصلین کاملین سے حالتِ مستی اور غلبۂ عشق میں بے اختیار نکلتے ہیں اور بظاہر شریعت کے خلاف ہوتے ہیں؛ جیسے : حضرت منصور علیہ الرحمتہ سے اناالحق اور حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے سبحانی ما اعظم شانی، یہ کلمات ازراہ عشق اور محویت فنا میں نکلے، ہوائے نفس سے نہیں نکلے اس واسطے یہ حضرات معذور سمجھے گئے کسی کامل نے ان کو رد نہیں کیا۔

شعور : معرفت ذاتِ حق سبحانہ اور ذات صفات حق سے آگاہی ہونے کو کہتے ہیں اور یہ شعور محمود ہے۔ اس کے مقابل کا دوسرا شعور غیریت کا مذموم ہے اور واجب الترک ہے۔

شعب الصدع: جمع کرنا فرق کا ترقی کے ساتھ یعنی عروج کرنا حضرت وحدت سے حضرت احدیت کی طرف۔

شغف: ۱.مراتب محبت کے مدارج میں ساتواں مرتبہ شغف غایت حرارت وشوق سے حجاب دل کو پارہ پارہ کردینا اور آنسوؤں کو پنہاں رکھنا تا کہ راز فاش نہ ہو اِلّا جبکہ غلبہ حال سے ضبط محال ہو جائے۔

۲.شغف کے پانچ مدارج۔ ۱.فرمانبرداری۔ ۲.محافظت باطن از غیر۔ ۳.دوست کے دشمن سے دشمنی۔ ۴.محبوبان محبت سے محبت۔ ۵.اخفاء۔

شغل : ذات و صفات کا تصور کرنا اور غیریت کا اس میں محو ہو جانا۔

شفع : لغت میں جفت کے معنی میں آیا ہے مقابلہ میں وتر کے اور اصطلاح میں عبارت ہے خلق سے کیونکہ اسماء الٰہیہ خلق ہی سے ثابت ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں شفع اور وتر کی قسم کھائی ہے۔

شفعیتہ حضرت واحدیت کی وتر حضرت احدیت کی طرف تب تک اسماء الٰہیہ نہ ظاہر ہونگے اور اس سے خلق مراد ہے چنانچہ اس آیت پاک (والشفع والوتر) میں اللہ تعالیٰ نے خلق کی قسم کھائی ہے۔

شقاوت : احکامِ الٰہی سے روگردانی اور بدبختی ازلی کو کہتے ہیں۔

شکر : ۱.سالک کا اپنی ہستی کو معدوم اور حق تعالیٰ کو موجود سمجھنا اور تمام صفات و افعال و کمالات حق کی طرف منسوب کرنا۔

۲. شکر حقیقی ایک کیفیت خاص ہے جو نعمت کو منعم سے منسوب کرنے اور اس نعمت کو منعم کی مرضی کے مطابق صرف کرنے سے سالک کے قلب میں لذت و سرور کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔

شکل : ۱. وجود اور ہستی حق تعالیٰ۔ ۲. عین ثابت کی کیت کو کہتے ہیں جو جوہر ہیا میں آ کر صورت پکڑتی ہے۔

شکل کل : نقشہ ارباب و مربوب میں اسمائے الٰہی ظاہر کا اسمائے کونی شکل کل ہے۔ شکل کل پر ہیولے کا ظہور موقوف ہے۔

شکل ایک قید ہے۔ بشرط شے یہ صورت نہ ہوتی تو صورت الٰہی ظاہر نہ ہوتی شکل کل شامل ہے جملہ صور و اشکال پر۔

شگوفہ : علوِ مرتبہ نیز بلندی مرتبہ کو کہتے ہیں۔

شمائل : اخلاقِ حسنہ و صورِ جمیلہ اور تجلی جمالی و جلالی کے ظور کو کہتے ہیں۔

شمع : نور عرفان اور نور الٰہی کو کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ شمع و کرشمہ عبارت ہے پرتو انوار معرفت سے جو سالک میں ظاہر ہوتا ہے اور شمع انجمن عبارت ہے ذات معشوق سے۔ وہ جس سے موسیٰ علیہ السلام نے اِنی اَنا اللہ کی آواز سنی تھی شمع بن گیا۔

شنگی : تیز روشنیوں کو کہتے ہیں کہ جن کے دیکھنے میں نظر خیرگی کرے۔

شواہد الاسماء : اعیانِ خارجہ میں کیونکہ یہ مظاہر ہیں اسماءِ الٰہیہ کے مثلاً مرزوقِ مظہر اور مشاہد ہے اسم رازق کا اور میت شاہد ہے اسمِ ممیت کا اور حی یعنی زندہ مظہر و شاہد ہے اسمِ محی کا۔

شواہد التوحید : اشیاء کا نام ہے یعنی جملہ موجودات میں ہر موجود کا ایک جداگانہ تشخص ہے جس کی وجہ سے وہ دیگر موجودات سے ممتاز ہے اور ہر موجود اپنے تشخص میں یکتا اور واحد ہے اور یہی تشخص اس کی حقیقت ہے اور عین ذات ہے اسی لئے ہر موجود اس ذات کی یکتائی کی دلیل اور اس کی وحدانیت کی علامت ہے۔ (ہر چیز میں اللہ کی نشانی ہے، جو دلالت کرتی ہے کہ وہ ایک ہے)۔

شواہد الحق : حقایق وجوبی، مشاہدۂ حق سبحانہ انہیں حقائقِ کونیہ میں ہوتا ہے۔

شوخ : معشوق کو کہتے ہیں، کثرت التفات صور افعال کے ذریعہ اظہار شیفتگی۔

شوخی : ذاتِ حق کا صفات و افعال کے اظہار کی طرف زیادہ متوجہ ہو۔ رنگ برنگ مظاہر میں جلوہ فرمانا، کثرتِ التفات جو معشوق کی طرف سے ہو۔

شوق : دل کا طلبِ حق میں بڑھنا اور وصلِ یار حاصل ہونے پر بھی طلب میں کمی نہ آنا بلکہ زیادہ ہونا، جب لقاء اور دیدار حاصل ہو جاتا ہے تو جوش میں سکون پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ حالت جو دیدار سے ساکن نہیں ہوتی اشتیاق کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔

شہادت : دو قسمیں ہیں۔ شہادت صغریٰ اور شہادت کبریٰ۔

شہادت صغریٰ میں اعلیٰ مقام راہ حق کی شہادت ہے۔

شہادت کبریٰ اعلیٰ قسم کا تعین حق تعالیٰ کا شہود کی آنکھ سے ادنیٰ قسم اللہ سے محبت۔

تلوار کی شہادت شہادتِ صغریٰ ہے اور محبت کی شہادت شہادتِ کبریٰ ہے۔

شہادت وجودیہ : غیب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے پوشیدہ رکھے جس عالم کی طرف اللہ تعالیٰ انسان کے واسطے نظر کرتا ہے اس کا نام شہادت وجودیہ رکھا جاتا ہے۔

شہر : وجودِ مطلق کا کثرت میں ظہور۔ جو سب میں ساری و طاری ہے۔

شہود : رویتِ حق بحق، یعنی جملہ کائنات اور جمیع موجودات کو عین حق بمرتبہ حق الیقین سمجھنا، اور جمیع اعتبارات غیریت کو اٹھا دینا اور ہر ذرہ میں ذاتِ واحد کو اور ذات میں جملہ موجودات کو بصفت عینیۃ دیکھنا۔

شہود المجمل فی المفصل : ذاتِ احدیت کو ہر ذرہ میں دیکھنا یعنی وحدت فی الکثرت

شہود المفصل فی المجمل : ہر ذرہ اور ہر جملہ موجودات کو ذاتِ احدیت میں دیکھنا یعنی کثرت فی الوحدت۔

شہود روحی : کشف روح کے مرتبہ میں ظاہر ہو تو شہود روحی ہے۔ یہ شہود مثل آفتاب کے ہے جو آسمان و زمین یعنی روح و جسم کو روشن کر دیتا ہے۔

شئے : موجود حقیقی اور ہست حقیقی اور ذات بحت شئے کے معنی ہیں حقیقۃً اور افراد اور تعینات عالم ہیں، ذاتِ حق سبحانہ کو شئے کہتے ہیں اور دیگر موجودات کو مجازاً شئے کہتے ہیں۔

شئے لطیف : اس کو کہتے ہیں جو باوجود موجود ہونے کے دیکھنے، سننے،

سونگھنے ، چھونے ، چکھنے میں نہ آسکے جیسے انفس میں عقل اور آفاق میں جوہر۔

شیخ : اس انسانِ کامل کو کہتے ہیں کہ جو شریعت پر عامل طریقت کا کامل اور حقیقت کا حامل ہو اور سلسلۂ بیعت اس کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک صحیح ہو۔ شیخ وہ ہے جسے عالم ملک وملکوت میں حق تعالیٰ کی جانب سے تصرف عطا ہوتا ہے۔

شیخ صاحبِ کرامت ہوتا ہے، کرامت کی دو قسمیں ہیں۔

کرامت فی اللہ : یہ اللہ اور بندہ کے درمیان تعلقات سے متعلق ہے۔ اس کا کسی غیر کو علم نہیں ہو سکتا۔

کرامت فی الخلق جو بندوں سے بھی کسی قدر متعلق ہے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ تصرف فی طالبان حق کے لیے مفید اور کارآمد ہے اس کی بدولت مریدین کے قلوب اور افعال وحرکات و اخلاق کی اصلاح ہوتی رہتی ہے۔

۲۔ اظہارِ خرق عادات کی فوری نمائش ہو جاتی ہے مگر ارشاد اور طلب حق کے امور میں مفید نہیں۔

۱۔ شیخ کامل یہ خود کامل ہوتا ہے مگر دوسروں کو کامل نہیں بنا سکتا گو ابتدائی تعلیم دے سکتا ہے۔

۲۔ شیخ مکمل خود بھی کامل ہوتا ہے اور دوسرے کو بھی کامل بنا سکتا ہے یہ ابوالحال ہے۔

۳۔ شیخ اکمل : شیخ کامل ہوتا ہے مگر مغلوب الحال ہوتا ہے۔ اپنے ہی سے فرصت نہیں پاتا اس وجہ سے دوسروں کی جانب متوجہ نہیں ہوتا۔

شیدا : اہل جذب ، شوق اور مستی کو کہتے ہیں اور تارک الدنیا کو بھی اس سے مراد عاشق بخیر ہے اور وہ شخص جس پر جذبۂ شوق غالب ہو۔

شیرینی : ذوق اور شوق اور جذب کو کہتے ہیں۔

شیفتہ جمال : عاشق حسن حقیقی کو کہتے ہیں کہ جو مجازی کو بھی اس سے الگ نہ دیکھے۔

شیراز: شیراز ناسوت الطف کو کہتے ہیں اور یہ ناسوت الطف ایک عالم ہے کہ مشاہدہ کثرت فی الوحدت و وحدت فی الکثرۃ میں مخفی ہے اور اس پر وقوف کاملین کو ہوتا ہے اور اس کو عالم اسرار بھی کہتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ حضرت حافظ نے شیراز سے ناسوت الطف کو مراد اس لئے لیا ہے کہ شیراز ان کا وطن مجاز تھا اور وطن مجازی ناسوت الطف کا پرتو ہے نیز اس لئے کہ اُس وقت شیراز میں سامان عیش خوب مہیا تھا۔

شیشہ : مراد پیمانہ جام اور دل سے بھی مراد لیتے ہیں۔

شیون : جمع شان کی ہے جو مرتبہ وحدت میں بطور اجمال اور مرتبہ واحدیت میں بطور تفصیل کے ثابت ہیں یعنی شیون ذاتیہ اصول و اعتبارات نقوش اعیان ثابتہ اور حقایق عالم کے ہیں ذات احدیت میں اور یہ شیون مرتبہ واحدیت میں ظاہر ہو کر باہم مفصل اور متمیز ہوتے ہیں علم کے ساتھ اور مرتب خارجیہ میں باہم مفصل اور متمیز ہوتی ہیں افعال کے ساتھ۔ صورِ علمیہ اور حقائقِ عالم کو بھی کہتے ہیں۔

شیوہ : وہ جذبۂ عشق الٰہی جو عاشق کیلئے قابل سمائی ہو اور بعض فرماتے ہیں کہ سالک کا وہ جذبِ قلیل مراد ہے جو کبھی ہو اور کبھی نہ ہو اور زیادتیِ جذب سے سالک مغلوب ہو گیا ہو، بعض فطرت و عادت الٰہی کو کہتے ہیں۔

ص

ص/صاد : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ص صاد ایک جبل ہے مکہ میں ، عرش رحمٰن اُس پر ہے یہ طرز بیان حضرت ابن عباسؓ کا بطوراشارہ کے ہے۔ ص سے انہوں نے صورۃ الحق مراد لی ہے اور جبل سے اشارہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد مطہر کی طرف کہ جو خلاصۂ عالم ہے۔

حضرت شیخ اکبر فصوص الحکم میں لکھتے ہیں کہ عالم صورت حق ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ نے عالم کو نہ کہا کہ کوئی شخص بحیثیت مجموعی صورت عالم دیکھ نہیں سکتا تا وقت کہ عالم سے باہر جا کر نہ دیکھے اور ماورا آفاق جاننا ہر شخص کو میسر نہیں پس آسان طریقہ جو صورت حق کو دیکھے کہ حضرت ابن عباسؓ کے زمانہ میں میسر تھا وہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی زیارت تھی کہ جسد مطہر کا چھوٹا خاکہ عالم کا اور اصل صورت حق تعالیٰ کی ہے پس جسمانیت جسد اطہر جبل سے مناسبت رکھتی ہے اور ہیئت اس کی عرش ہے اور ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس جسد میں رحمٰن ہے اور عرش محیط عالم ہے اور یہی صورت حق ہے۔

صاحب الوقت و صاحب الحال و صاحب الزمان : ا. وہ اولیاء ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوتے ہیں مخلوق میں متصرف ہوتے ہیں۔ ان کا تصرف سب پر ہوتا ہے اور ان پر بجز حق تعالیٰ کے کوئی متصرف نہیں ہوتا۔

۲. وہ شخص جو جمعیت برزخ اولیٰ کے ساتھ متحقق ہو اور حقائق اشیاء پر مطلع اور زمان ماضی اور حال استقبال میں متصرف ہو بہ تصرف وتحقیق حق۔

صاحب تلوین : مغلوب الحال اور ابن الوقت مبتدی صوفی جو تابع حال ہو۔

صاحب تمکین : ابوالحال، ابوالوقت وہ صوفی جو تابع حال نہ ہو، حال کا آنا قائم رہنا اور چلا جانا اس کے اختیار میں ہو۔

صاحب خدمت : اولیا ظاہرین کے سپرد خدمت و ہدایت خلق ہوتی ہے۔ اولیا مستورین بھی صاحب خدمت ہوتے ہیں۔

صاد : اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے صاد کے معنی دریافت کئے آپ نے فرمایا، صاد ایک پہاڑ ہے مکہ میں جس پر عرشِ رحمان قائم ہے۔ اس جگہ پہاڑ سے وجود باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہے۔

صبا : ا. نفحات رحمانیہ کو کہتے ہیں جو مشرق روحانیت کی طرف سے آتی ہیں اور مغرب ذات کی طرف لے جاتی ہیں۔ نیز وہ کیفیات اور حالات ہیں جو سالک کو امورِ خیر کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔

۲. صبا ایک ہوا ہے جو عشاق کی تروتازگی کے لیے صبح کے وقت عرش کے نیچے سے چلتی ہے۔ بادِ خنک ولطیف نسیم صبح سے گل ہائے رنگا رنگ کھلتے ہیں اور عاشقان دلدادہ اس سے مژدہ جاگداز اور شمائم روح افزا پاتے ہیں۔

صبابہ : مراتب محبت میں مطلوب کے نہ ملنے پر تنگ دل ہونا۔

صباحت : جمال ظاہر، جس نے ظہور پایا، کھلا ہوا حسن، حسن ظاہر اور چمک دمک۔

صبح وشام: اصطلاح میں طلوع شمس حقیقت کو کہتے ہیں اور ظہور احوال اور اعمال اور اوقات سالک کو بھی اور برزخ کبریٰ کو بھی کہتے ہیں کہ ایک سمت اس کے غیب ہوئیت ہے اور دوسری جانب ظہور واحدیت۔

اس کے کئی معنی اور ہیں (۱) مرتبۂ وحدت (۲) ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ کا ہر ذرہ میں جلوہ گر ہونا (۳) سالک کے دل پر رموزِ معرفت اور اسرارِ حقیقت اور حالات کا ظاہر ومنکشف ہونا۔

صبح وحدت اور شام کثرت ہے۔ صبح ظہور حق ہے صور مظاہر میں اور شام اخفائے حق ہے تعینات مظاہر میں۔ احوال کا آغاز بھی طلوع فجر ہے۔

صبر : سالک کا طلبِ معشوق حقیقی میں ریاضتِ شاقہ اور مجاہدہ کرنا، رنج، غم وتکالیف اُٹھانا اور اس میں ثابت قدم رہنا۔

یہ سالک کا ادنیٰ مقام ہے۔ کسی معاملہ میں مخلوق کا خالق سے نہ تو زبان سے شکایت نہ دل میں اس کا پیدا ہونے دینا صبر ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے فرماتا ہے اَنَّـــہ اوّاب (سورہ ص) وہ اوّاب تھے یعنی اپنے حالات کو اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ رفع تکلیف کے لیے آپ اسباب کی طرف التفات نہ فرماتے بلکہ حق تعالیٰ سے دعا کرتے تھے۔ دعا سے صبر میں کوئی قباحت نہیں۔ مگر بعض لوگ دعا میں بھی اپنی طرف سے سبب معین کر دیتے ہیں وہ اسباب الٰہی کے مطابق نہیں ہوتا۔ پھر کہتے ہیں خدا نے دعا قبول نہ کی حالانکہ خدا سے دعا ہی نہیں کی گئی۔

صبوحی : سالک کا حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام ہونا جس سے سالک کو سرور اور عیش نصیب ہوتا ہے۔

صبیح الوجہ : وہ ہے جس کو اسم "جواد" کی حقیقت میں فنائیت حاصل ہو اور اس حقیقتِ جواد کا مظہر ہو ایسا شخص مقبول عالم ہوتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حقیقتِ جواد کے مظہر اکمل واتم ہیں اور جود وسخا میں

اپنی نظیر آپ ہی ہیں چنانچہ مدت العمر میں کسی سائل کا سوال رد نہیں کیا۔
صحف مکرمہ : انسان کامل ہی صحف مکرمہ ہے اور قرآن پاک کتاب مطہر ہے جس سے کوئی چیز نہیں چھوٹی ہے۔
صحو : سالک کا انتہاء توحیدِ حقیقی میں پہنچ کر فرقِ مراتب سے غافل نہ ہونا، محویت کے بعد بیداری (ترجمہ: نہیں پکڑتی ہے اس کو اونگھ اور نیند)۔ عارف کامل کا غیبت سے احساس کی جانب واپس آنا۔
صحو بعد المحو/صحو ثانی : قوس نزولی کی اصطلاحات میں نہایت صحو۔ صحو بعد المحو.....فرق ثانی، صحو ثانی۔
صدا/صداء : انعکاسِ صوت کائنات بھی ایک صدا ہے یعنی انعکاس ہے نغمۂ کن کا۔ وہ صورتِ حق جو قلب پر وارد ہوتی ہے، وہ گناہوں کی ظلمت ہے جو قلب پر چھا جاتی ہے۔ جس سے تجلیاتِ نورانی بند ہو جاتی ہیں اور اس ظلمت کے انتہائی درجہ کا نام رین ہے اس کے بعد تو قلب کسی قابل ہی نہیں رہتا، ظلمت ہی ظلمت ہو جاتی ہے۔
صداقت : رسالہ عشقیہ میں شیخ عبدالعزیزؒ نے دس مراتب بیان کیے ہیں۔ ہر مراتب کے پانچ مدارج ہیں۔ صداقت کے مراتب کے مدارج پانچ ہیں۔ ا۔ صفا ۲۔ غیرت ۳۔ اشتیاق ۴۔ ذکر محبوب ۵۔ تحیر۔
صدر : ان انوار کے بدن سے متصل ہونے کی جہت سے لطیفہ کا نام صدر ہو جاتا ہے۔ مبدءِ فیاض ہی کی جانب سے انوار کا صدور ہوتا ہے اور جملہ انوار کا صدور صدر ہی میں ہوتا ہے۔
صدق: سچائی، خدا اور مخلوق سے سچا معاملہ رکھنا ظاہر و باطن میں یکساں ہونا۔
صدق النور : سالک کا جملہ حجابات طے کر کے اُس مقام پر پہنچنا جہاں کوئی حجاب باقی نہیں رہتا۔ وہ مقامِ جمع ہے یعنی سالک کا مقام جمع تک پہنچنا اور ذاتِ حق کا بلا حجاب مشاہدہ کرنا، صدق النور کہلاتا ہے۔
صدیق : وہ لوگ ہیں جو اپنی تصدیق میں اُس چیز پر جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے یہاں سے خلق کی طرف لائے یقین کامل رکھتے ہیں از روئے علم اور فعل اور قول کے ایمان حقیقی اصل میں انہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے اور بعد نبی کے انہی کا درجہ ہے۔
صدیقین : صدیقین وہ اولیاء اکمل کاملین ہیں، جن کی صفائی باطن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہو اور جن کو قربِ حق تعالیٰ نبیوں جیسا میسر ہو۔ اسی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں پر صدیقین کا سب زیادہ اور مضبوط یقین ہوتا ہے اور ان کا ایمان نبیوں کے ایمان کے قریب ہوتا ہے، اس لئے نبیوں کے بعد صدیقین کا مرتبہ ہے، جملہ اولیاء اللہ سے جملہ صدیقین اکمل و افضل ہیں، ہ آیت پاک (اولٰئیک الذین انعم اللّٰہ علیہم من النبین و الصدیقین) میں نبیوں کے بعد ہی صدیقین کا ذکر ہے اور اولیاء صدیقین میں سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں ان کا لقب صدیقِ اکبر ہے اور بعد انبیاء کے سب سے اعلیٰ مرتبہ حضرت صدیق اکبرؓ کا ہی ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے انا و ابوبکر کفر سی رہان فلوسبقنی لامنت بہ ولکن سلبقتہ فامن بی، یعنی میں اور ابوبکر گھوڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی مثال ہیں، اگر وہ مجھ پر سبقت لے جاتے تو میں ان پر ایمان لاتا، لیکن میں ان سے سبقت لے گیا لہٰذا وہ مجھ پر ایمان لے آئے۔
صراط المستقیم: وہ راستہ جو کشف کی طرف لے جائے۔ مشہد احدی۔
صراحی : مقام مستی کو کہتے ہیں جس میں سالک متحیر ہوتا ہے اور اس پر فتوحات غیبی وارد ہوتے ہیں۔ بعضے کہتے ہیں کہ صراحی مقام سالک کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس سے حسن ترتیب باطنی مراد ہے، سالک کی جملہ صفات پر عشقیہ حالت کا غالب آ جانا، یہ ابتدائی درجہ سکر کا ہے۔
صعق : تجلیِ ذاتی میں محو ہو جانا، اور مرتبۂ فنا فی اللہ کو پہنچنا اور فناء کامل کو کہتے ہیں جس میں کسی شئے کا وجود باقی نہ رہے سوائے حق کے۔ جس دن پھونکا جائے کا صور پس فنا ہو جائے گی وہ چیز جو کہ آسمانوں میں ہے اور زمین میں۔
صفا : صفا سے صفات خلقیہ سے پاک ہونے کی جانب اشارہ ہے، مراتب محبت کے مدارج میں سے ایک درجہ۔
صفاتِ جلالیہ : وہ صفات ہیں جن کا تعلق جلال و قہر سے ہے۔
صفاتِ جمالیہ : وہ صفات ہیں جن کا تعلق لطف و رحمت سے ہے۔

صفاتِ حمیدہ : سالک کی وہ صفات جو مظہرِ جمال ذات ہیں یعنی نیک خصلتیں جیسے سخاوت ، علم ، صبر و شکر ، خلق وحسن و توکل و تورع ، تقویٰ و اخلاص وغیرہ ۔

صفاتِ ذاتیہ : وہ ہیں جن کے ساتھ ذاتِ حق موصوف ہو اور اُن کی ضد حق کے لئے نہیں مثل قدرت اور عزت عظمت وغیرہ کے ساتھ ذات موصوف نہ ہوسکے جس کی ضد حق کے یعنی حجر کے ساتھ ذاتِ حق موصوف نہیں ہوسکتی جیسے علم اس کی ضد یعنی جہل کے ساتھ وہ ذات پاک موصوف نہیں ہوسکتی۔

صفاتِ ذمیمہ : انسان کی وہ صفات جو مظہرِ جلال وقہرِ حق سبحانہ ہیں، یعنی برائیاں اور معصیت کی باتیں جیسے صغیرہ و کبیرہ گناہ ، حرص وغیرہ۔

صفاتِ فعلیہ : وہ صفات ہیں جن کی ضد کے ساتھ ذاتِ حق موصوف ہوسکتی ہو جیسے رحمت اس کی ضد غضب ہے اس کے ساتھ بھی ذاتِ حق موصوف ہے کسی پر اس کی رحمت ہے کسی پر اس کا غضب ہے۔

صفائی : دل کا اس درجہ تصفیہ کرنا اور اس میں ایسی روشنی پیدا کرنا کہ ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ کا بے حجاب مشاہدہ حاصل ہو۔

صفائی مبتدی : سلوک کی منازل ۔ مبتدی پر یادِ باری تعالیٰ کا اس درجہ غلبہ کہ دوسرے خیالات محو ہو جاتے ہیں ۔ یہ منجانب اللہ ایک کشش ہوتی ہے جو باعث ترقیات مزید ہے۔ اس حالت کو صفائی مبتدی کہتے ہیں۔

صفائی متوسط : سلوک کی منزل جس میں صوفی پر جب ایسے اوقات آتے ہیں جن میں اس پر تجلیات وارد ہوتی ہیں تو اس حالت کو صفائی متوسط کہتے ہیں۔ یہ حالت متوسطین پر طاری ہوتی ہے۔ اس مرتبہ کے صوفی کو مجذوب کہتے ہیں۔

صفائی منتہی : صوفی مجذوب جب واصل ذات ہو کر مقام تمکین میں پہنچتا ہے تو اس حالت کا نام صفائی منتہی ہے۔ اس مرتبہ کے صوفی کو مجذوب سالک کہتے ہیں۔

صفت : ظہورِ ذات کو صفت کہتے ہیں کیونکہ ذات بغیر صفت ظاہر نہیں ہوسکتی اور ذات کے واسطے حیات اور علم اور ارادہ قدرت سمع و بصر اور کلام جن کو امہات صفات کہتے ہیں لازمی ہے اور یافت ذات کی صفات میں سے ہے ۔

صفوت : اہلِ صفوت وہ لوگ ہیں جو بصفائی قلب متحقق ہیں ۔ اُنھیں غیریت کا شائبہ بھی باقی نہیں ، اعتباری دوئی سے صاف ہو جانا بھی صفوت ہے اور جن کو یہ حاصل ہے ان کو اہلِ صفوۃ کہتے ہیں۔

صلاح : ہمیشہ عبادت میں رہنا ۔ صالح ہر کام خدا کے لیے کرتا ہے لیکن ان کاموں کے ذریعے سے وہ دنیا اور آخرت میں خدا سے زیادتی چاہتا ہے ۔ وہ اپنے نفس پر دوزخ سے ڈرتا ہے جنت کا آرزو مند ہوتا ہے مگر وہ صادق فی اللہ ہوتا ہے ۔

صلح : سالک کے اعمال اور عبادات کا جنابِ باری میں مقبول ہو جانا اور قربِ ذاتِ حق میسر ہونا ، رضا بقضا بھی مراد لیتے ہیں اور عنایت حق کو بھی کہتے ہیں جو بعد آزمائش ہوتی ہے ۔

صمدیت : اُس مقام کو کہتے ہیں جس پر پہنچ کر سالک صفات بشریت سے علیحدہ اور متبرا ہو جاتا ہے اور شہود ذات کے سرور میں اُس کو کسی چیز کی پروا نہیں رہتی ، اسے اکل و شرب کا ہوش تک نہیں رہتا ۔

صنعت : افعال الٰہی کے مراتب میں تیسرا مرتبہ ہے۔صنعت دو طرح کی ہوتی ہے ایک یہ کہ کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ترتیب دے دی جائے جیسے : نجاری ، خیاطی وغیرہ ۔ دوسری قسم کی صنعت کسی چیز کو ایجاد کیا جائے اور اس کو عدم سے وجود میں لایا جائے۔ یہ بات خدا ہی کے لیے مخصوص ہے ۔

صنم ، محبوب : تجلیِ روح و تجلیِ صفائی کو کہتے ہیں جو سالک کے دل میں متجلی ہوتی ہے ، اور کبھی صنم و محبوب سے حقیقتِ محمدیہ ﷺ مراد لیتے ہیں۔

صوامع الذکر : وہ حالات اور کیفیات ہیں جو سالک کو ذکرِ مطلوب سے غافل نہیں ہونے دیتے اور اُس کی ہمت اور توجہ کو مضبوطی کے ساتھ مطلوب کی طرف قائم رکھتے ہیں۔

صوتِ سرمدی : یعنی ذات کی آواز ، جس طرح ذات قدیم ہے ایسی ہی یہ صوتِ سرمدی بھی قدیم ہے اور جس طرح ذات اور وجودِ حق سبحانہ تعالیٰ بے کیف و بے جہت ہے اسی طرح اُس کی آواز یعنی صوتِ

سرمدی بھی بے کیف و بے جہت ہے اور جس طرح وہ ذاتِ پاک وجودِ مطلق جملہ کائنات میں جلوہ گر ہے اور سب پر محیط ہے، اسی طرح یہ صوتِ سرمدی بھی جملہ اشیاء میں معمور ہے اور سب آوازوں کی اصل ہے ، یہ ایک سرِ حق ہے اس کی حقیقت سے وہی آگاہ ہوسکتا ہے جو مراتبِ صفات کو طے کر کے ذاتِ بے چوں و بچگون میں فنا ہوگیا ہو، تمام عالم اس صدا سے پُر ہے ، اس صوتِ سرمدی کی حقیقت کا انکشاف سلطان الاذکار کے شغل سے ہوتا ہے۔

صور کونیہ : موجودات خارجیہ جوکہ عالم واقع میں موجود ہیں اور دراصل اشکال و اجسام ناسوتی ہیں حقائق عینیہ کے۔

صورۃ الالٰہ : عبارت ہے انسان کامل سے بہ سبب متحقق ہونے انسان کامل کے حقایق اسماالٰہیہ کے ساتھ اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اصل میں اور دیگر عرفا آپ کی تبعیت میں۔

صورۃ الارادہ : سالک کا اپنے ارادہ کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں فنا کر دینا اور جو کچھ کرنا اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے کرنا اور جمیع اشیاء کا ارادہ حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ مشاہدہ کرنا اور ارادہ غیرحق سے بالکل منقطع ہو جائے۔

صورۃ الحق : صورت حق جو درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں بسبب آپ ﷺ کے متحقق ہونے کی حقیقت احدیت واحدیت کے ساتھ اور باقی خلائق آپ ﷺ کی صورت پر ہیں لہٰذا بتوسط آپ ﷺ کے سب حق کی صورت پر ہیں اور تمام تعینات صورتیں حق تعالیٰ کی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکمل و ارفع و جمع ہیں کہ بسبب کمال ذاتی کے سریاں آپ ﷺ کا صور و مظاہر حق میں ہے آپ ﷺ تمام صورتوں کی اصل ہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ کا تعین اول آپ ﷺ ہیں۔ لہٰذا حق صورت اصلی بلا کمی و بیشی غلبہ اسماء و صفات آپ ﷺ ہی کی صورت ہے۔

صوفی : اس کو کہتے ہیں جو اپنے دل کو غیرحق سے بچائے یعنی خطرہ نفسانی اور شیطانی کو داخل نہ ہونے دے۔

صومعہ : مقام تنزیہ صومعہ دراصل عیسائیوں کی عبادت گاہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تنزیہ کا غلبہ تھا اس لیے صومعہ سے تنزیہ کا کنایہ کیا جاتا ہے۔لغت میں عبادت خانہ نصاریٰ کو کہتے ہیں۔

صیاد : تعینات کی دل کشی کو کہتے ہیں جو باعث گرفتاری ہوتی ہے۔

ض

ضد : لغت میں ضدین اُن دو چیزوں کو کہتے ہیں جو ہم جنس ہو کر آپس میں ایک دوسرے کی مخالف ہوں۔ اسی لئے انسان کی ضد کسی پتھر یا شجر کونہیں کہہ سکتے بلکہ انسان کی ضد انسان ہی ہوسکتا ہے۔ اور شجر کی ضد شجر اور پتھر کی ضد پتھر لیکن حضرات صوفیا کرام کے نزدیک ضد شئے عین شئے ہوتی ہے ، کیونکہ حقیقت میں سب ایک ہیں اور افعال و صفات کے اختلافات سے حقیقت نہیں بدلتی باوجود ضدیت کے جیسے : آتش (آگ) اور آب (پانی) ظاہر میں ضد ہیں لیکن باطن میں ایک دوسرے کا عین ہے کیوں کہ آب مربوب اسم محی ہے اور آتش مربوب اسم قابض ہے ۔ یہ دونوں اسماء اللہ میں سے اسم اللہ جامع ہے ۔ اسم اللہ میں صفت اور تاثیر دونوں کی موجود ہے۔ اگر موجود نہ ہوتی تو یہ اسماء مسمّٰی سے ہی نہ ہوتے حالانکہ وہ ظاہر ہوئے ہیں پس اس صورت میں اگرچہ باہم اسماء کی ضد ہے ضد شئے عین شئے باوجود ضدیت ثابت ہوگئی پس سمجھنا اور قیاس کرنا چاہیے اس پر کل اشیاء اور اسماء کو۔

ضلال : گمراہ ہونے کو کہتے ہیں اور حضرات صوفیا مرتبہ عشق اور محبت مراد لیتے ہیں جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے آپ کی زیادتی محبت اور عشق کو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ اسی لفظ سے تعبیر کیا ہے (ترجمہ : بے شک تو پرانا گمراہ ہے)۔

ضلالت : گمراہی کو کہتے ہیں۔ یہ صفات عباد میں سے ہے اگرچہ اضلال بمعنی گمراہ کرنے کے یہ صفت خدا کی ہے اس معنی میں حق مضل ہے پس وجود جیسا کہ ہادی ہے ویسے مضل بھی ہے اسی طرح سے مظہر اول کہ مسمے بروح اعظم اور رب مخلوق ہے باعتبار اسماء جمالی کے ہادی ہے

اور باعتبار اسماء جلالی مفصل اور تمامی اشیا بنظر وجود کے چیز محض ہیں ۔
ضمیر : اس کے کئی معنی ہیں (۱) اندیشہ دل کی بات، رازِ دل (۲) ضمیر سے محض دل مراد لیتے ہیں ۔
خواطر دل کو ضمیر کہتے ہیں بعضوں کے نزدیک پوشیدہ چیز کو بھی کہتے ہیں ۔
ضنائن : لغت میں بخل و خاصہ کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں معنی ثانی یعنی خاصہ مراد ہے ۔
اولیاء اللہ میں سے ایک خاص گروہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور مراتب قرب میں اُن کا خاص اور ممتاز درجہ ہے، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے (ترجمہ) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ کا اس کی مخلوق میں سے ایک خاص گروہ ہے ، جن پر بہت اعلیٰ اور چمک دار نور نازل فرمایا ہے دونوں جہان میں اللہ تعالیٰ ان کو اپنی عافیت اور مہربانی میں رکھتا ہے۔
ضیاء : یعنی غیر کو حق جاننا یا یہ کہ اغیار کو چشم حقیقت سے دیکھنا اور یہ ایک نور الٰہی ہے جس کا نام فراست بھی ہے۔ حدیث شریف میں ہے بچو تم فراست مومن سے کیونکہ وہ دیکھتا ہے بنور حق ۔
سالک کامل کا جملہ اشیاء اور تمام کائنات کو عینِ حقِ سبحانہ تعالیٰ دیکھنا۔

ط

طالب : ۱. طالب صادق وہی ہے جس کی طلب ایسی ہو جیسا حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طالب کسی مقام پر پہنچ کر بس نہیں کرتا، بلکہ ہر مقام پر پہنچ کر اس سے اعلیٰ کی کوشش کرتا ہے، چنانچہ حضرات صوفیا کا قول ہے ، کہ السکون حرام ، علی قلوب الاولیاء اس لئے کہ جس کا مطلوب و مقصود وہ ذاتِ غیر متناہی ہو اُسے دونوں جہاں میں کیونکر آرام مل سکتا ہے۔ دنیا محلِ غیبت ہے اور آخرت محلِ رویت ہے، ظاہر ہے کہ محلِ غیبت میں طالب و عاشق کو بغیر اُسے دیکھے کس طرح سکون ہوسکتا ہے، اور محلِ رویت میں اس کی تجلی کی تاب کیسے لا سکتا ہے۔
حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عاشقوں کے دل میں دونوں جہاں میں اپنے محبوب کی طلب نہیں جاسکتی ، فرق اتنا ہے کہ دنیا میں اس کو رنج و مشقت ہوتی ہے اور آخرت میں نہیں ، لیکن طلب اس کی بڑھتی رہتی ہے جبکہ جمال محبوب لامتناہی ہے لہٰذا اس کی طلب مدام ہونی چاہیے ۔
۲. طالب وہ ہے جو خودی کو چھوڑ کر شہوات طبع اور لذات نفسانی سے مبرا ہو چکا ہو ۔ اور کثرت سے وحدت میں جا کر ٹھہرے ۔
اس کو انسان کامل بھی کہتے ہیں۔ یہی مقام فنا فی الٰہی ہے کیوں کہ طالب کی طلب بڑھتی رہتی ہے۔
طاعت : نفس ذات ربوبیت سے پیدا ہوا۔ ربوبیت کی یہ شان نہیں کہ شقاوت کرے۔ ظلمت طبیعت کے متقضیات کو معاصی اور انوار روحی کے متقضیات کو طاعت کہتے ہیں۔
طامات : ۱. اس کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ تعلّی کی باتیں کرنا اور لوگوں پر اپنی کرامات کا اظہار کرنا، تاکہ لوگ رجوع ہوں، دوسرے یہ کہ سالک پر جو اسرار منکشف ہوتے ہیں اس سے سالک کو ایک قسم کا سرور اور حظ حاصل ہوتا ہے۔ اس حالتِ سرور میں اس کی زبان سے بے اختیار اسرار و معرفت کی باتیں نکل جاتی ہیں ۔
ظاہر ہے کہ پہلی حالت مذموم ہے او ر دوسری حالت محمود ہے ، اگر چہ ضبط کرنا اعلیٰ اور ارفع ہے۔ طامات وہ معارف جو ابتدائے سلوک میں سالک کی زبان پر جاری ہوتے ہیں ۔ طامات خودنمائی کو بھی کہتے ہیں ۔ وہ باتیں جو ان کے حال سے بُعد رکھتی ہو اور جن میں خلوص نہ ہو سب طامات کے تحت میں آتی ہیں ۔
طامتہ الکبریٰ : طم کہتے ہیں کھود کھرچ کر زمین کو ہموار کرنا۔ قیامت میں چونکہ زمین وجود کے جملہ تعینات کو مٹا کر وجود کو ہموار کر دیا جائے گا اس لئے قیامت کو طامتہ الکبریٰ یا قیامت الکبریٰ کہتے ہیں ۔

طاہر: طاہر وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ جملہ معصیات و مکروہات سے محفوظ رکھتا ہے۔ ایسے شخص سے شریعت و طریقت کے خلاف کوئی فعل سرزد نہیں ہو سکتا۔ بوجہ اس طہارت کے حق تعالیٰ اس کی محافظت فرماتا ہے اور اسے معاصی سے بچاتا ہے۔

طہارت کی چار اقسام ہیں۔

۱۔ طہارت ظاہری: جسم اور لباس کو نجاست سے پاک رکھنا۔

۲۔ طہارت باطنی: لقمہ حرام و مشروباتِ حرام سے اجتناب کرنا۔

۳۔ طہارت قلبی: صفات ناپسندیدہ یعنی غرور، کینہ، حسد، مکر، خیانت، بغض، عداوت اور حب دنیا سے دل کو پاک صاف رکھنا۔

۴۔ طہارت سِرّ: ماسوائے اللہ سے اپنے خیالات اور اپنی توجہ کو دور رکھنا۔

طاہرُ الباطن: وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ وسواسِ شیطانی اور ہوا جس سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کے دل میں اپنے (یعنی اللہ کے سوا) دوسرے کی محبت پیدا نہیں ہونے دیتا جیسے: صدیقین اور اولیاء۔

طاہرُ السّر: وہ ہے جو ایک آن اور ایک لمحہ خدا سے غافل نہ ہو۔ ہر وقت ذات میں محو رہے۔

طاہرُ السّر و العلانیہ: وہ ہے جو باوجود مشغولی ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ کے جملہ مراتب اعتباریہ اور مراسم خلق کو باقاعدہ انجام دے، یہ سب سے اعلیٰ اور ارفع مقام ہے۔ یہ انبیاء علیہمُ السلام اور اُن کے نائبین اولیاء صاحب ارشاد کا خاص حصہ ہے۔ اِدھر اللہ سے واصل اُدھر مخلوق میں شامل۔

طاہرُ الظاہر: وہ شخص ہے جسے حقِ سبحانہ تعالیٰ معصیات اور خلافِ شرع امور سے محفوظ رکھتا ہے۔

طائر: محل صور علیہ، اعیان ثابتہ، تقدیر الٰہی، علم الٰہی، فرشتگان مقرب نیز اولیاء مقربین۔

طب روحانی: وہ ایک باطنی علم ہے جس سے کمالات انسانی اور امراض روحانی اور ان امراض کے علاج کا طریقہ اور اس کی دوائیں یعنی اعمال کا علم حاصل ہوتا ہے اور اس کی غرض یہ کہ سالک کے دل کو اعتدال پر رکھا جائے، تاکہ وہ منزل بہ منزل مراتب اور مقامات کو طے کرتا ہوا واصل بحق ہو جائے اور یہ کہ اگر سالک میں کسی قسم کی خرابی پیدا ہو جائے تو اس کا دفعیہ اور علاج کیا جائے۔

طبیبِ روحانی: شیخ مکمل جو اس طبِ روحانی میں کامل و ماہر ہو جیسے جملہ انبیاء علیہم التحیۃ والسلام اور جملہ مشائخ سلاسل اور یہی مشائخ صاحبِ ارشاد کہلاتے ہیں، انہیں کے وسیلہ سے مخلوق کی اصلاح اور نجات ہوتی ہے، امراض قلوب کا معالج اور ارشاد اور تکمیل طالبین کا رہنما۔

طبیعت: ترتیب مابعد ا۔عقل ۔۲۔نفس ۔۳۔ ہیولیٰ۔۴۔ ہیولیٰ کے بعد طبیعت کو پیدا کیا جو ہیولیٰ پر مسلط ہوتی ہے اور جس نے ہیولیٰ کو اُس صورت کے ساتھ آراستہ کیا جس کے وہ لائق ہے۔ انسان کے ہیولیٰ کو انسانی صورت عنایت کی۔ اب طبیعت حکم الٰہی سے جسم مطلق کی صورت میں ظاہر ہوئی جسے فلک اعلیٰ کہتے ہیں۔ اس سے تمام افلاک پیدا ہوئے۔ طبیعت کے تصرف نے فلک اعلیٰ میں نو حصے پیدا کر دیئے جس سے نو افلاک ظاہر ہوئے۔

طراوت: انوارِ الٰہی کا مادیات اور عالم کثیف میں جلوہ گر ہونا۔

طرب: اللہ تعالیٰ کی محبت میں دل کا مسرور ہونا جو حق کے مشاہدے سے حاصل ہو۔

طریق: وہ مراسم مشروعہ الٰہی ہیں جن میں رخصت نہیں نیز شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہے۔

طریق اخیار: کثرت صلوم وصلوٰۃ و تلاوت و حج و جہاد کے ذریعے منزل مقصود پر پہنچنا، طریق اصحاب مجاہدات و ریاضات طریق اصحاب شطاریہ وغیرہ وغیرہ۔

طریقت: سیر اور سلوک الی اللہ کو قطع منازل اور ترقی مقامات اور تزکیۂ باطن اور وصال اور قرب کے ساتھ ہونے کو کہتے ہیں اور باطن شریعت کو بھی یعنی شریعت ظاہر ہے اور طریقت باطن اور طریقت کا باطن حقیقت ہے اور مقامات اور مراتبِ سلوک طے کرنا تاکہ قربِ ذات حقِ سبحانہ تعالےٰ حاصل ہو۔

سلوک کے باب میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

طلب : یہاں طلب سے مراد طلبِ مولیٰ ہے جو مراتب محبت کا تیسرا درجہ ہے، کیونکہ اہلِ تصوف کے یہاں یہی ایک طلب ہے حق تعالیٰ کو مطلوب بنانا، طلبِ کامل اور طلبِ صادق اسے کہتے ہیں کہ شب و روز اپنے مولیٰ کی یاد سے غافل نہ ہو اور دنیا و آخرت کی نعمتوں کی طرف بالکل متوجہ نہ ہو اور ہر روز بلکہ ہر آن طلب بڑھتی جائے۔

طمانیت : ذاتِ حق سبحانہ کا یقینِ کامل ہوکر سالک کے دل کا مطمئن ہوجانا۔

طمس و محو : ان دونوں لفظوں کے معنی مٹنا ہیں۔ سالک کا اپنی خودی اور ہستی کو فنا کر دینا، اور جملہ اعتبارات غیریت سے بری ہو جانا، اور تمام حجابات طے کرلینا اور بالکل مٹ مٹا کر ذات میں مل جانا بلکہ عین ذات ہو جانا یہ ارفع الارفع مقام ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ صفات عبد کو صفاتِ حق میں فنا کرنا طمس ہے۔

طواف افاقت : ارکان حج میں مراد یہ ہے کہ فیضان الٰہی کی ہمیشگی سے انسان ہمیشہ ترقی کرتا رہے۔ حصول کمال انسانی کے بعد فیضان الٰہی منقطع نہیں ہوتا۔

طوافِ کعبہ : اس سے مراد ہے ہویت مطلقہ کے ادراک کی کوشش سات مرتبہ طواف اشارہ ہے کہ جن اوصاف سے اس کی ذاتِ تمام و کمال کو پہنچی یا جن اوصاف کے ادراک کے بغیر اس کی ذات تک رسائی محال ہے۔

وہ سات ہیں : (۱) حیات۔ (۲) علم۔ (۳) ارادہ۔ (۴) قدرت۔ (۵) سمع۔ (۶) بصر۔ (۷) کلام اور اس میں یہ نکتہ بھی شامل ہے کہ بندہ ان صفات میں اپنا خیال درمیان سے ہٹادے۔ یہاں سے تقرب الٰہی شروع ہوجاتا ہے۔ طواف کے بعد صلوٰۃ سے بندہ امور کمال کو پہنچا جاتا ہے اس میں احدیت کا ظہور ہوگیا۔ مقام ابراہیم پر نماز اشارہ ہے مقام خلت کا۔

طواف وداع : اشارہ ہے خدا کی ہدایت بطور حال اللہ کے بھید مستحقین تک پہنچائے جاتے ہیں۔ اولیا اللہ اسرار الٰہیہ کے حامل ہوتے ہیں یہ اسرار ان کے پاس مستحقین کے لیے بطور امانت کے ہوتے ہیں جو وہ مستحقین کو پاتے ہیں اسے وہ اس کی امانت سپرد کردیتے ہیں۔

جو دعائیں مناسک حج میں پڑھی جاتی ہیں عارفین مراتب اُن میں اپنا حصہ لیتے ہیں۔

طوالع لوامع : بعض کہتے ہیں کہ طوالع وہ تجلیاتِ اسماءِ الٰہیہ ہیں جو شروع میں سالک کے دل پر وارد ہو کر تصفیہ و تزکیہ کرتی ہے، جس سے سالک کا نور باطن صفاتِ حمیدہ سے آراستہ ہو جاتا ہے۔

اور انوار معارف کو بھی کہتے ہیں۔ وہ کیفیات و تجلیات اسماء الٰہیہ جو سالک کے اخلاق و اوصاف کو نور باطن سے منور کر دیتی ہے۔

طور : حال اور شان کو کہتے ہیں یہ دونوں امور واقعیہ اعتباریہ میں سے ہیں۔ اشخاص کو اطوار اور شیون احوال ہوتے ہیں۔

یہ جملہ تعینات عالم کے حوادثات ہیں۔ ماں کی کوکھ سے شباب کہولت اور شیخوخیت کے مر جانا پھر برزخ قبر و حشر جنت یا دوزخ۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (و خلقکم اطوار)''اور پیدا کیا تم کو طور طور کر کے''۔

طور الایمن : نفس انسانی، بندے کو ندا دی جاتی ہے اور پکارا ہم نے اس کو طور الایمن کی جانب سے (یا بہت برکت والے پہاڑ کی جانب سے) (ترجمہ : سورۃ مریم) پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے گویا کوہِ نفس ذات الٰہی میں پاش پاش ہو جاتا ہے ندا سننے والا بندہ بے ہوش ہو جاتا ہے اس بے ہوشی سے مراد محق و محق ہے۔ جب بندے کی کوئی چیز باقی نہ رہی، بندہ ہی درمیان سے ہٹ گیا تو قول لن ترانی صادق آیا۔

طور نفس انسانی کا باطن ہے جسے انسان میں حقیقت الٰہیہ سے تعبیر کرتے ہیں اور طور الایمن نفس ہے۔ رحمٰن کی ذات نفس میں پائی جاتی ہے۔ گویا خدا ظاہر ہوا اور بندہ گم ہوا۔

ظ

ظالم : یہ اسم فاعل ظلم کا ہے اگر بسکون لام اس کا مصدر سمجھا جائے تو جبر اور زیادتی کرنے والے کے معنی ہوں گے اور اگر بضم لام لیا

جائے تو تاریک کردینے والے کے معنی ہوں گے۔ اس لئے زبان اہلِ محبت میں اس کو کبھی معشوق کی طرف منسوب کرتے ہیں بوجہ جبر و زیادتی و بے التفاتی معشوق کے اور کبھی عشق کی طرف جیسا کہ مشہور ہے کہ محبت میں کچھ نہیں سوجھتا اور فراق میں عالم تاریک ہوجاتا ہے۔

ظاہر : یعنی عالم اس عالمِ اجسام اور وجودِ خارجی کو کہتے ہیں جو عالم میں روشن ہے۔ یہ اسم بھی ہے۔ حق تعالیٰ کے مقابل باطن کے ھوالظاہر ولباطن وہی ظاہر اور باطن ہے۔

ظاہرُالعلم : اعیانِ ممکنات کو کہتے ہیں۔

ظاہر الوجود: اسماء الہیہٗ کی تجلیات کو کہتے ہیں۔

ظاہر ممکنات : ظاہر وجود، حق تعالیٰ کا صور و صفات اعیان میں متجلّی ہونا اور اسی تجلی کا نام وجود اضافی ہے۔ اسمائے کونیہ کو حقائق کونیہ بھی کہتے ہیں۔ قوس حقائق الٰہیہ کو قوس ظاہرالوجود کہتے ہیں نیز اسماء الٰہیہ کی تجلیات کو بھی کہتے ہیں۔

ظرف : کہتے ہیں ایک موجود مستقل کی دوسری موجود مستقل یا غیر مستقل میں درآنے کو جیسے کہ کوزۂ آب اور جوہر دعرض۔ پس ظہور حق تعالیٰ کا مظاہر کونیہ میں موجب ظرفیت اور مظروفیت کے نہیں ہے اس لئے کہ بجز وجود حق کے کوئی شئے غیر موجود نہیں جو ظردفیت کا سبب ہو۔ موجود واحد خود ظرف اور خود مظروف نہیں ہوسکتا ہے۔

ظل : وجودِ اضافی کو کہتے ہیں اور ذات کے ہر ظہور اور ہر تعین کو ظل کہتے ہیں کیونکہ تمام ممکنات عدم محض میں جن کا ظہور اسمِ نور کے مظہر (وجودِ خارجی) سے ہوا اور اس وجودِ خارجی نے ان ممکنات کے عدم کی ظلمت کو اپنے گوناگوں نورانی صورتوں میں چھپا لیا اور اس وجودِ حقیقی کا ظل بن گیا، جملہ ظہورات وتعینات۔

وجود انسانی اعیان ممکنات وتعینات کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ احکام ممکنات جو کہ دراصل معدومات سے ہیں اسم نور سے ظاہر ہوئے۔ عالم کو حق تعالیٰ سے وہی نسبت ہے جو سایہ کو اس شخص سے جس کا وہ سایہ ہے۔ عالم جس پر کہ غیر حق کا اطلاق کیا جاتا ہے حق تعالیٰ کا ظل ہے۔ یہ ظل الٰہی جسے کہ عالم کہتے ہیں (سورۃ فرقان آیت : ۴۵)

''کیا تو نے اپنے رب کی طرف نظر نہیں کی کہ اس نے وجود اضافی کو ممکنات پر کس طرح پھیلایا اور اگر وہ چاہے تو اس کو ساکن کردے پھر ہم نے اس سایہ پر آفتاب کو دلیل و رہنما بنایا''۔ آفتاب سے ظل نمائی ظہور نہ آئی تو آفتاب کی روشنی کو کوئی نہ پہچانتا۔ صبح شام نہ ہوتی، سایہ کی طوالت میں کمی و بیشی نہ ہوتی، کسی کو نور کا شعور نہ ہوتا، کوئی اسے آفتاب سے نسبت نہ دیتا، گو نور آفتاب سے سایہ پہچانا جاتا ہے۔ اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ حق تعالیٰ اُن کے لیے سمع و بصر و کلام اور کل قویٰ و جوارح بن جاتا ہے۔ بادجود اس قرب و اتصال کے بندہ ظل ہی رہتا ہے۔ یہ بندہ بوجہ اپنی صفائی کے ایک ایسا شیشہ ہوتا ہے کہ اسے ظل نوری کہتے ہیں۔

ظلال ہی کی بدولت ظلال کے داہنے بائیں کروٹیں لینے کے سبب سے بندہ پہچاننے لگتا ہے کہ اس کو حق تعالیٰ سے حق تعالیٰ کو اس سے کیا نسبت ہے۔

عالم اللہ کا محتاج ہے بسبب اسماء الٰہی کے اور اسماء الٰہی وہ اسماء ہیں جن میں عالم کو لوگ اور چیزیں حق تعالیٰ کی محتاج ہیں۔ ہمارے اعیان نفس الامر میں اسی کے ظل ہیں۔ ''الم ترالی ربک کیف مدالظل''۔ پھیلا دیا وجود اضافی کو ممکنات پر پس ظلمت کے مقابل میں۔

ظلُ اللہ/ظلِ الٰہ/ظلال وظلالاً : ۱. انسانِ کامل کو کہتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ ممکنات کا انتظام اس کے ذریعہ سے فرماتا ہے۔

۲. مرتبۂ واحدیت جس کو حقیقتِ آدم کہتے ہیں جو متحقق ہو، حضرت واحدیت کے ساتھ ظلال وظلالاً اسماء الٰہیہ کو کہتے ہیں۔

ظلِ اوّل/ظہور اول : حقیقتِ محمدیہ ﷺ کو کہتے ہیں اس کو ظہور اول بھی کہتے ہیں اور باعتبار باطنی ظل اول کو وحدت اور باعتبار ظاہری عقل کہتے ہیں کیونکہ یہ پہلا ہے عین اور ظل ہے جو نور تجلی حق کے ساتھ ظاہر ہوا اور قبول کیا کثرت کو کہ جو شیون حق کے ہیں۔

ظلمت : عدم کو کہتے ہیں جو ادراک میں نہیں آسکتا ہے اور جو ادراک میں نہ آئے وہی ظلمت ہے۔

ظلوم و جہول : اس سے مراد ہے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اور غیر حق سے جاہل ۔کلام مجید میں انسان کے لیے لفظ ظلوم و جہول سے بطور مدح کے یاد کیا گیا ہے نہ بطور ذم جیسا کہ ناظر کتب تصوف پر مخفی نہیں ۔

ظہور و بطون : ظہور تلبس حقیقت بصورِ تعینات ۔ بطون : عدم تلبس حقیقت بصورِ تعینات یہ تلبس عین کثرت ہے اور عدم تلبس عین وحدت۔

ع

عادت : عقل عالم تمیز قوت امتیازی ہے ۔ ا.عقل اوّل علم الٰہی ۲.عقل کلی ایک مدرکہ نوریہ۔ ۳.عقل معاش ۔ عقل معاش کے لئے ایک ہی کسوٹی ہے جسے فکر کہتے ہیں اور اس کا ایک ہی پلہ ہے جسے عادت کہتے ہیں ۔

عارض : کشف انوار ایمانی کا سالک کے دل پر روشن ہونا ، اس سے تجلی جمالی بھی مراد لیتے ہیں ۔

عارف : اُس شخص کو کہتے ہیں جس نے بطریق حال نہ بطریق قال مشاہدہ ذات اور صفات اور اسماء کا کیا ہے یعنی اس صاحب نظر کو عارف کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اورصفات اور اسماء اور افعال کا بینا کیا ہے ۔

ایسے شخص کو معرفت بہ سبب مشاہدہ دیدۂ دل کے حاصل ہے کہ عارف ہرچہ گوید دیدہ گوید اور بعضوں کے نزدیک عارف اُس شخص کو کہتے ہیں جو عالم عرفان میں گم ہو اور مراتب نزدل اور عروج سے گزر کر مقام "من عرف نفسه فقد عرف ربه" (ترجمہ: جس شخص نے اپنے نفس کا عرفان حاصل کیا پس تحقیق اس نے اپنے رب کا عرفان حاصل کیا) میں محو ہو گیا ہو اور مرتبہ واحدیت اور وحدت سے گزر کر اپنی خودی کو ذات حق میں محو کر چکا ہو اور باوجود اس کے اس حالت سے باز آئے اور خلائق کو نفع پہنچائے اور مرتبہ عروج اور نزول میں محو رہے اور رایت ربی بعین ربی کے اسرار اس پر منکشف ہوں ۔

عارف الوجود: اعیان ثابتہ جن کو ہمیشہ وجود مطلق حقانی پیش نظر ہے۔

عاشق : ا. طالب ذات حق سبحانہ تعالیٰ اور شیفتہ جمال و جلال حق سبحانہ تعالیٰ کو کہتے ہیں ۔ سالک جب جملہ مراتب و مقامات عروج و نزول طے کر کے حب ذاتی عشق صرف یعنی حقیقت محمدیہ ﷺ میں پہنچتا ہے تو عاشق کامل کہلاتا ہے ۔

۲. اصطلاح میں عاشق وہ ہے جو عقل سے دور ہو اور اپنے سر و پا کی خبر نہ رکھے اور خواب و خور کو اپنے اوپر حرام جانے اور زبان اس کے ذکر میں اور دل فکر میں اور جان مشاہدۂ معشوق حقیقی میں مشغول رہے ۔

۳. عاشق اس کو بھی کہتے ہیں جو مرتبہ ظل ممدود اور نفس رحمانی سے گزر کر مرتبہ ام الکتاب اور عشق صرف اور حب خالص میں پہنچا ہو اور اس میں ایسا محو ہو کہ خودی کا خیال نہ آئے اور مرتبہ انا میں انا ہو گیا ہو اور اس حالت سے واپس نہ ہو۔ مرتبہ عاشق عارف سے افضل ہے لیکن عاشق سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچتا بخلاف عارف کے اُس سے فائدہ پہنچتا ہے مگر عارف حقیقی بھی بغیر عاشق حقیقی ہونے کے نہیں ہو سکتا ۔

عاقل : طالب صادق کو کہتے ہیں نیز اس کو کہتے ہیں جو ہر بات کا نتیجہ مطابق واقع کے سمجھے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے "یعنی عاقل شخص دل سے وہ بات معلوم کر لیتا ہے جو آنکھ نہیں دیکھ سکتی ہے"۔ اور دوسری حدیث ہے "یعنی عاقل شخص معاملات دنیا سے پریشان نہیں ہوتا اور جاہل ان معاملات میں پھنسا رہتا ہے اور پریشان ہوتا ہے"۔

عالَم : بفتح ل ، ذات بحت کے جملہ مراتب ظہور کا نام عالم ہے ۔ یعنی احدیت و حقیقت محمدیہ ﷺ مرتبہ وحدت سے اجسام تک یہ سب عالم کہلاتے ہیں ۔

عالم کا لفظ مشتق ہے علامت سے ، لغوی اعتبار سے عالم وہ ہے جس کے ذریعہ سے کوئی دوسری شے پہچانی جا سکے ۔ اصطلاح صوفیا میں ماسویٰ اللہ کو عالم کہتے ہیں۔ عالم کا ہر جز حق تعالیٰ کے کسی اسم کا مظہر ہے۔

عالم اجساد : عالم حارث کی دو اقسام ہیں ۔ لطیف اور کثیف ۔ عالم کثیف ظاہر ہے یہ عالم اجساد ہے اور مادی ہے اور ظاہر عرش سے مرکز خاک تک پھیلا ہے ۔

عالم ارواح : عالم لطیف باطن ہے۔ یہ مجردات کا عالم ہے جو مادہ نہیں رکھتا مثلاً عالم ارواح یعنی نفوس ناطقہ بشریہ خواہ بدن سے متعلق ہوں یا نہ ہوں۔ عالم ارواح سے مراد عالم ملکوت بھی ہوتی ہے۔

عالم الخلق : عالم شہادت وہ عالم جو مادّہ سے پیدا ہوا۔

عالم الامر/عالم امر : وہ عالم جو بلامدت و مادہ حق تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آیا۔ عالم جبروت، عالم غیب، عالم ملکوت، اسماء اور صفات حق سبحانہ تعالیٰ سے مراد ارواح وملائکہ ہیں کیونکہ ان کا ظہور لفظ کُن سے ہوا ہے اور ان کے ظہور میں مادہ اور زمانہ کے تقدم و تاخیر کو کچھ دخل نہیں ہے۔ کُن سے اشارہ عالم اعیان اور فیکون سے عالم ارواح کی طرف اشارہ ہے۔

عالم باطن عالم مطلق : مرتبہ احدیت ہے۔

عالم ثانی : مرتبہ واحدیت اور عالم صفات کو کہتے ہیں۔

عالم خارج : عالم ارواح جو ظل اعیان ثابتہ کا ہے بعض اس سے تمام عالم خلق مراد لیتے ہیں۔

عالم خلق / عالم شہادت / عالم ملک : عالم اجسام کو کہتے ہیں نیز عنصریات یعنی آگ۔ پانی۔ ہوا۔ مٹی اور جملہ وہ اشیاء جو ان سے بنائی گئی ہیں جیسے موالید ثلاثہ یعنی حجریات، نباتات، حیوانات وغیرہ یہ عالم۔ عالم امر کے بعد ہوا ہے اور اس کی تخلیق میں قرب و بعد زمانہ اور مادہ کو دخل ہے۔

عالم صغیر و کبیر : انسان اور جسم انسانی کو کہتے ہیں۔ عالم کبیر ذات کے مراتب داخلی۔ مرتبہ احدیت وحدت و احدیت کو کہتے ہیں اور عالم صغیر ذات کے مراتب خارجی یعنی عالم ارواح، عالم مثال، عالم اجسام کو کہتے ہیں۔

بعض صوفیائے کرام اس کے برعکس کہتے ہیں یعنی مراتب داخلی کو عالم صغیر اور تینوں مراتب خارجی کو عالم کبیر، اس لحاظ سے کہ واضح طور پر ظہور ذات مراتب خارجی میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عالم ارواح، عالم مثال، عالم اجسام تینوں کا نام عالم کبیر ہے اور عالم صغیر خاص حضرت انسان ہے اور بعض اس کے برعکس کہتے ہیں یعنی خاص انسان کو عالم کبیر کیونکہ یہ سب سے زیادہ ظاہر ہے اور اس میں جملہ مراتب ظہور مجتمع ہیں اور ارواح مثال اجسام کو عالم صغیر کہتے ہیں اور انسان اور جسم انسانی کو کہتے ہیں اس لئے کہ کچھ عالم کبیر میں موجود ہے اُس کی نظیر جسم انسانی میں موجود ہے اور عالم کبیر کہتے ہیں عالم ارواح سے عالم اجسام تک کو اور عالم صغیر خاص عالم انسان کو کہتے ہیں۔

بعضے کہتے ہیں کہ عالم کبیر سے مراد عالم باطن ہے جو مراتب ثلثہ یعنی احدیت واحدیت سے مراد ہے اور عالم صغیر عالم ارواح سے عالم اجسام تک کو کہتے ہیں بعضوں کے نزدیک عالم کبیر اجسام ہے جو کمال ظہور رکھتا ہے اور عالم صغیر عالم مثال ہے جو پوشیدہ ہے لیکن قول اول صحیح ہے۔

عالم قدس / عالم اُنس : عرش المجید سے عالم قدس مراد ہے جو مرتبہ رحمانیت ہے۔ سب سے اونچا آسمان، اس آسمان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن عالم قدس ہے جو اسماء وصفات کا عالم ہے اس کا ظاہر عالم اُنس ہے جو تشبیہ وتجسیم وتصویر کا محل ہے اور جو جنت کی چھت ہے۔

عالم کبیر : یعنی کائنات جس میں بہت سے مظاہر اور اسماء ہیں مثلاً عقل اوّل اور قلم اعلیٰ اور نور نفسِ کلی اور لوحِ محفوظ وغیرہ عالم صغیر یعنی انسان۔

عالم کلّی : عقل کلّی نفس کلّی، نفس کلّی کا مظہر انسانِ کامل ہے۔

عالم مثال: ایک عالم برزخ درمیان عالم ارواح اور عالم اجسام میں موجود ہے۔ اس کی نظیر عالم مثال میں موجود ہے۔ فرق اتنا ہے کہ عالم ارواح لطیف ہے اور عالم مثال کثیف ان کے درمیان برزخ حد فاصل ہے۔ کوئی چیز اور کوئی روح ایسی نہیں جو اپنے کمال کی مناسبت سے کوئی صورت مثالی نہ رکھتی ہو کیونکہ ہر چیز کو اسم ظاہر سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو سدرۃ المنتہی میں چھ سو (۶۰۰) بازوؤں کے ساتھ دیکھا۔ یہ عالم مثال عرش و کرسی اور ساتوں آسمانوں اور زمینوں اور ان کی تمام چیزوں پر محیط ہے۔ یعنی ان کی صورتیں اس عالم میں نمایاں ہیں۔ تمام محسوس صورتیں جو عالم شہادت میں نمایاں ہیں صور مثالیہ ہی کی ظل ہیں۔ حدیث : مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ حدیث میں آیا کہ دجال کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے کہ یہ کافر ہے اسے مومن ہی پڑھ سکتا ہے۔ جنت والوں کی شان میں

حق تعالیٰ فرماتا ہے'' نشانی ان کے بیچ موہوں کے ہے سجدے کے اثر سے اور دوزخ والے پہچانے جائیں گے(گناہ گار) ساتھ چہروں کے اپنے پس پکڑا جائے گا (ان کو) ساتھ پیشانی کے بالوں اور قدموں (ان کے) کے''۔ مقید مثالیں جنہیں خیالات کہتے ہیں عالم مثال ہی کے نمونے اور ظل ہیں ۔ یہ مقید مثالیں عالم روحانی کے وجود پر دلیل ہیں ۔

عالم مثال اس عالم شہادت سے متصل ہے۔ یہ عالم اس عالم سے روشن ہے ۔ وہ عالم گویا ایک روزن ہے جس میں سے روشنی اس عالم میں آتی ہے اور پھیلتی ہے۔ انسان بوجہ اسفل السافلین میں ہونے کے اس وقت تک عالم مثال کی سیر نہیں کرسکتا جب تک اپنے لطیفہ سِرّ میں خیالاتِ مقیدہ سے تجاوز کر کے عالم مثالی مطلق کے قریب نہ پہنچ جائے ۔

عالم حسی میں جو چیز ہے اس کا عالم مثالی میں ہونا ضروری ہے۔

حق تعالیٰ ان صورتوں کو جن کی کوئی کامل تصویر نہیں عالم حس میں ظاہر فرمانا چاہتا ہے تو انہیں محسوسات کی ان صورتوں میں متشکل کر دیتا ہے جنھیں ان سے کچھ مناسبت ہو مثلاً جبرئیل امین علیہ السلام حضرت وحیہ کلبیؓ کی صورت میں ظاہر ہوا کرتے تھے۔ آسمانی اور عنصری فرشتے بھی مختلف صورتیں بدلتے رہتے ہیں ۔

عالم معانی / معنی : ذات وصفات واسمائے الٰہی ، عارف کامل باطن اور بعض عالم ارواح کو کہتے ہیں ۔

عالم : بکسر ل ، عالم وہ شخص ہے جس کو ذات حق سبحانہ تعالیٰ اور اسماء صفات کا علم الیقین ہو نہ کہ کشف وشہود کی راہ سے اور جب اس سے ترقی کر کے مشاہدہ ذات و صفات حاصل ہو جائے تو اسے عارف کہتے ہیں ۔ ذات باری تعالیٰ کے عارف کو موحد کہتے ہیں ۔

عامہ : وہ علماء ہیں جنہیں صرف ظاہر شریعت کا علم ہو ۔ ان کو باطن سے کچھ حس نہیں ۔ ان کو علماء رسوم وعلماء ظواہر بھی کہتے ہیں ۔

عبادت : مولیٰ کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل وحقیر وناچیز پیش کرنا اور احکام شریعت کی پابندی کرنا ،معصیات سے بچنا ، یہ سب کے لئے ضروری ہے ، ہر شخص اس کا مکلف ہے۔صوفیا عبادت سے اجتہاد وسالک مراد لیتے ہیں۔ موجودات میں ہر چیز خدا کی عبادت میں مصروف ہے ۔

عبادلہ / عبادلۃ : ارباب تجلیات کو کہتے ہیں جو حقیقت کے کسی ایک اسم سے متحقق ومتصف ہوتے ہیں اور وہ عبودیت کے ساتھ منسوب ہوتی ہے ۔

وہ بندگان حق ہیں جو اسماء الہیۂ میں سے کسی اسم کی فنائیت حاصل کر کے اس کی حقیقت سے متصف ہو جائیں اور اس اسم کے آثار ان سے ظاہر ہوں جس سے بندگان خدا کو نفع پہنچے اور اسی اسم کی خصوصیت اور کمال حاصل ہونے کی وجہ سے اس بندہ کو اس اسم خدا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ۔

مثلاً ایک شخص کو فنائیت اسم ''رزاق'' حاصل ہوئی اور اس میں صفت رزاقی پیدا ہوگئی ۔ جس سے بندگان خدا کو فیضان رزق خوب پہنچا ایسے شخص کے لئے یہ کہا جائے گا کہ رزاق مطلق کا صفت رزاقی میں یہ ممتاز بندہ ہے ۔ علیٰ ہذا دیگر اسماء کی فنائیت حاصل کرنے والوں کو انہیں اسماء کی طرف منسوب کیا جائے گا اور عبدالرزاق ۔ عبدالقادر یا عبدالصمد کہا جائیگا ۔

عبد / عبد حقیقی: ہر مرتبہ ظہور ذات کو عبد کہتے ہیں ۔تعین اول یعنی حقیقت محمد یہ ﷺ کو عبد حقیقی کہتے ہیں اس لئے کہ ذات حق سبحانہ تعالیٰ کے جملہ مراتب ظہور کی اصل اور جڑ یہی حقیقت محمد یہ ﷺ ہے اور یہ برزخ ہے ۔

درمیان رب اور عبد کے باعتبار اطلاق کے رب ہے اور باعتبار تقید کے عبد ہے اور ان دونوں اعتبار سے قطع نظر کرو تو نہ رب ہے نہ عبد التوحید حقیقۃ لارب و لاعبد اسی طرف اشارہ ہے ۔

پس اس ایک حقیقت وجدانی کو حقیقت محمدی ﷺ اور برزخ کبریٰ کہتے جو درمیان عبد و رب کے ہے تا کہ دو ایک نہ ہو جائیں اور ایک دو نہ ہو جائیں ، یعنی یہ حقیقت برزخ ہے فصل اور وصل کے واسطے اور یہ برزخ کو جامع البحرین اور فاصل البحرین کہتے ہیں اور یہ آیت (مرج البحرین یلتقیان بینہما برزخ لایبغیان) سے اسی برزخ کی طرف اشارہ ہے ۔

عبودت : یہ عبادت کی اعلیٰ قسم ہے اور اخص الخواص کا حصہ ہے۔ اس مرتبہ میں سالک کی نماز معراج المومنین کہلاتی ہے اور عبد ومعبود کے

درمیان سے جملہ حجابات اٹھ جاتے ہیں۔ خدا کے واسطے اعمال کرنا۔

عبودیت : صدق نیت اور تصیح نسبت کو کہتے ہیں۔ یقین کامل اور سچی نیت سے محض اللہ کی محبت میں اس کی اطاعت کرنا بلا کسی طمع ، ثواب اور خوف عذاب کے یہ خاص لوگوں کا حصہ ہے ۔ صدق نیت اور تصیح نسبت کو کہتے ہیں کہ سالک اپنے سلوک میں اس پر کاربند ہو بلا طمع جنت اور خوف دوزخ کے۔ یہ مرتبہ خاص ہے نیز ہر وقت توجہ حق کی طرف رکھنا تضرع اور خضوع اور عظمت کے ساتھ اور یہی صفت اہل مشاہدہ کی ہے ۔

عبودیت کی کئی قسمیں ہیں۔ اول اوامر کی پابندی کرنا اور نواہی سے پرہیز کرنا ۔ دوسرے راضی برضاء الٰہی رضا ، تیسرے اپنی خواہش اور اختیار کو چھوڑ دینا اور حق کی خواہش اور اختیار میں رہنا اور مشاہدہ معبود میں عبد کی ہستی مٹ جانے کو بھی کہتے ہیں۔ یہی مقام اعلیٰ اور مقام محمدی ﷺ ہے ۔

عدالت: اعتدال نفسِ ناطقہ انسانی میں دو قوتیں ہیں، ادراک اور تحریک۔ تحریک کی چار قوتیں ہیں۔ ا. فطری۔ ۲. عملی۔ ۳. شہوی۔ ۴. غضبی اور قوتوں میں اعتدال اور تناسب رکھنا باعث فضلیت ہے ۔

قوت عملی کی تہذیب کو عدالت کہتے ہیں ۔

قوت فطری کی تہذیب حکمت ہے ۔

قوت غضبی کی تہذیب شجاعت ہے ۔

قوت شہوی کی تہذیب عصمت کہلاتی ہے ۔

عدم : نیست و نابود ہونے کو کہتے ہیں۔ نیز اعیان ثابتہ جو کہ حق تعالیٰ کے علم میں تو موجود ہیں مگر خارجاً معدوم ہیں ۔ اس کی تین اقسام ہیں

(۱) عدم محض ، اس کو ممتنع الوجود بھی کہتے ہیں جیسے شریک باری۔

(۲) دوسرا عدم اضافی ، اس سے مراد اعیان ثابتہ یعنی صور علمیہ ہیں۔

(۳) تیسرا عدم العدم ، اس سے مراد ذات پاک ہے کیونکہ عدم کا عدم اثبات ہے اور حقیقت میں اثبات اور وجود بجز ذات حق کے کسی شے کا نہیں ہے ۔

عدم العدم : مرتبہء احدیت کو کہتے ہیں کیونکہ عدم کا عدم اثبات ہے یعنی بجز وجود کے حقایق کے کوئی موجود نہیں۔ اس مرتبہ کو عین الکافور بھی کہتے ہیں اس لئے کہ جیسے چشمہ کافور کی نہایت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا ہے ویسے اس مرتبہ کی نہایت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا اسی واسطے ارشاد ہے ''نہ تفکر کرو تم اللہ کی ذات میں اور تفکر کرو تم صفات اور اسماء اللہ میں'' ۔

عدم صرف : محض عشق مجازی بلا شمول عشق حقیقی اور بلا اشتیاق دید حق تعالیٰ ایسے عشق میں گمان شائبہ ہوس پرستی ہے ۔

اسے عدم صرف اس بناء پر کہتے ہیں کہ ممکنات عدم محض ہیں اور ان میں سرگشتگی تضیع اوقات ہے ۔

عرش : ا. سب سے اونچا آسمان جو تمام افلاک معنویہ وصوریہ کا احاطہ کئے ہوئے ہے ۔ اس آسمان کی سطح مکانیت رحمانیہ ہے ۔ اس آسمان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ۔ باطن عالم قدس ہے جو اسما و صفات کا عالم ہے ۔ ظاہر عالم اُنس ہے جو تشبیہ و تجسیم وتصویر کا محل ہے۔ جب مطلقاً عرش کہا جاتا ہے تو اس سے مراد آسمان اور جب صفات کے ساتھ اسے مقید کیا جاتا ہے تو کثیب کہتے ہیں ۔

عرش المجید سے عالم قدس مراد ہوتا ہے جو مرتبہ رحمانیت ہے ۔

عرش العظیم سے حقائق ذاتیہ اور مقتضیات نفسانیہ مراد ہوتے ہیں ۔

۲. عرش ایک ایسا جسم ہے جو تمام اجسام کو محیط ہے اور عرش نام رکھا گیا ہے بسبب بلندی کے یا تشبیہ دیا گیا ساتھ سریر ملک کو کہ ملک پر قایم ہے یعنی ملائکہ اٹھائے ہوئے ہیں اور وقت حکمرانی نزول احکام قضا و قدر کی اس جگہ سے ہوتا ہے اور کہا گیا ہے جائے استواء اسماء مقید ہے۔

عرض : اُس کو کہتے ہیں جو قائم بالذات نہ ہو قیام اُس کا بوسیلہ جوہر ہو۔ جیسے : رنگ اور کپڑا ، کپڑا جوہر ہے اور رنگ عرض اسکے افراد نو ہیں ۔

ا. اوّل کیف یعنی کیفیت باعتبار اپنی ذات کے نہ مقتضی قسمت نہ عدم قسمت ہے اگر چہ باعتبار نہ بیعت محل قسمت اور عدم قسمت قبول کرتی ہے جیسا کہ سواد اور بیاض اور حرارت اور برودت وغیرہ۔ جب یہ کسی جسم میں عارض ہوتی ہیں منقسم ہوتی ہیں اور جب نقطہ میں عارض ہوتی ہیں منقسم نہیں ہوتے اور یہ کیفیت دو قسم پر ہے ، جسمانی جیسے کہ مذکور ہوئی ، نفسانی جو نفس ناطقہ کو عارض ہوتی ہے جیسا کہ علم اور جہل

اور جود اور بخل وغیرہ۔

۲۔ دوسرے کم جو ایک عرض ہے کہ جسکا تعقل تعقل غیر پر موقوف نہیں اور وہ باعتبار ذات قسمت پذیر ہے۔ اسکی یہی دو قسمیں ہیں۔ منفصل اور متصل منفصل وہ کہ جسمیں اجزائی متمائزالوجود بالفعل موجود ہوں جیسا کہ عدد مرکب ہے احاد سے احاد و اوسمیں علیٰحدہ علیٰحدہ موجود ہیں۔ متصل وہ جو قابل تقسیم ہو لیکن اجزاء متمائزالوجود بالفعل موجود نہ ہوں۔

۳۔ تیسرے این وہ ایک ہئیت ہے کہ جو عارض ہوتی ہے جسم کو بسبب اُس کی مکان میں ہونے کے۔

۴۔ چوتھے متیٰ وہ ایک ہئیت ہے جو جسم کو عارض ہوتی ہے بہ سبب اس کی زمان میں ہونے کے۔

۵۔ پانچویں اضافت یہ ایک نسبت ہے درمیان دو چیزوں کے جیسا کہ وصف الںبوۃ کہ نسبت ہے درمیان اب اور ابن کے۔

۶۔ چھٹے وضع وہ ایک ہئیت ہے کہ جو حاصل ہوتی ہے ایک چیز میں باعتبار نسبت اس چیز کے امور داخلی اور خارجی کیطرف۔

۷۔ ساتویں فعل جو ایک ہئیت کو حاصل ہوتی ہے فاعل میں بطریق تجدد بہ سبب تاثیر فاعل کے شے منفعل میں جیسا کہ ایک ہئیت ہے جو حاصل ہوتی ہے آرہ کش میں وقت آرہ کشی کے۔

۸۔ آٹھویں انفعال وہ بھی ایک ہئیت ہے جو حاصل ہوتی ہے شے منفعل میں برطریق تجدد تاثیر فاعل کے جیسا کہ ایک ہئیت ہے جو حاصل ہوتی چوب میں وقت آرہ کشی کے۔

۹۔ نویں ملک وہ ایک ہئیت ہے جو حاصل ہوتی ہے جسم میں بسبب احاطہ امور خارجی کے جسم کو خواہ وہ جمیع اجزاء کو محیط ہو یا بعض اجزاء کو جیسے کہ آدمی کو عمامہ باندھنے سے ایک کیفیت حاصل ہوتی ہے۔

عروج: عالم اجسام سے احدیت تک پہنچنے کو کہتے ہیں جو اصل ہے جیسا کہ ارشاد ہے (کل شئی یرجع الیٰ اصلہ) ''ہر شے راجع ہوتی ہے اپنی اصل کی طرف'' یعنی سالک اپنے جسم کو محو کرنے سے عالم مثال میں اور عالم مثال کو محو کرنے سے عالم ارواح میں اور عالم ارواح کو محو کرنے سے عالم اعیان میں اور عالم اعیان کو کم کرنے سے وحدت میں اور وحدت کو کم کرنے سے احدیت میں پہنچتا ہے، اور اسی طرح نزول بھی ہوتا ہے۔

عروج و نزول: ذات کا تعین اول یعنی مرتبہ وحدت میں ظہور فرمانا اور وحدت سے واحدیت میں اور واحدیت سے عالم ارواح میں اور عالم ارواح سے عالم مثال میں اور عالم مثال سے عالم اجسام میں ظہور فرمانا نزول کہلاتا ہے۔

کیونکہ وہ ذات مرتبہ احدیت صرفہ سے اپنی مختلف شانوں اور گونا گوں صفات میں تنزل فرما رہی ہے اور سالک کا عالم اجسام سے ذات صرف کی طرف ترقی کرنا عروج کہلاتا ہے اس طرح پر کہ سالک اپنے جسم کو محو کر کے عالم مثال میں اور اپنے جسم مثالی کو محو کر کے عالم ارواح میں اور عالم ارواح کو محو کر کے عالم اعیان یعنی مرتبہ واحدیت میں اور اعیان کو محو کر کے مرتبہ وحدت یعنی حقیقت محمدیہ ﷺ میں اور اس میں فنا ہوکر مرتبہ احدیت میں پہنچتا ہے یہی اس کی ترقی اور کمال عروج ہے۔

عزلت: گوشہ نشینی اور ماسوائے اللہ سے قطع تعلق اور خلق کے میل جول سے علیحدگی اور گوشہ نشینی اختیار کرنا۔

عشرت: سالک کیلئے لذت جذبات عشق الٰہی کا محسوس کرنا اور اس سے لطف اٹھانا عشرت ہے۔

عشق و محبت: محبت ایک کشش مقناطیسی ہے جو کسی کو کسی کی جانب کھینچتی ہے۔ کسی میں حسن وخوبی کی ایک جھلک کا دیکھ لینا اور اس کی جانب طبیعت کا مائل ہو جانا، دل میں رغبت طلب وتمنا اور بے چینی اس کے فراق سے ایذا پانا، وصال سے سیر نہ ہونا، اس کی رضا میں اپنی رضا اس کی ہستی میں اپنی ہستی کو گم کر دینا عشق و محبت کے کرشمے ہیں۔ ذی روح ہستیوں میں اس کشش کا نام محبت ہو جاتا ہے۔ محبت ارفع و اعلیٰ شان میں نمایاں ہوتی ہے تو اسے عشق کہتے ہیں جو محبت کا انتہائی مرتبہ ہے۔

عشق انسان ہی کے لیے مختص ہے یہ انسان کامل کی شان ہے۔ محبت ایک فطری اور طبعی جذبہ ہے۔ محبّ ومحبوب میں ہمیشہ کچھ مناسبتیں ہوا کرتی ہیں۔ حق تعالیٰ اور بندہ کے درمیان جو محبت ہوتی ہے اس کا انحصار بھی مناسبت ذاتی پر ہونا لازمی ہے۔

کبھی عشق سے مرتبہ وحدت یعنی حقیقت محمدیہ ﷺ مراد لیتے ہیں اور

کبھی ذات بحت یعنی مرتبہ احدیت مراد لیتے ہیں ۔
اکابر اولیاء کرام رحمتہ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ عشق دریا ناپیدا کنار ہے اس کے بیان سے زبان عاجز اس کے ادراک سے عقل قاصر ہے ۔ حدیث شریف میں آیا ہے العشق ھواللہ حضرت بندہ نواز گیسودراز علیہ رحمۃ فرماتے ہیں ۔ عشق و عاشق و معشوق ایک ہی چیز کا نام ہے یعنی وہی عاشق وہی عشق وہی معشوق ہے ۔ اس کو صاحب حال ہی خوب جان سکتے ہیں ۔
مبتدیان اہل سلوک کے سمجھانے کی غرض سے صاحب حال کاملین بزرگوں نے اپنی اصطلاحات میں اس کا بیان کر دیا ہے اور جس پر جیسی گزری ہے اس کے مطابق لفظوں میں اس کا بیان کیا ہے ۔
بعض نے عشق کو لفظ نار سے تعبیر کیا ہے بعض نے لفظ درد سے الغرض یہ جو کچھ ہوا ہے اور ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا یہ سب اس عشق کے ہی کرشمے ہیں ۔
حدیث قدسی ہے (ترجمہ: میں ایک مخفی خزانہ ہوں پس میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں اس لئے میں نے مخلوق کو پیدا کیا) ، حب مفرط اور کشش معشوق اور حب معشوق اور مرتبہ وحدت کو کہتے ہیں یعنی حق تعالیٰ نے اپنی حب ذاتی سے اولاً عشق کو پیدا کیا جس کو حقیقت محمدی ﷺ سے تعبیر کرتے ہیں کہ حق نے اپنے تعین کو دوست رکھا جیسے کہ حدیث قدسی میں ہے کہ حق تعالیٰ کا علم محبوب حق تعالیٰ کا ہے اگر حب علم نہ ہوتا تو ذات کا ظہور نہ ہوتا اسی واسطے مرتبہ عشق سب مرتبوں سے افضل ہے ۔ بعضوں کا قول ہے العشق ھوالذات ''عشق وہی ذات ہے'' اس مرتبہ کو علم مجمل بھی کہتے ہیں واضح ہو کہ عشق مشتق ہے عشقیہ سے اور عشقیہ اُس گھاس کو کہتے ہیں جو درخت پر لپٹتی ہے اور درخت کو بے ثمر اور زرد و خشک کر دیتی ہے اسی طرح عشق بھی درخت وجود عاشق کو تجلی جمال معشوق میں محو کر دیتا ہے تاکہ تفرقہ عاشق و معشوق باقی نہ رہے ۔
عشق انتہائی درجہ محبت کا نام ہے ۔ کوئی چیز مرتبہ میں اعلیٰ عشق سے مخلوق نہیں ہوئی اور کلام مجید میں والذین امنو اشد حبا اللہ ''اور وہ لوگ ایمان لائے سخت تر ہیں محبت میں اللہ کے لیے'' سے مراد عشق ہی ہے ۔

یہ خود بخود ہوتا ہے اختیار سے نہیں ہوتا ۔
اس کے پانچ درجہ ہیں ۔
درجۂ اول فقدان دل یعنی دل کا گم کرنا ۔ جو شخص گم کردہ قلب نہ ہو عاشق نہ ہوگا اس لئے کہ جو شخص دل سے خبر رکھے گا یا دل رکھے گا وہ عاشق نہیں ، عاشق کو بے دل ہونا چاہئے ۔
درجۂ دوم تاسف ہے وہ یہ ہے کہ جس میں عاشق بیدل بغیر معشوق کے ہر وقت اپنی زندگی سے متاسف ہوتا رہے ۔
درجۂ سوم وجد ہے اور یہ عجب قسم کا حال ہے جو تحریر و تقریر میں نہیں آ سکتا اور اس کی وجہ سے عاشق کو کسی جگہ اور کسی وقت آرام اور قرار نصیب ہی نہیں ہوتا ۔
درجۂ چہارم بے صبری ہے ۔ اس درجہ میں عاشق طاقت سے طاق اور جان عاشق سوختہ اشتیاق ہوتی ہے ۔ آتش شوق ایسی جوش زن ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ رات اور دن شور مچاتا رہتا ہے ۔
درجۂ پنجم صیانت ہے ۔ عاشق اس درجہ میں پہنچ کر دیوانہ ہو جاتا ہے بجز معشوق کے اور کسی کی یاد نہیں ہوتی ۔
عشق کی دو قسمیں ہیں ، مجازی اور حقیقی ، حقیقی خدا کا عشق ہے ۔
مجازی کی دو قسمیں ہیں ، نفسانی و حیوانی ۔
نفسانی باعث لطافت و صفائی نفس ہوتی ہے جس کی وجہ سے عاشق صاحب وجد اور محزون و رقیق القلب و صاحب فکر و گویا ہو جاتا ہے اور تعلقات دنیا سے بالکل منقطع ہو جاتا ہے اور یہی مجاز ہے جو عمدہ ترین نعمت اور محبت خداوندی ہے اور اس کی خاصیت ہے کہ یہ عاشق کو سوائے معشوق کے دوسری طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا ۔
اس میں درحقیقت عاشق کی توجہ معشوق حقیقی پر ہوتی ہے جو صورت میں آ کر جلوہ نمائی کرتا ہے ۔
سلوک میں سوائے اس عشق کے دوسری چیز مطلوب پر فائز کرنے والی نہیں اس لئے کہ عاشق اس عشق سے تمام کائنات سے بے نیاز ہو جاتا ہے ۔
عشق حیوانی باعث امارگی کا ہوتا ہے اور امارگی نفس پرستی اور شہوت لاتی ہے ۔ یہی فسق ہے ورنہ فرق مجازی اور حقیقی میں اعتباری ہے مجازی ہی سے حقیقی بھی حاصل ہوتا ہے ۔ باقی حق یہ ہے کہ عشق شرح

و بیان میں آ ہی نہیں سکتا۔
محل عشق جب محبت کی انتہائی اکمل صورت عشق ہے تو عشق کامل سب سے زیادہ ارفع و اعلیٰ اکمل و مکمل حق تعالیٰ کی ذات کے سوا کون ہو سکتا ہے اس عظیم الشان کائنات میں جو حسن و جمال جھلک رہا ہے سب اسی جمال کا پرتو ہے۔
عشق کی صوفیانہ تعریف یہ ہے کہ جب وجود حقیقی ایک ہے اور کائنات جو کچھ ہے سب اسی کی کسی نہ کسی صفت کا پرتو ہے جمیل حقیقی کا اجملاً اور تفصیلاً اپنے کمال کی جانب میلان ہے۔
۱۔ اقرب جمال ذات کا شہود۔
۲۔ اوسط جمال ذات کا مشاہدہ افعال میں کیا جائے۔
۳۔ اقصی جمال ذات کا مشاہدہ آثار میں کیا جائے (اس باب عشق و محبت کی مزید تفصیل سردلبراں میں دیکھیے صفحہ ۲۵۴ تا ۲۶۷ اور غور کریں)۔
عشوہ : تجلی جمالی کا نام عشوہ ہے۔ اس تجلی کو عشوہ کہتے ہیں جو کبھی کبھی ہو۔ خفیف جذبہ، احوال کا کبھی صادر ہونا اور کبھی نہ صادر ہونا۔
عصمت : ادراک کے باب میں اعتدال کی اقسام میں قوت شہوت کی تہذیب کو عصمت کہتے ہیں۔
عقاب : سے مراد قلم اعلیٰ یعنی عقل اول یعنی تعین اول ہے اور کبھی اس سے مراد نفس ناطقہ بھی لیتے ہیں، عقل عالم تمیز کو بھی کہتے ہیں۔
عقبیٰ : حجاب اعمال صالحہ جو کہ مشاہدہ ذات بحت میں حائل ہوں۔
عقل : عالم تمیز۔ قوت امتیازی کو کہتے ہیں۔
عقل اوّل : علم الٰہی کی شکل کا وجود میں محل، علم الٰہی کا نور جو قلم اعلیٰ کے ذریعہ سے لوح محفوظ کی طرف نازل ہوا۔ یہ لوح اس کے تعین و تنزل کا محل ہے۔ علم الٰہی ام الکتاب ہے۔
عقل اوّل امام مبین ہے نون وہ قضایاء جو علم الٰہی کی داوات میں مخفی ہیں جس طرح کہ حروف داوات میں مخفی ہوتے ہیں عقل اوّل میں وہ اسرار الٰہیہ جو لوح محفوظ میں نہیں سما سکتے اور علم الٰہی میں وہ کچھ ہے جس کا محل عقل اوّل نہیں بن سکتی۔
عقل کل : تعین اول یعنی حقیقت نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جو مظہر اول ہے خارج میں۔
نیز جبرائیل اور عرش اعظم کو بھی عقل کل کہتے ہیں لیکن افضل پہلا قول ہے۔
بدیع اسمائے الٰہی ارباب ہے مربوب عقل کل ہے۔
عقل کلی : ایک مدرکہ نور یہ ہے جس سے ان علوم کی صورتیں جو عقل اوّل میں موجود ہیں ظاہر کرتی ہیں۔ عقل کلی امر فعلی کے لیے عدل کی ترازو ہے جس کے دو پلے ہیں۔ حکمت اور قدرت دو طرفین ہیں ایک اقتضاء ات الٰہیہ دوسری قوابل طبعیہ۔ اس کی دو شوکتیں ہیں ایک ارادہ الٰہیہ اور دوسری مقتضیات خلقیہ۔ عقل کلی کو قسطاس مستقیم بھی کہتے ہیں۔ کیوں کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتی اور اس سے کوئی چیز فوت نہیں ہوتی برعکس عقل معاش کے جو کبھی ظلم کرتی ہے اور اس سے بہت سی چیزیں فوت ہو جاتی ہیں کیوں کہ عقل معاش کی عقل کلی موجودات سے متجاوز نہیں ہوتی۔
عقل معاش : اس نور کا نام ہے جو قانون فکری میں وزن کیا گیا ہے اس کا ادراک بغیر آلہ فکر کے نہیں ہو سکتا، عقل معاش کی ایک ہی کسوٹی ہے جسے فکر کہتے ہیں۔ اس کا ایک ہی پلہ ہے جسے عادت کہتے ہیں، اس کی ایک ہی طرف ہے جو معلوم ہے، اس کی ایک ہی شوکت ہے جسے طبیعت کہتے ہیں، ترازو ایک ہی پلہ رکھتی ہے۔ عقل معاش کا قیاس اس چیز پر نہیں کیا جا سکتا جو کھرے کھوٹے میں تمیز کرنے کی کسوٹی ہو بلکہ اسے حرص کے پورا کرنے کے آلہ پر قیاس کرنا چاہیے۔
عقل اول کو یوں سمجھنا چاہیے جیسے کہ آفتاب۔ عقل کلی مثل اس پانی کے ہے جس میں آفتاب کا نور پڑتا ہے۔
عقل معاش کی مثال ایسی ہے جیسے اس منور پانی کی شعاعیں کسی دیوار پر پڑتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ جن علوم کو نازل فرماتا ہے سوائے عقل اول کے کسی دوسرے کی طرف نازل نہیں فرماتا نور ایمان کے بغیر عقل یعنی عقل معاش خدا کو نہیں پہچان سکتی۔ یوں تو عقل بھی معرفت کے اسباب میں سے شمار کی گئی ہے مگر اہل اللہ کے لیے وہ معرفت مطلوبہ نہیں۔
جس طرح حس معقولات کے ادراک سے عاجز ہے اسی طرح عقل معاش مکشوفات کے ادراک سے عاجز ہے۔ عقل معاش والا گویا ان شعاعوں کا دیکھنے والا ہے جو آب منور سے دیوار پر پھینکی گئی ہوں۔ ایسا

شخص آفتاب کی صورت کی طرف یا آفتاب کی صورت کو نہیں پہچانتا نہ اس نور کو جانتا ہے جس سے پانی منور ہے نہ ان شعاعوں سے واقف ہے۔

عکس : اعیان ثابتہ کو عکس کہتے ہیں جو وجود کا عکس ہے، وجود عالم ہے اور علم آئنہ اور معلوم یعنی اعیان عکس، یعنی حق نے اپنے وجود کے علم کے ساتھ جان لیا تھا کہ میں صلاحیت رکھتا ہوں کہ متجلی اور ظاہر ہوں پس یہ علم باعتبار اجمال مرتبہ وحدت ہے اور باعتبار تفصیل مرتبہ واحدیت ہے جس میں تفصیل وار صور علمیہ ثابت ہیں۔

علت : تنبیہہ حق کو کہتے ہیں جو بندہ کے واسطے ہے خواہ وہ کسی سبب سے ہو یا نہ ہو۔

علف : نفسانی خواہشات اور ہر وہ امور جس سے نفس محظوظ و مسرور ہو۔

علم : کسی چیز کو کماحقہ جاننے کا نام علم ہے۔ حیات جس طرح ذات کے اقرب اوصاف میں سے ہے اسی طرح علم بھی حیات کے اقرب اوصاف میں سے ہے۔ ہر زندہ کسی نہ کسی علم کو ضرور جانتا ہے۔

وہ علم خواہ الہامی ہو جیسے کہ حیوانات وغیرہ کو ہوتا ہے۔ خواہ بدیہی استدلالی یا تصدیقی ہو جیسے کہ فرشتوں اور جنات کا علم۔

علم الیقین : یقین کے تین مرتبہ ہیں، علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین پہلا مرتبہ علم الیقین ایک شئے کا جاننا کمال تیقن کے ساتھ مع اس کی کیفیت اور ماہیت کے بغیر دیکھے ہوئے مثلاً اس بات کا علم اور یقین کہ آگ جلاتی ہے اور اس میں قوت جلانے کی ہے

دوسرا مرتبہ عین الیقین ہے۔ یہ بہ نسبت علم الیقین کے قوی ہے یعنی اپنی آنکھ سے آگ جلاتے ہوئے دیکھنا۔

تیسرا مرتبہ حق الیقین ہے یعنی کسی شخص کا داخل ہونا کسی چیز میں مثلاً آگ میں کود پڑنا اور جل جانا یا اُس شخص کا محو ہو جانا اُس چیز میں اور بعضے کہتے ہیں کہ علم الیقین اعیان ثابتہ کو اور عین الیقین وحدت کو اور حق الیقین احدیت کو کہتے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ سالک کا جاننا اس بات کو کہ حق اپنی وحدانیت کے ساتھ موجود ہے اور اس میں سالک کو کسی قسم کا شبہ نہ واقع ہونا یہ مرتبہ علم الیقین کا ہے اور پھر اس کا حجاب صفات اور اسماء اور افعال اور آثار کے ساتھ مشاہدہ کرنا اسی کو عین الیقین کہتے ہیں اور پھر اُسی سالک کا سلوک کرنا اور حق میں فنا ہونا اسی کو حق الیقین کہتے ہیں۔

علم حصولی : جو علم کہ انسان کو بذریعہ امور خارجی حاصل ہو جیسے کہ اپنے غیر کا علم۔

علم حضوری : وہ علم جو بلا ذریعہ خارجی حاصل ہو جسے اپنی ذات اور صفات کا علم۔

علم لدنی : وہ علم عرفان اور حقایق ہے جو انبیاء علیہم السلام کو بلا واسطہ اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے جس کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام جملہ کائنات کی حقیقت سے آگاہ ہوتے ہیں اور ذات و صفات کے اسرار ان پر منکشف ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ کو بوسیلہ انبیاء کے حاصل ہوتا ہے۔ جملہ اولیاء اللہ نور نبوت سے تربیت پاکر علم لدنی حاصل کرتے ہیں جس سے رموز معرفت اور اسرار حقیقت ان پر منکشف ہو جاتے ہیں۔

عماء : لغت میں باریک ابر کو کہتے ہیں جو حائل ہوتا ہے درمیان آسمان اور زمین کے اور اصطلاح صوفیا میں مرتبہ واحدیت کو کہتے ہیں اس لئے کہ وہ مانند ابر کے درمیان ذات اور مخلوق کے حائل ہے۔

اور بعض صوفیائے کرام مرتبہ احدیت کو عماء کہتے ہیں اور یہ حدیث دلیل میں پیش کرتے ہیں سئل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم این کان ربنا قبل ان یخلق الخلق فقال فی عماء یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ عماء میں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ذات قبل از ظہور عالم مرتبہ خفا یعنی مرتبہ احدیت میں تھی اور اس مرتبہ احدیت کو کوئی پہچان ہی نہیں سکتا۔

۲. عماء سے مراد حقیقت الحقایق بھی ہے جو موصوف بالحقیہ والخلقیہ نہیں ہوتی اور یہ مرتبہ ذاتی ہے بوجہ اپنی عدم اضافت کے کسی اسم یا وصف کا مقتضی نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب ہے یعنی نہ

حق ہے اور نہ خلق تو عماء مقابل ہوا احدیت کے۔ پس جس طرح احدیت میں اسماء و اوصاف مضمحل ہوتے ہیں اور کسی چیز کا ظہور اس میں نہیں ہے اسی طرح عماء میں بھی کسی چیز کا ظہور نہیں۔

عماء اور احدیت میں فرق یہ ہے کہ احدیت حکم ذات کو ذات میں ہونے کو کہتے ہیں بمقتضائے علو وغنا اس سے مراد ظہور ذاتی احدی ہے۔ عماء کہتے ہیں حکم ذات کو بمقتضائے اطلاق نہ اس سے علو دونو سمجھی جاتی ہے اور نہ اس پر غنا کا اطلاق ہوسکتا ہے یہی بطون ذاتی عمائی ہے یعنی احدیت میں فی الجملہ وجود کے موجودیت مبرہن ہے اور عماء میں نفس انانیت پوشیدہ ہے اور اس کی دو نسبتیں ذاتی ہیں ایک احدیت دوسری واحدیت۔

عماء کے لغوی معنی ابر رقیق کے ہیں جس طرح ابر کا ایک رخ آسمان کی طرف اور دوسرا رخ زمین کی طرف ہوتا ہے اسی طرح عماء کا ایک وجہ سماء احدیت کی جانب ہے اور دوسرا وجہ ارض واحدیت کی جانب۔

۳. عماء نفس رحمانی جو مثل سانس کے باہر کی جانب پراگندہ کیا گیا ہے اور جو تعین و تجلی ثانی ہے مثل اس ابر رقیق کے ہے جو قرص آفتاب کو پوشیدہ کر دیتا ہے۔ آفتاب وجود حقیقی کو عماء نے ظہور سے مخفی رکھا اور مرتبہ کون میں لا کر تو اتنا مخفی کر دیا کہ ظاہر کو اپنے باطن کی خبر نہ رہی۔

عمد: اقلیم ابدال کے باب میں رجال اللہ ظاہر میں یا مستورین کی بارہ اقسام (۱۲) ہے ان میں ۱۰ نمبر پر عمد ہے یہ چار ہیں۔ نام ان کا محمد ہے زوایائے ارض میں رہتے ہیں۔

عمد معنویہ: وہ شئے ہے جس کے ذریعہ سے زمین و آسمان قائم ہے اور جملہ نظام عالم اس پر موقوف ہے اس آیۃ پاک میں اس طرف اشارہ ہے اللّٰہ الذی رفع السموات بغیر عمدترو نہا یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ایسے عمد پر قائم کیا ہے جس کو تم نہیں دیکھ سکتے۔ وہ عمد کیا ہے وہ روح اور قلب اور نفس عالم کا ہے اور یہی حقیقت انسان کامل کی ہے۔ جس کو بجز خدا کوئی نہیں جانتا، ''میرے اولیاء (دوست) میرے دامن کے نیچے ہیں نہیں پہچانتا ہے ان لوگوں کو سوائے میرے''۔

عمر: ظہور حیات نیز سالک کے دل میں تجلیات صفاتی روشن ہونے کو کہتے ہیں اور کبھی حقیقت روحی کو بھی عمر کہتے ہیں نیز ظہور حیات۔

عناصر: تعینات کو عناصر کہتے ہیں اور عنصر اعظم تعین اول یعنی حقیقت محمدیہ ﷺ ہے اس لئے کہ جملہ حقائق اسی سے بنی ہیں۔ بعض صوفیائے کرام شوق کو عنصر آتش اور حرکت شوق یعنی شوق کی جنبش اور صدور کو عنصر ہوا اور لذت شوق سے جو مادہ منی خارج ہو کر عورت کے رحم میں جاتا ہے اس کو عنصر آب اور عورت کی منی کو جو رحم میں اس سے ملتی ہے عنصر خاک کہتے ہیں۔

عنصر: آتش اور آب اور خاک اور باد کو کہتے ہیں جن کو امہات سفلی بھی کہتے ہیں واضح ہو کہ ظہور عنصر آتش کا اسم قابض سے ہے اور باد کا اسم حی سے اور آب کا اسم محی سے اور خاک کا اسم ممیت سے ہے۔

عنقا: ہیولےٰ کو کہتے ہیں جیسے کہ عنقا دکھائی نہیں دیتا ہے ویسے ہیولےٰ بھی بلا صورت کے دکھائی نہیں دیتا ہے اور ہیولائے مطلقہ کہ جو مشترک ہے تمامی اجسام میں اس کو عنصر اعظم کہتے ہیں۔

عندلیب: اس سے مراد عارف ہے جو ہمیشہ ذکر و فکر میں رہے اور بعض عاشق کو مراد لیتے ہیں۔

عوالم اللبس: ۱. لباس تعینات کو کہتے ہیں کیونکہ ذات کا ظہور ان تعینات کے لباس میں ہوا ہے۔

۲. جمیع مراتب تحتانیہ کو کہتے ہیں جو مرتبہ ناسوت تک ہیں کیونکہ ذات مقدس حقانی نازل ہوتی ہے اُن مراتب کے تعینات کے ساتھ مرتبہ حِسیہ تک اور متصف ہوتی ہے ساتھ صفات جبروتیہ اور ملکوتیہ اور ناسوتیہ کے پس متلبس ہوئی ذات ان مراتب کے ساتھ۔

حضرت شیخ اکبر فتوحات میں لکھتے ہیں کہ لباس اس کو کہتے ہیں کہ سمائے جسم کو اور خبر دی اللہ تعالیٰ نے کہ سما لیا ہے اس کو قلب مومن نے لہٰذا متلبس ہوا حق قلب مومن سے۔ ان معانی میں عوالم اللبس سے قلوب المومنین مراد ہوسکتی ہے کہ ہر ایک جداگانہ عالم ہے جیسا کہ کہا گیا الطرق الی اللّٰہ بعد وانفاس الخلائق ''یعنی طرق الی اللہ اتنے ہیں جتنی انفاس خلایق کے ہیں''۔

عید: تجلیات جمالی سالک کے دل پر اعادہ اعمال سے جو تجلیات وارد ہوتی ہیں وہ اس کے واسطے عید ہے اور اسے انتہائی انبساط بخشتی ہے۔

عیش : دوام حضوری جو سالک کا عیش ہے ۔
عین : سالک کا اپنی ہستی وخودی مٹا کر ذات حق میں محو ہونا اور باقی باللہ ہو جانا عین کہلاتا ہے اس لئے کہ وہ صفات سے گذر کر عین ذات ہو گیا اور وصال کی لذت لینا ۔
عین ثابت : آئینہ، عالم جو علم الٰہی میں قبل تخلیق عالم موجود تھا اور اب بھی ہے اور آئندہ بھی موجود رہے گا ۔ وہ حقیقت جو کہ علم الٰہی میں موجود مگر خارج میں معدوم ہے ۔
عین الحیوۃ : پرتو اور ظل حیات حق کو کہتے ہیں جو روح ہے ۔
عین الشئی : ذات حق سبحانہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہی ذات جملہ موجودات کی حقیقت ہے اور سب کی عین ہے ۔
عین اللہ وعین العالم : وہ انسان کامل ہے جو متحقق ہے حقیقت برزخ کبریٰ میں سے واصل اور اس کے عین ہے ادھر جملہ کائنات عالم کے مثال اور اس کے عین ہے اللہ پاک اس حقیقت کے وسیلے سے تمام عالمان پر رحمت فرماتا ہے اور یہ حقیقت وجود حضرت نبی کریم ﷺ کا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (ترجمہ : اگر نہ پیدا کرتا تجھ کو اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم البتہ نہ پیدا کرتا میں افلاک کو) ۔
عین الجمع : مقام جمع یعنی شہودِ حق بلا خلق ۔
عین الیقین : جب مشاہدہ میں کوئی بات آ جاتی ہے تو وہ عین الیقین کی حد تک پہنچ جاتی ہے یعنی مقام وحدت ۔
عین کافور : کافور میں کافوری قہر و غلبہ کی وجہ سے دوسری کسی چیز کو تحقیق نہیں اور جو چیز اس میں چلی جاتی ہے وہ اسی کی صفت اختیار کر لیتی ہے اس مرتبہ میں بھی یہی ہوتا ہے ۔
عینیت : ۱. یگانگی اور یگانہ ہونے کو کہتے ہیں۔ یہ دو طرح پر ہے، لغوی اور اصطلاحی، لغوی یہ ہے کہ دو چیزیں باہم ایک ہوں جیسے کہ آب اور موج اور بحر اس قسم کی عینیت ذات اور صفات عبد و رب میں جائز ہے ۔
۲. دوسری عینیت اصطلاحی ہے جیسے کہ شخص اور عکس، حرف اور سیاہی، واحد اور عشر، شخص اور عکس کے لئے آئینہ کا ہونا ضروری ہے یہ عینیت بھی ذات اور صفات میں جائز ہے یعنی عالم شخص ہے اور معلوم عکس اور علم آئینہ پس وجود اور احدیت اور شئے اور ذات کو شخص کہتے ہیں اور کمالات اور صفات اور معلوم اور صورت ہائے ذات اور احدیت کا عکس نام رکھتی ہیں اور وحدت کو جو برزخ کبریٰ اور حقیقت محمدی ﷺ ہے علم اور آئینہ کہتے ہیں ۔
۳. صوفیا کے یہاں عینیت و غیریت کے سلسلے میں بیان ہے ۔ عینیت کے کئی معنی ہیں۔ (۱) حقیقت میں بھی ایک ہونا اور مفہوم کا بھی ایک ہونا ۔ جیسے کہا جاتا ہے ۔ عین الشئی نفسہ اور انسان عین انسان ہے۔ (۲) حقیقت اور مفہوم ایک ہو۔ لیکن الفاظ میں غیریت ہو جیسے ذات حق عین صفات حق ہے اور واجب عین وجوب اور محدود عین حد ہے۔ (۳) وجود میں ایک ہونا اس معنی کی بنا پر مطلق اور مقید و مظہر ایک دوسرے کے عین ہیں ۔ الغرض جملہ موجودات بنظر حقیقت عین ذات حق سبحانہ ہیں اور باعتبارات رسوم و صفات و افعال ایک دوسرے کے غیر ہیں چنانچہ غیریت کے بیان میں ذکر ہوتا ہے غیریت کی آٹھ قسمیں ہیں ۔ اضافی۔ مجازی۔ اعتباری۔ نسبتی۔ وہمی۔ خیالی۔ حقیقی اصلاحی۔ حقیقی لغوی ۔

غ

غارت : وہ جذبہ الٰہی ہے جو سالک کے دل پر بلاواسطہ کسب و مجاہدہ وارد ہوتا ہے اور اس کے دل پر محیط ہو جاتا ہے اگر چہ اوامر اور اعمال اس پر جاری ہوں ۔
اور بعض تجلی جلالی اور فناء کامل کو کہتے ہیں۔
غبغب : ذات حق کا لطف قہر آمیز جو سالک کو چاہ نورانی صفات سے چاہ ظلماتی ذات میں ڈھکیل دیا جاتا ہے ۔
غراب : ۱. بکسر غین۔ اس کے معنی کوہ کے ہیں۔ یہ اشارہ ہے جسم کلی سے بسبب غایت بُعد کے حضرت احدیت سے بسبب خالی ہونے جسم کلی کے (ادراک نورانیت سے رکھا جاتا ہے اس کا غراب جو مثل ہے دوری اور سیاہی میں) ۔

۲. حقیقت جسمیہ کو کہتے ہیں ۔ اس لئے کہ وہ حضرت احدیت اور نورانیت قدس سے بہت دور ہے اور کثیف ہے ۔

غربت : طلب مقصود کو کہتے ہیں ۔غربت میں مفارقت وطن کے صدمہ کو کہتے ہیں اور بعض اس سے مجبوری اور گرفتاری و بُعد از مبدا مراد لیتے ہیں۔ ترک وطن کرنا یعنی اس عالم میں رہ کر اسے ترک کرنا اور طلب حق میں مشغول رہنا غربت ہے ۔''پس چلو اس کے کندھوں پر اور کھاؤ روزی اپنے سے''۔

غرق : سالک کا مشاہدہ ذات حق میں محو اور مستغرق ہو جانا اور اپنی ہستی کو بالکل فراموش کر دینا ۔

غلبہ : وہ حالت مغلوبی جس میں سالک کے لیے سبب کا ملاحظہ اور ادب کی رعایت ناممکن ہو ۔

غشاوہ : کفر اور گناہوں کی سیاہی کا پردہ ہے جو آئینہ دل اور چشم بصیرت پر چھا جاتا ہے اور مانع ہدایت ہوتا ہے ۔(سورۃ البقرہ آیت ۔ ۲)۔

غفلت : وہ ہے جس کی وجہ سے انسان صحیح اور سچی بات اور سیدھے راستہ کو نہیں پہچان سکتا ۔

غم : قید اور اندوہ اور محنت و طلب معشوق میں جو محنت اور تفکرات لاحق ہوتے ہیں وہ غم ہے ۔

غمخوار / غمخواری : ذات حق کی صفت رحیمی جو خصوصیت کے ساتھ ہے جو صفت رحمانی کی طرح عام نہیں ہے جملہ مخلوق کے واسطے بلکہ یہ خاص ہے بعض سالک بندگان کے لئے ۔

غم کدہ : مقام غم کو کہتے ہیں جس سے قلب عاشق مراد ہے یہ مستورین اور مجوبین کا مقام ہے ۔

غمزہ : اس کے کئی معنی ہیں (۱) ذات کی وہ آنی تجلی جو وارد ہوتے ہی فوراً مخفی ہو جائے ۔

(۲) جذبہ عالم باطن اور فیض باطنی کو بھی غمزہ کہتے ہیں ۔اس سے سالک کا شوق تیز ہوتا ہے ۔

(۳) اور بعض خوف و رجاء کو بھی غمزہ کہتے ہیں ۔

غمزۂ چشم : جذبہ باطن کے عالم کو کہتے ہیں تا کہ دل طالب باصفا کا متغیر نہ ہو اور طلب میں استوار ہو اور یہ بشریت کو فنا کر دے ۔
نیز آنکھوں کی بے شمار اداؤں میں سے ایک خاص ادا سے آنکھوں کو کھولنے اور بند کرنا ۔ چشم کا بند کرنا عدم التفات اور کھولنا دلسوزی ۔

غمگسار / غمگساری : اثر صفت رحمانی جو عام ہے جملہ موجودات کے واسطے، عموم اور شمول رکھتی ہے۔

غنچہ : گل ناشگفتہ یعنی حقیقت عالم قبل تخلیق عالم مراد ہے ۔

غنی : وہ ہے جو کسی بات میں کسی کا محتاج نہ ہو بلکہ سب اس کے محتاج ہوں اور وہ سب سے بے نیاز ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی بجز ذات حق سبحانہ کے کسی میں نہیں ہو سکتے ۔
لہذا حقیقی اور اصلی غنی تو خدائے تعالیٰ ہے ۔لیکن اس کے بندوں میں سے غنی وہ بندہ ہے جس نے اسے پہچان لیا اور ماسوائے اللہ سے مستغنی ہو گیا ، غنی عن العالمین ۔

غوث : اپنے زمانہ میں ساری دنیا میں ایک ہوتا ہے اور اپنے وقت کے جملہ اولیاء اللہ پر حاکم اور سب سے اعلیٰ و افضل ہوتا ہے ۔ سارا نظام عالم ظاہر و باطن اس کے تصرف میں ہوتا ہے ۔
ہژدہ ہزار عالم پر اس کی حکومت ہوتی ہے۔ غوث ظاہر و باطن میں قدم بقدم حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا عامل ہوتا ہے۔
قطب الاقطاب بھی غوث ہی کو کہتے ہیں ۔ قطب و غوث ایک ہی شئے ہے باعتبار حاجت روائی خلق کے غوث کا نام ہے اور باعتبار قرب ذات حق کے قطب نام ہے ۔

غیب : باطن کو کہتے ہیں نیز ہر وہ چیز جو خدا اپنے بندوں سے پوشیدہ رکھے ۔غیب کی دو قسمیں ہیں ۔
۱. غیب مفصل انسان کے علم میں آ کر غیب وجودی کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے یہ مثل عالم ملکوت کے ہے۔
۲. غیب مجمل کو غیب عدمی بھی کہتے۔ ہیں وہ مثل ان عوالم کے۔ جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا ۔ چنانچہ وہ غیب ہمارے نزدیک بمنزلہ عدم کے ہے ۔

غیب اول : باطن کو کہتے ہیں ، یہ مرتبہ وحدت ہے ۔

غیب الغیوب : غیب مطلق۔ غیب ہویت۔ ذات بحت باعتبار لاتعین جس کو لابشرط شیئ بھی کہتے ہیں۔ یہ مرتبہ جملہ مراتب معقولہ سے بالاتر ہے۔ سرذات جس کو عقل ادراک نہیں کر سکتی حق معرفتک ماعرفت اسی طرف اشارہ ہے، مرتبہ احدیت اور غیب المصؤن کو کہتے ہیں۔

غیب مطلق / غیب ھویت : ا۔ھویت ذات خالص کو کہتے ہیں جس میں اسم و رسم ونعت و وصف تک کو دخل نہ ہو۔

غیب اس لیے ہے کہ اس مرتبہ میں ذات کا شعور محال ہے۔

۲. ذات غائب اور غیب مطلق اور مرتبہ احدیت کو کہتے ہیں جس میں سوائے حق کے اور کسی کو ادراک اور یافت اور شعور نہ ہو۔ اور اس کو لا بشرط شیئ بھی کہتے ہیں۔

غیب مکنون / غیب مصؤن : مرتبہ وراء الوراء اور ہستی صرف اور گنج مخفی کو کہتے ہیں یہ ایک سرّ اور کنہ ذاتی ہے کہ سوائے حق کے اور کوئی اس کو پہچان نہیں سکتا ہے۔ یہ اغیار سے محفوظ اور مصؤن اور عقول و ابصار سے پوشیدہ ومکنون ہے، سر ذات اور کنہ ذات ہے جس کو عقل ادراک نہیں کر سکتی۔

وہ سرّ ذاتی اور کنہِ الٰہی جسے بجز ذات حق کے کوئی نہیں جانتا اس لیے اغیار سے وہ مصؤن اور عقل اور بصر سے مکنون ہے۔

غیبت : جملہ ماسوائے اللہ بلکہ اپنی خودی اور آپے سے بھی گم ہونا اور ذات کے حضور میں رہنا اور دل کا گم ہونا، احوال مجاز یہ خلق سے بلکہ نفس کے حال سے بھی بوجہ قلب میں درد وحق کے گم ہونا۔

غیبت وحضور : اپنے نفس سے اور خلق سے غائب اور حضور حق میں حاضر رہنا کبھی مقام کثرت کو اور کبھی اللہ سے محجوب اور خلق کے سامنے حاضر ہونے کو غیبت اور اس کے برعکس کو حضور کہتے ہیں اور کبھی اس کے برخلاف بھی دونوں لفظ استعمال ہوتے ہیں۔

غیر : ذات کے ہر مرتبہ ظہور پر لفظ غیر بولا جاتا ہے۔

الغرض ماسوائے اللہ کو غیر کہتے ہیں۔

عالم کون اس کے دو اقسام ہیں۔

ا۔ عالم لطیف مثل روح عقل اور نفس کے ہیں۔

۲۔ عالم کثیف مثل عرش و کرسی و فلک، خاک و آب و باد و آتش، نباتات، جمادات، حیوانات وغیرہم کے ہے اس مرتبہ کو ماسوی اللہ اور کائنات بھی کہتے ہیں۔

اغیرت : اسرار الٰہی کا پوشیدہ رکھنا۔ یہ دو طرح پر ہے۔ ایک غیرت حق کے بسبب تعدی حدود کے، دوسری غیرت بسبب کتمان اسرار اور سرائر کے۔۲.شرم کرنا۔ یہ دو طرح پر ہے ایک خلق سے دوسرے حق سے۔غیرت از خلق یہ ہے کہ بندہ اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو اور کسی کی حق تلفی نہ کرے اور حد سے تجاوز نہ کرے۔

غیرت از حق یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے اسرار و سرائر کو مخفی رکھے اور اس کے مقبولین اور اولیاء کا ادب کرے۔

غیریت : کی آٹھ قسمیں ہیں۔ اضافی۔ مجازی۔ اعتباری۔نسبتی۔ وہمی۔ خیالی۔ حقیقی۔ اصطلاحی۔ حقیقی۔

غیریت عالم کون کو بھی کہتے ہیں یہ دو طرح پر ہے، ایک عالم لطیف جیسے کہ ارواح اور عقول اور نفوس، دوسری عالم کثیف جیسے کہ عرش اور کرسی اور فلک اور ملک اور خاک اور آب اور باد اور آتش اور نبات اور حیوان اور جماد وغیرہ اس مرتبہ کو ماسواء اللہ اور کائنات کہتے ہیں۔

غیریت اضافی : یعنی وجود اضافی کی وجہ سے ذات حق اور جملہ موجودات میں غیریت ہے کیونکہ جملہ موجودات کا وجود مستقل اور ذاتی نہیں ہے بلکہ ان کا وجود ذات حق کے ساتھ قائم ہے اور ذات حق کا وجود حقیقی ہے قائم بالذات ہے۔

اس نسبت اور اضافت کی رو سے رب اور عبد میں غیریت اضافی ہے ورنہ حقیقت میں ایک ہی وجود ہے۔

غیریت اعتباری : یہ ہے کہ حقائق ممکنات اور حقائق اسماء کو اپنے علم میں متعین فرمایا ہے۔

غیریت حقیقی اصطلاحی: یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے تفصیل صفات اور تفصیل اعیان فرمائی۔ اور حقائق الٰہی وحقائق کیانی بنائیں اور تمام حقائق کو متمائز کیا، اسی وجہ سے جملہ حقائق ایک دوسرے سے ممتاز اور غیر ہیں۔ خواہ ہم جانیں یا نہ جانیں اس سے مذہب سوفسطائیہ کا رد ہوتا ہے وہ

کہتے ہیں کہ حقائق عالم کا امتیاز ہمارے امتیاز کرنے پر موقوف ہے ورنہ نہیں، اگر ہم آگ کو آگ سمجھیں تو آگ ہے ورنہ نہیں۔
صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حقائق اشیاء آپس میں نفس الامر ہیں ممتاز اور متغائر ہیں، ہم جانیں یا نہ جانیں یہ امتیاز اور غیریت حق تعالیٰ کی قائم کی ہوئی ہے اور نفس الامری ہے۔
اسی کو غیریت حقیقی لغوی کہتے ہیں یہ غیریت لغوی حقیقی اور غیریت حقیقی اصطلاحی مابین عبد اور رب کے نہیں ہوسکتی۔ یہ تو ممکنات میں آپس میں ہے کیونکہ کوئی اللہ کی ضد نہیں ہے۔
واضح رہے کہ یہ مسئلہ عینیت اور غیریت کا نہایت مشکل ہے۔ بلا تربیت نور نبوت اور صحبت اولیاء سمجھ میں نہیں آسکتا۔
اسی وجہ سے عقول قاصرہ کبھی من کل الوجوہ جملہ کائنات کو عین ذات کہتے ہیں اور جب آثار غیریت کا خیال کرتے ہیں تو من کل الوجوہ غیر خدا کہتے ہیں اور حیران و پریشان رہتے ہیں۔
عقول سلیمہ جن کو نور نبوت کی تربیت حاصل ہے خوب جانتے ہیں کہ حقیقت میں جملہ کائنات عین ذات ہیں اور ان اعتبارات (جن کا اوپر بیان ہوا) سے غیریت ہے اور جملہ نظام عالم اور احکام شریعت انہی اقسام غیریت پر مبنی ہیں۔ من کل الوجوہ عبد اور رب کو عین نہ سمجھنا اور ظاہر مراتب تنزلات نہ کرنا الحاد ہے اور من کل الوجوہ عبد اور رب کو غیر سمجھنا کفر ہے اور حقیقت میں عین سمجھنا اور مراتب تنزلات کو قائم رکھنا حقیقی اسلام ہے۔
غیریت خیالی: یہ ہے کہ حق تعالیٰ جملہ صفات و اسماء و اعیان ثابتہ و ممکنات کو اپنے خیال میں لایا اور ان صور خیالیہ کو اپنے حسن و جمال کا آئینہ بنایا اس سے خیالی غیریت ظاہر ہوئی۔
غیریت مجازی: یہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے علم میں جملہ صفات کو اپنا مظہر مقرر فرمایا ہے۔
غیریت نسبتی: یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے صفات کو اپنی ذات سے نسبت دی ہے کہ بلا اس کی ذات کی نسبت کے کوئی شے موجود نہیں ہوسکی۔ اس نسبت کو نسبت وجودی اور نسبت حقیقی کہتے۔ ہیں اس نسبت سے بھی ذات حق اور صفات حق میں ایک غیریت ہے۔

غیریت وہمی: یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے تمام ممکنات کو اپنے تصور میں متصور فرمایا۔
اس تصور سے ایک وہمی غیریت ظاہر ہوئی۔
غین: ۱۔ایک بھول و غفلت کا حجاب ہے جو تصفیہ قلب اور نور تجلی سے دور ہو جاتا ہے بخلاف حجاب رین کے کیونکہ وہ سخت حجاب ہے جو بندہ کو کفر تک پہنچا دیتا ہے اور کسی طرح دور نہیں ہوتا۔۲۔حجاب رقیق جو بسبب تصفیہ قلب کے کھل جاتا ہے اور وہ نور تجلی سے زائل ہوتا ہے اور اس حجاب کے ساتھ ایمان باقی رہتا ہے بخلاف اس کے کہ وہ محض کثیف ہوتا ہے اور درمیان قلب اور ایمان بالحق کے حائل ہوتا ہے اور درجہ کفر تک پہنچاتا ہے۔

ف

فاتحۃ الوجود: انسان، انسان ہی کے ذریعہ حق تعالیٰ نے جملہ موجودات کے قفل کھولے ہیں۔انسان کو فاتحۃ الکتاب اور سبعہ مثانی بھی کہتے ہیں، بوجہ ان سات صفات نفسیہ کے جو حق و عبد میں منقسم ہیں۔
یعنی۔ ۱۔ حیات۔ ۲۔ علم۔ ۳۔ ارادہ۔ ۴۔ قدرت۔ ۵۔ سمع۔ ۶۔ بصر۔ ۷۔ کلام انسان باعتبار ظاہر کے خلق اور باعتبار باطن کے حق ہے۔
وجود کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہر اور دوسری باطن چنانچہ فاتحہ سے بالذات ہیکل انسانی کی جانب اشارہ ہے۔
فاعل: انسان خلافتہ فاعل ہے۔ فاعل حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے، انسان اس کا خلیفہ ہے اسی لیے اسے اللہ کے افعال پر فاعل بنایا گیا ہے۔
فانی: وہ سالک ہے جو اپنی ہستی کو مٹا کر دریائے وحدت یعنی حق میں غرق ہو جائے اور اس کی ہستی بے نام ونشان ہو جائے۔
فتح فی النفس/فتح فی الروح: فتح فی النفس میں علم تام عقلاً ونقلاً حاصل ہوتا ہے۔
فتح فی الروح میں وجدان سے علم حاصل ہوتا ہے۔ اس میں عقل ونقل

سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔
فتح قریب : ا. اس چیز کو کہتے ہیں جو مفتوح ہوتی ہے سالک کے مقام قلب سے وقت قطع منازل کے اور اس چیز سے مراد صفات کمالات میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔
۲. سالک کی منزلیں طے کرنے کے ایام میں کمالات و صفات مقام قلب کا ظاہر و منکشف ہونا فتح قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک (نصرٌ من اللّٰہ و فتح قریب) میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔
فتح مبین : سالک کا مقامِ ولایت میں پہنچنا اور اس پر اسماءِ الٰہیہ کی تجلیات انوار جن سے قلب روشن ہوتا ہے اور مقام قلب کے کمالات ظاہر ہوتے ہیں کا وارد ہونا۔ اس آیت پاک (انّا فتحنالک فتحاً مُبینا) میں اس کی طرف اشارہ ہے۔
یہ فتح قریب سے اعلیٰ ہے اور فتح مبین سے مراد یہ ہے کہ اعیان ثابتہ کے مشاہدہ میں سر وحدت کھل جائے اور غربت مرتفع ہو جائے اور اس میں اگلے پچھلے گناہ سب محو ہو جاتے ہیں کیونکہ گناہ کی بنیاد غیریت ہے تو جب غیریت نہ رہی تو گناہ بھی نہ رہا۔
فتح مطلق : سالک پر تجلی ذاتِ احدیت کا منکشف ہونا یہ فتحِ مطلق سب سے اعلیٰ فتح ہے۔ یہاں پہنچ کر سلوک تمام ہو جاتا ہے اور سالک جملہ رسوم و اعتبارات غیریت سے پاک ہوکر عین ذات ہو جاتا ہے اور پھر مستغرق فی الذات ہوکر ہر آن اعلیٰ سے اعلیٰ اور ارفع سے ارفع ذاتِ احدیت میں برابر عروج و ترقی کرتا رہتا ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے اسی وجہ سے عالم حیرت طاری ہوتا ہے اللہ بس باقی ہوس رزقنااللّٰہ ولکم آمین ثم آمین۔ اس آیۂ پاک (واذاجاء نصراللّٰہ والفتح) میں اس کی طرف اشارہ ہے، مدد اللہ سے ہے اور فتح قریب ہے۔
فترت/فترہ : ا. مبتدی سالک کی حرارتِ قلب کا ٹھنڈا ہو جانا یعنی کسی وجہ سے سالک کی طلب اور شوق میں کمی ہوجانا یا بالکل شوق و طلب کا زائل ہو جانا۔
۲. سالک جب واصل ہو جاتا ہے تو تپش طلب مرتفع ہو جاتی ہے۔
فتق : ا. کشادگی کو کہتے ہیں یہ مقابل رتق کا ہے۔ رتق ذات کے مرتبہٗ جمال کو کہتے ہیں وہ احدیت یا وحدت ہے اور فتق ذات کے مرتبہٗ تفصیل اسماءِ صفات کو کہتے ہیں۔
وہ مرتبہٗ واحدیت ہے۔ نیز ذات کے ہر مرتبہٗ ظہور اور شیونات کو فتق کہتے ہیں خواہ ظہورِ ذات کے مرتبہٗ داخلی میں ہو جیسے تفصیل اسماء و صفات حقائق اسمائیہ و حقائق کیانیہ مرتبہٗ واحدیت میں، خواہ مراتب خارجی میں ہو جیسے عالمِ ارواح، عالم مثال، عالم اجسام وغیرہ۔
۲. ظہور حقائق، باطن کا ظاہر ہونا، ظہور اسمائی۔
فتوت : ایثارِ نفس، ایثارِ جان، ایثارِ خلق، دنیا و آخرت میں یہ عبادت ہے (ترجمہ: اور ایثار کرتے ہیں وہی لوگ اپنی ذاتوں پر اگرچہ ہو ان لوگوں کو بھوک)۔
فتوح : کامیابی کے دروازہ کا کھلنا (ویؤثرون علیٰ انفسھم ولوکان بھم خصاصہ)۔
پہلی فتوح عبادت ہے جس کے بغیر مرتبہ اسلام کا حصول محال ہے۔ "یَشرح صَدرَہٗ لِلاِسلام" (سورۃ الانعام آیت ۔۱۲۵)۔
دوسری فتوح حلاوت باطنی ہے جو کہ مرتبہ ایمانی ہے۔
تیسری فتوح حصول مرتبہ مکاشفہ ہے جو کہ مرتبہ احسان ہے۔
اللہ تعالیٰ کی جناب سے بندہ کو ظاہری و باطنی نعمتوں کا عطا ہونا جیسے رزق مکاشفہ وعلم معرفت وغیرہ۔
فتوح کی چار قسمیں ہیں۔ ایک فتوحاتِ دنیاوی جیسے رزق و مال و اولاد وغیرہ۔
دوسرے فتوح عبادتِ ظاہری۔ یعنی بندہ عباداتِ ظاہری میں استقامت و مضبوطی کے ساتھ پیروی شریعت و پیران سلاسل کرے۔
اس سے مرتبہ اسلام کا حاصل ہوتا ہے۔
تیسرے فتوح باطن میں عبادت کی حلاوت پانا۔ اس سے درجہ ایمان حاصل ہوتا ہے۔
چوتھے فتوح مکاشفہ، وہ علم باطنی جس سے مرتبہ احسان حاصل ہوتا ہے۔
آخر کے تینوں فتوح کو فتوحاتِ دینی کہتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک (شرح اللّٰہ صدرہ للاسلام) میں فتوح عبادت ظاہری کی طرف اشارہ ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول (وجدبھن حلاوۃ الایمان) میں فتوح عبادت باطنی کی طرف کنایہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے اس قول (فصل کانک تراہ) سے فتوح علم باطنی و مکاشفہ اشارہ ہے ۔

اس کے علاوہ فتوح باطنی کی تین قسمیں ہیں ۔ ا ۔ فتح قریب ۔ ۲ ۔ فتح مبین۔۳۔ مطلق ۔

فتوح حلاوت : باطن میں درجہ ایمان کی حلاوت حاصل ہونے کو کہتے ہیں ۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے (پایا بسبب اس کی حلاوت ایمان کو) ۔ وجد بھن حلاوت الایمان ۔

فتوح عبادت : حصول مرتبہ ایمان کو کہتے ہیں جس سے اشارہ حق تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے (بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے اسلام پر)۔ (افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام)۔

فتوح مکاشفہ : مرتبہ احسان کے حصول کو کہتے ہیں جو عبارت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول سے (عبادت کر تو اللہ کی گویا تو اس کو دیکھتا ہے) ۔ (عبد اللہ لانک تراہ) اور اسی کو مشاہدہ کہتے ہیں ۔

فراست : دلوں کی باتوں یا لوگوں کے حالات پر اللہ کے نور سے آگاہ ہونا۔ فراست اللہ کا نور ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، ڈرو تم مومن کی فراست سے۔ کیوں کہ وہ دیکھتا ہے اللہ کے نور سے۔ یہی فراست ہے جو حدس سے پیدا ہوتی ہے حدس اسلام کا زینہ ہے ۔

فراق : ا ۔ انسان کا اصلی وطن عالم بطون ہے یعنی جب انسان عالم ظہور میں آتا ہے تو اپنے اصلی وطن سے اُسے فراق ہو جاتا ہے ، جب وہ عالم بطون میں واپس جاتا ہے تو یہ اس کا وصال ہوتا ہے ، یہ وصال کامل طور پر اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ مرگِ صوری نصیب نہ ہو اور روح جسم سے مفارقت کلی نہ اختیار کرے ۔

۲ فراق وہ بُعد اور دوری ہے جو مرتبہء وحدت سے عالم اجسام تک ہے یعنی مرتبہء واحدیت عالم ارواح۔ عالم مثال ، عالم اجسام سالک جب تک ان مراتب نزول کو طے نہیں کرتا فراق میں رہتا ہے اور ان مراتب کے طے کرنے کے بعد ذاتِ احدیت کے عین ہو جاتا ہے ، وہ وصال ہے ۔

فرد : نفس کلی طبعی کو کہتے ہیں بنظر خصوصیت جزئیات کے کیونکہ موجود مطلق کلی کے لئے افراد اور جزئیات کا ہونا ضرور ہے بخلاف مطلق موجود کے کہ وہ وجود حقیقی خارجی واحد ہے اور واجب یعنی حق موجود فی الخارج واحد متعین بتعین حقیقی ہے اس کے فرد اور حصے ہونا ممکن نہیں ۔

نیز یہ ایک مرتبہ ہے مفردان مراتب اولیاء اللہ میں سے، یہ اس ولی کو کہتے ہیں جو بے واسطہ قطب الاقطاب کے جناب الٰہی سے فیض یاب ہو۔ فرد المحبوب اس کو کہتے ہیں جو مرتبہ محبوبیت پر فائز ہو اور فرد الافراد جس میں تجرید و تفرید غالب ہو ۔

فرزندِ صلبی / فرزندِ قلبی / فرزندِ حقیقی : فرزندی کی نسبت تین اقسام کی ہوتی ہیں ۔

ا ۔ فرزند صلبی یا جسمانی اولاد، یہ نسبت ہر بیٹے کو اپنے باپ سے حاصل ہے۔

۲ ۔ فرزند قلبی وہ ہے جو اپنے کو حسن ارشاد سے اپنے مرشد کے دل کے تابع کر کے اسے متبوع کے دل کی طرح بنا لے ایسا شخص اپنے شیخ کا فرزند قلبی ہوتا ہے۔ اِسے فرزند معنوی یا اولاد معنوی بھی کہتے ہیں۔

۳۔ فرزند حقیقی وہ مطیع و فرمانبردار سالک جو حسن متابعت شیخ کی برکت سے کمال انتہائی یعنی فرق بعد الجمع پر پہنچ کر نسبت تامہ پیدا کرے اور تابع اور متبوع ایک ہو جائیں ۔ یہ وہ نسبت ہے جو سالک کو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل ہوگی ۔

فرق : مشاہدۂ خلق بلاحق اور بعض کہتے ہیں کہ مشاہدۂ عبودیت کا نام فرق ہے اور بعضوں نے صفتِ حیات کو اور بعض نے صفتِ ممات کو فرق کہا ہے ۔

فرقِ اول : حق کا پوشیدہ اور خلق کا ظاہر ہونا ۔

سالک پر ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ کا محبوب ہونا اس وجہ سے کہ سالک کی نظر میں اعتبارات غیریت ابھی باقی ہیں۔ نیز اس کو فرق بعد الجمع بھی کہتے ہیں ۔

فرق الجمع : وحدت کی تکثیر کو کہتے ہیں ۔ سالک کا یہ مشاہدہ کرنا کہ وہ ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے مظاہر اور شیونات میں ظہور فرما رہی ہے

اور جملہ کائنات کا وجود اسی ذاتِ حق سے ہے۔

فرق الوصف: ذاتِ احدیت کا باعتبار اپنے اوصاف کے واحدیت میں ظہور اعتباری (جس میں تفصیل صفات شروع ہوتی ہے) میں جلوہ گر ہونا۔

فرق بین الکمال والشرف والنقص والحسنہ: ا۔کمال سالک کا یہ ہے کہ اس کو اسماءِ الٰہیہ اور صفات الٰہیہ میں فنائیت حاصل ہو اور حقائق کونیہ اس کو حاصل ہوں۔ لہٰذا جس میں صفاتِ حق اور حقائق کونیہ زیادہ ہوں گی اتنا ہی وہ افضل و اعلیٰ ہوگا اور جس میں جتنی کم ہونگی ویسا ہی ناقص و کم درجہ کا ہوگا اور مرتبہ خلافت الٰہیہ سے دور ہوگا۔ کمال کا مقابل نقص ہے۔

شرف یہ ہے کہ جو وسائط درمیان حق اور خلق کے ہیں وہ مرتفع ہو جائیں یعنی وہ حجابات اور اعتبارات غیریت جن کی وجہ سے خلق کو حق سے بُعد ہے اٹھ جائیں۔ لہٰذا جس کے حجابات سب مرتفع ہوں گے وہ اشرف الخلوقات ہو گا اور جس کے حجابات وسائط جتنے زیادہ ہوں گے اتنا ہی وہ خسیس یعنی ادنیٰ درجہ کا کہلائے گا۔

۲. وہ یہ ہے کہ کمال عبارت ہے حصول جمعیت الٰہیہ اور حقائق کونیہ سے انسان میں پس جبکہ جمعیت الٰہیہ اور حقائق کونیہ انسان میں زیادہ ہونگی اور ظہور حق کا اس جمعیت اور حقائق کے ساتھ اس میں اتم ہو گا تو انسان کامل تر ہوگا مرتبہ میں اور اگر انسان حقائق اور جمعیت میں قلیل تر ہو گا تو مرتبہ اس کا ناقص تر ہو گا اور مرتبہ خلافت الٰہیہ سے بعید تر اور شرف یہ ہے کہ وسائط جو درمیان شئے اور اس کی موجد کے ہیں وہ مرتفع ہو جائیں یا قلیل ہوں۔

پس جب وسائط درمیان حق اور خلق کے اقل اور احکام وجوب کے احکام امکان پر اغلب ہو نگے تو وہ خلق اشرف ہو گی اور اگر وسائط زیادہ ہونگے تو وہ خلق بھی احسن ہو گی۔ اسی وسائط پر فضلیت اور عدم فضلیت انسان کی ملائکہ پر قیاس کر لینا چاہیے۔

فرق بین المتخلق والمتحقق: متخلق وہ سالک ہے جو معصیات اور صفاتِ رذیلہ سے بچے اور عبادات و مجاہدات سے اپنے اندر صفاتِ حمیدہ پیدا کر کے متخلق باخلاق اللہ و متصف باوصاف اللہ ہو جائے اور اس سے آثار اسماءِ آلہیہ ظاہر ہوں۔

متحقق وہ سالک ہے جو پہلے اسماءِ الٰہیہ کی فنائیت حاصل کر کے اپنی صفات رذیلہ کو زائل کرے اور صفاتِ حمیدہ سے متصف ہو جائے اور اس سے آثار اسماءِ الٰہیہ ظاہر ہوں۔

فرقِ ثانی: حق سے خلق کی جانب واپس آنا۔ سالک کا یہ مشاہدہ کرنا کہ جملہ کائنات اور تمام موجودات ذاتِ حق کے ساتھ قائم ہیں۔ وحدت کو کثرت میں اور کثرت کو وحدت میں دیکھنا۔ یہ ایک دوسرے کے لیے حجاب نہ ہو۔

فرق مع الجمع: سالک کا نورِ بصیرت سے رب کو عین عبد اور عبد کو عین رب دیکھنا۔ لیکن رب کو رب۔ عبد کو عبد کہنا۔

فرقان: فرقان سے مراد ذات کا علم تفصیلی جس میں جملہ حقائق ایک دوسرے سے ممتاز ہوتی ہیں۔ اور قرآن سے مراد علم اجمالی ہے۔

فروختن و گرو کردن: وجود کو حوالہ تقدیر کر کے سالک کا اپنے اجتہاد اور تدبیر کو ترک کرنا، جدوجہد و تدابیر سے دست بردار ہو جانا اور تسلیم و رضا اختیار کرنا۔

فریاد: سے مراد ذکر جہر ہے۔

فریب: استدراج الٰہی کو کہتے ہیں جو امر خلاف عادت غیر ولی و نبی سے صادر ہو۔

فصل: ا۔عبد اور رب میں امتیاز اور اعتبارات غیریت قائم ہونا، دونوں کا فصل اور جدائی ہے۔

محویت و فنائے اتحادی کے بعد شعور ذاتی کا پیدا ہونا۔

۲.تفرقہ اور تمیز کو کہتے ہیں جو بعد اتحاد وارد ہو۔

فطور: حق سے خلق کو الگ اور متمیز جاننا۔

فغان: سالک کا اپنے باطنی احوال اور جذباتِ شوق کو بے چین ہو کر ظاہر کرنا۔ مرادف فریاد کا ہے۔

فقدان: سالک کے سہو اور بھول کا نام ہے، مراد اس سے محویت کاملہ ہے۔

فقر: سالک کا تمام مراتب نزول و عروج کو طے کر کے ذاتِ حق سبحانہٗ تعالیٰ میں فانی ہوجانا اور دونوں عالم سے بے نیاز ہو جانا، فقر ہے۔

اسی وجہ سے بزرگوں نے فرمایا ہے۔ اَلفقر سوادالوجه فی الدّارین (ترجمہ: دونوں عالم میں سوادالوجہ ہوجانا فقر ہے)۔
سوادالوجہ سے سوادِاعظم یعنی ذاتِ صرف مراد ہے یعنی دونوں عالم کے علائق سے پاک ہوکر ذاتِ احدیت صرفہ میں محو ہو جانا گویا قطرہ کا عین دریا ہو جانا اور عبد کا عین رب ہو جانا۔ قول اذاتم الفقر فهوالله یعنی جب فقر تمام ہوا وہ اللہ کی ذات ہے۔ اسی طرف اشارہ ہے۔
فقیر: فقیر وہ ہے جس کو یہ فقر حاصل ہو۔ چونکہ فقیر اپنے وجودِ اضافی کو فنا کرچکتا ہے اور ذاتِ حق کا عین ہو جاتا ہے اس لیے تمام خواہشات و حاجات سے مبرّا ہو جاتا ہے کیونکہ ارادے اور حاجات سب اسی وجودِاضافی کے ساتھ ہیں۔
فقیر کا بہت بالا مرتبہ ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے الفقر فخری و الفقیر منی۔ یعنی فقر میرا فخر ہے اور فقیر مجھ میں سے ہے۔
حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کے قول (الفقیر لا یفتقر الی نفسه ولا الی غیره) ترجمہ (فقیر کسی کا محتاج نہیں ہوتا نہ اپنا نہ غیر کا) میں اسی طرف اشارہ ہے۔
فقیری: عدم اختیار جس میں علم وعمل مسلوب یعنی سلب ہو جائیں۔
فکر: تصورِ عقلی سے مقصودِ اصلی کی طرف بڑھنا اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی نعمتوں اور مصنوعات میں غور کرنا فکر ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے لاتفکروا فی ذات الله و تفکروا فی صفات الله و فی نعمانه۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات اور نعمتوں میں فکر کرو اور اس کی ذات میں فکر نہ کرو اس لیے کہ ذات حق سبحانہ فکر سے بالاتر ہے۔
فکر تو اپنی اصلاح کے لیے ہے۔ اسی وجہ سے بزرگ فرماتے ہیں کہ متفکر کا جلیس اس کا نفس ہے اور ذاکر کا جلیس حق سبحانہ ہے اور ذکر محبت و معرفت کا نتیجہ ہے اور مقدمہ وصول الیٰ اللہ کا ہے۔ اور فکر مقدمہ توبہ کا ہے۔ فکر کی چار قسم ہیں۔
(۱) سالک یہ غور کرے کہ خلافِ شرع اور معصیت کے امور کون سے ہیں تاکہ اُن سے اپنے نفس کو روکے اور احکام شریعت کی پابندی کرے۔
(۲) سالک یہ غور کرے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور احسانات لاتعداد ہیں ان کی پوری پوری ادائیگی اور شکر سے بندہ عاجز ہے لہٰذا ہمیشہ مصروفِ عبادت رہے اور ہمیشہ شکر بجا لاتا رہے اور ناشکری کبھی نہ کرے خواہ اس پر کیسی ہی تکلیف اور مصیبت ہو۔
(۳) سالک یہ غور کرے جو کچھ ازل میں مقرر ہو چکا ہے وہی ظہور میں آئے گا۔ لہٰذا صابر وشاکر رہے۔
(۴) سالک اس صانع مطلق کی نیرنگیوں اور اس کی صنعت و حکمت میں غور کرے تاکہ اس کی صنعت و حکمت اس پر ظاہر ہو۔ بعض صوفیائے کرام فکر سے مراقبہ بھی مراد لیتے ہیں۔
ذکر منبع فکر ہے اور فکر منبع ذکر۔
فکر ایک نور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فکرِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اسمائے حُسنیٰ، ہادی و رشید کے نور سے پیدا کیا اور اُس پر اسم مبدی اور اسم معید کی تجلی فرمائی پھر باعث اور شہید کی نگاہ سے اس پر نظر کی پھر اس سے تمام آسمانوں اور زمینوں کے ملائکہ کی ارواح کو پیدا کیا۔
فلک: فلک اطلس، فلک بروج، زحل، زہرہ، شمس، عطارد، مریخ، مشتری اس کے علاوہ دیگر افلاک کی بابت ایک نقشہ (نقشہ ارباب و مربوبات میں تفصیل دیکھیں اسمائے الٰہی (ارباب) اسمائے کونی (مربوبات) حروف ملفوظی منازل قمر کے اندراج کے بعد تفصیل درج ہے جو انتہائی معلوماتی ہے)۔
فنا: یعنی زوال، تفرقہ و تمیز درمیان قدم اور حدوث کے، کیونکہ بصیرت روح کی متجذب مشاہدہ ذاتی میں ہوتی ہے اور نور عقل کہ اس میں فارق ہوتا ہے بوجہ استلاء اور غلبۂ نور ذات کے اس میں مخفی اور مستتر ہو جاتا ہے اس حالت میں جو کچھ کہ سالک سے قولاً فعلاً یا عملاً صادر ہوتا ہے وہ حق سے ہوتا ہے اور اسی مرتبہ پر پہنچ کر بایزید بسطامی نے سبحانی اور منصور نے انا الحق کہا تھا۔
فنا فی الرسول: سالک کا وجود باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محو ہونا اس کا زینہ فنا فی الشیخ ہے۔ یہ دوسرا درجہ ہے۔
فنا فی الشیخ: سالک کا مرشد کی پیروی میں منہمک ہونا اپنی ہستی وخودی کو

مرشد کی ہستی میں فنا کر دینا یہ پہلا درجہ ہے اس کا زینہ محبت اور اتباع شیخ ہے۔
فنا فی اللہ : سالک کا جملہ مراتب صفات و مدارج عروج و نزول طے کر کے ذاتِ حق سبحانہ میں محو ہو جانا۔ اس کا زینہ فنا فی الرسول ہے۔ یہ تیسرا درجہ سب سے اعلیٰ ہے۔
فنا و بقا : سالک کا اپنی ہستی اور وجودِ اضافی کو فنا کر کے وجودِ حقیقی ذاتِ حق سبحانہ کے ساتھ بقا حاصل کرنا۔ بقا باللہ ہو جانا ہے۔ یعنی نورِ بصیرت سے اپنے وجود اضافی کو عدم محض جاننا فنا ہے اور صرف ذاتِ حق سبحانہ (جو وجود حقیقی ہے) کو موجود جاننا بقا ہے ۔
فنائے افعالی : اپنے افعال اور خلق کے افعال کو افعال حق میں فنا کر دینا۔
فنائے صفاتی : اپنی صفات کو اور خلق کی صفات کو صفات حق میں فنا کر دینا۔
فنائے ذاتی : اپنی ذات کو اور خلق کی ذات کو ذاتِ حق میں فنا کر دینا۔
بقا/بقاباللہ وہ بقا جو فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے ، اور جو فنائے صفاتی کے بعد بقا حاصل ہوتی ہے اُسے قرب نوافل کہتے ہیں ۔ اور فنائے ذاتی کے بعد جو بقا حاصل ہوتی ہے اُسے قربِ فرائض کہتے ہیں ۔ یعنی بندے کی ذات کا خدا کی ذات میں گم ہو جانا ۔
فنائیت : عدم شعور کو کہتے ہیں ۔ یعنی اپنی خودی کا ہوش نہ رہنا ، اس ہوش نہ رہنے کا بھی ہوش نہ رہے تو اسے فناء الفناء کہتے ہیں ۔
فوائد : حق سبحانہ تعالیٰ کا مخلوق میں سے کسی کو اپنا ہمراز بنا لینا جیسے حدیثِ قدسی ہے۔ الانسان سری و انا سرہ ۔ یعنی انسان میرا بھید ہے اور میں اس کا بھید ہوں۔ تمام کائنات میں سے حق تعالیٰ نے حضرت انسان کو اپنا ہمراز بنایا ہے اسی لیے یہ اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ ہے۔
فہم زلف : سالک پر راز پنہاں اور اسرار کا منکشف ہونا۔
فہوانیہ : سالک سے عالم مثال میں اللہ تعالیٰ کا خطاب فرمانا۔
فیض : عنایت الٰہی و جذبۂ باطنی کا نام ہے۔
فیضِ اقدس : اس ذات بے چون بے چگون کا اپنی تجلی ذاتی سے اعیانِ ثابتہ کو اپنے علم میں مقرر فرمانا فیض اقدس ہے کیونکہ ذات مخفی کا فیضانِ ظہور یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ حدیث قدسی : کُنتُ كنزاً مخفیًا فاحببتُ أن أعرف فخلقتُ الخلق.
فیضِ مقدس : اس خالقِ بے مثال کا تجلیات اسمائی کے موافق ان اعیانِ ثابتہ کو وجودِ خارجی میں ظاہر فرمانا۔

ق

قاب قوسین او ادنیٰ : ۱. جہاں سے احدیت اور واحدیت کی قوسین میں امتیاز پیدا ہوتا ہے یہ غایت ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معراج و شہود و وجدان کی قبل فنا فی اللہ کے ۔
قاب قوسین وہ مقام اتصال ہے جس میں عبد حق سبحانہ تعالیٰ سے متحد ہو جاتا ہے اور خلق کو عین حق اور حق کو عین خلق دیکھتا ہے اور جملہ اعتبارات غیریت کو وہمی سمجھتا ہے۔ یہ مقام مراتب قرب حق میں سب سے اعلیٰ مقام ہے ۔
لیکن مقام او ادنیٰ اس سے بھی اعلیٰ اور ارفع ہے اس مقام میں عبد اور حق میں ایسا اتحاد اور ایسی عینیت ہوتی ہے جس کا بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس مقام میں اعتبارات غیریت کا وہم بھی نہیں ہوتا۔
۲. یعنی اسماء کا تقابل امر الٰہی میں جس کو دائرۃ الوجود بھی کہتے ہیں اور یہ اتحاد ہے حق کے ساتھ یا بقائے تمیز اور اثنینیت اعتباریہ اور اسی میں ابداع اور اعادت اور عروج اور نزول اور فاعنیست اور قابلیت ہے اور او ادنیٰ تمیز اثنینت اعتباریہ کے ارتفاع کی طرف اشارہ ہے ۔
کیونکہ وحدت حقیقی منسوب یہ دو نسبت ہے ، ایک انتفاع تعدد ، دوم اثبات تعدد باعتبار انتفاع تعدد وحدت کے او ادنیٰ ہے اور باعتبار اثبات تعدد قاب قوسین ہے ۔ حضرات صوفیا کے نزدیک قاب قوسین سے اعلیٰ کوئی مرتبہ نہیں اگر مقام او ادنیٰ کہ وہ احدیت عین جمع ذاتیہ ہے جس میں تمیز اور اثنینت اعتباریہ بہ نسبت فناء محض اور طمس کلی کے مرتفع ہو جاتی ہے ۔
قابلیت اولی۔ قابلیت ظہور : حبِ ذات۔ محبتِ اولی یعنی تعین اول۔
جو اصل الاصول تعینات کا ہے حقیقت محمدیہ ﷺ ہے اس حدیث قدسی (فاحببت ان اعرف) میں اس طرف اشارہ ہے (پس دوست رکھا میں نے یہ کہ پہچانا جاؤں) ۔
قاف/ق : حقیقت انسانی کو کہتے ہیں نیز ق یہ حروف مقطعات میں سے ہے ۔ کوہ قاف کے متعلق عام طور پر یہ خیال شہرت پائے ہوئے ہے کہ وہ

بوجہ اپنی بزرگی کے اور بلحاظ اپنی برکات کے تمام عالم کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ سیمرغ کا مسکن ہے ۔ حقیقتِ انسانی بھی جملہ حقائق عالم کی جامع ہے اور بقول مَن عَرَفَ نَفسَه فَقَد عَرَفَ رَبَّه ۔

حقیقتِ انسانی کی شناخت سے ذاتِ مطلق تک رسائی ہوتی ہے ۔ ذاتِ مطلق کی جانب سیمرغ سے کنایہ کیا جاتا ہے کیونکہ قلب مومن جو کہ کوہِ قاف حقیقتِ انسانی ہے عرش ہے سیمرغ ذات مطلق کا ۔

قامت مرتبہ : ا. وحدت سے لے کر عالم اجسام تک جملہ مراتب ظہور ذات کو قامت کہتے ہیں ۔

۲. بعض عالم ارواح ومثال و اجسام ہی کو قامت کہتے ہیں اس لیے کہ ذات کا طول اور پھیلاوا عالم کثرت ہیں ، انہیں مراتب ظہور کے ذریعہ ہوا ہے گویا مراتب ظہور ذات کا قدوقامت ہیں۔

۳. بعض لوگ وجود عارف فانی کو بھی کہتے ہیں۔ قامت سے الف بسم اللہ یعنی احد بھی مراد ہے جسے قامت بلا اور قد بالا بھی کہتے ہیں ۔

قبض و بسط : وارداتِ قلبی کے بند ہو جانے کو قبض اور ان کے کھل جانے کو بسط کہتے ہیں ۔

یعنی سالک کے دل پر ان وارداتِ غیبی کا نزول بند ہو جانا جن سے اُسے سرور اور ذوق شوق اور لذتِ عبادت حاصل ہوتی تھی۔

حالت قبض میں سالک کے دل پر وحشت ہوتی ہے اور کسی عبادت میں دل نہیں لگتا۔ یہ حالتِ بسط کے بعد وارد ہوتی ہے ۔

قبض کی دوقسمیں ہیں ۔

قبض محمود : وہ یہ ہے کہ حالتِ بسط کے روکنے کے لیے پیدا ہوتا ہے کہ سالک اپنے ذوق وشوق اور سرور میں حد سے نہ گذر جائے اور اسرارِ الٰہی کو عوام پر نہ کھولے اور ضبط سے کام لے۔ اس سے سالک کی ترقی ہوتی ہے اور اس میں سمائی کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ قبض مذموم وہ یہ ہے کہ حالتِ بسط میں سالک سے کوئی سوءِ ادبی ہو جائے اور نشۂ محبت میں تعلی کرنے لگے تو اس کے بعد من جانب اللہ قبض ہو جاتا ہے وارداتِ غیبی رک جاتے ہیں ۔ یہ سالک کی تنبیہ اور تادیب کے لیے ہوتا ہے۔

پہلی قسم قبض محمود کی تو سالک کے لیے لازمی ہے کہ وہ بسیط کے بعد وارد ہوتی رہتی ہے ۔ اس لیے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ بسط و قبض یعنی قبض محمود سالک کے واسطے لازمی ہیں۔ جو یکے بعد دیگرے سالک پر وارد ہوتے ہیں۔

قبض مذموم : وہ قبض ہے جس سے کسی قسم کا ملال نہ پیدا ہو اور دل میں کچھ لاپرواہی سی پائی جائے اس نوعیت کا قبض مضر ہے۔ اسی طرح بسط بھی دوطرح کا ہوتا ہے مفید اور مضر۔

بسط مذموم وہ ہے جس میں درمیانی منزل کی دل چسپی سالک کی دل بستگی کا باعث ہو اور اسے آگے نہ بڑھنے دے۔

بسط محمود وہ بسط ہے جبکہ یہ دل چسپیاں مزید ترقی کی امنگیں دل میں پیدا کریں۔ مشاہدہ جلال کا نتیجہ ہیبت اور مشاہدہ جمال کا نتیجہ اُنس ہوتا ہے ۔ سالک کو ابتداء میں خوف و رجاء سے سابقہ پڑتا ہے ۔ جب ترقی کرتا ہے تو قبض و بسط کی حالتیں اس پر طاری ہوتی رہتی ہیں جب اور زیادہ ترقی کرتا ہے تو ان سے بھی اعلیٰ تر حالتوں سے اسے سابقہ پڑتا ہے جنھیں ہیبت و اُنس کہتے ہیں ۔

خوف و رجاء کا تعلق مستقبل سے ہے ۔ امر مکروہ مستقبل سے خوف اور امر محبوب مستقبل سے رجاء کا پیدا ہونا امورِ ابتدائی ہیں ۔

قبض وبسط کا تعلق امورِ حاضرہ سے ہوتا ہے ۔ وارداتِ غیبی قلب پر وارد ہوں تو بسط ، اور ورود بند ہو جائے تو قبض پیدا ہو جاتا ہے ۔

وارداتِ قلبی سے تجاوز کر کے جب سالک دولت مشاہدہ سے سرفراز ہوتا ہے تو ہیبت و اُنس کے درمیان چوگان بنایا جاتا ہے۔

مشاہدۂ جلال کا نتیجہ ہیبت اور مشاہدۂ جمال کا نتیجہ اُنس ہوتا ہے یا بعض کے نزدیک غیبت میں ہیبت اور صحو میں اُنس پیدا ہوتا ہے لیکن صوفیائے محققین نے ہیبت و اُنس سے بھی پناہ مانگی ہے۔ وہ جمال و جلال کی تفریق سے بھی بلند تر پرواز کرنے اور آشیانہ ذات میں متمکن ہونے کے آرزومند رہتے ہیں ۔

اہل تمکین کے احوال تغیر سے بالاتر ہیں ۔ وہ عین وجود میں محو ہوتے ہیں ان کے لئے نہ ہیبت ہے نہ اُنس نہ علم نہ حس۔ ان کی ترقی بھی

وجود ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔

قبلہ : ہر مطلوب و مقصود جس کی طرف دل متوجہ ہوتا ہے، اس خیال سے کہ پرتو حقیقت ہے بشرط کہ دل کی اس توجہ میں غایت انتہائی حقیقت ہو نہ کہ مجاز۔

قد : برزخ وجوب و امکان استیلاء و استوائے امکان۔

قدح : بمعنی بادہ ساغر۔کبھی قدح سے وقت مراد لیتے ہیں۔

قدم : ا۔حق سجانہ تعالیٰ کے علم میں جو ہر شے کے لیے ایک خاص قابلیت اور استعداد مقرر ہے وہ قدم کہلاتی ہے اس لیے کہ ہر شے عالم ظہور میں اس استعداد و قدم کے مطابق متحرک ہوتی ہے۔اور جب تک یہ قابلیت اور استعداد پورے طور پر ظہور اور فعلیۃ میں نہ آجائے وہ شے پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتی اور اس کی سیرابی نہیں ہوتی۔

۲۔ نیز قدم اُس نعمت کو کہتے ہیں جن کا ازل میں حق تعالیٰ نے بندہ کے لئے حکم کیا تھا اور حق کی اس آخری محبت اور عطیہ کو بھی کہتے ہیں جس سے عبد کی تکمیل ہوتی ہے۔

قدم صدق : کہتے ہیں چنانچہ اس آیۂ پاک (بشرالذین آمنوا ان لھم قدم صدق) میں اسی کی طرف اشارہ ہے یا شقاوت کی رو سے قدم جبار سے تعبیر کرتے ہیں۔

چنانچہ اس حدیث (لاتزال جھنم تقول ھل من مزید حتی یضع الجبار قدمہ فتقول قطنی قطنی) میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ صدق ہر شے سے بہتر ہوتا ہے۔

قدمین : ضدّین کا ایک ذات میں جمع ہونا۔ مثلاً حدوث و قدم۔ حقیت وخلقیت۔ وجود و عدم۔تشبیہہ وتنزیہہ۔ متناہی و لامتناہی ہونا۔ وغیرہم کا ایک ذات میں جمع ہونا۔

قدسیاں : ارواح پاک۔ ارواح طیبات۔ فرشتگان وصلحا و اولیاء اللہ۔

قرآن : ا۔ذاتِ محض بحیثیت احدیت جس میں جملہ صفات بلا امتیاز مخفی ہیں۔قرآن کا دفعۃً واحدۃً آسمان دنیا کی طرف نازل ہونا اشارہ ہے طرف اسماء و صفات کے ظہور کے۔توریت : تجلیات اسمائے صفاتیہ۔ انجیل : تجلیات اسمائے ذات۔ زبور : تجلیات صفات افعالی۔ فرقان : صفات الٰہی۔

۲۔سزاواری پرستش : ظہورِ ذات و اسماء و صفات و افعال و آثار۔

قرب : قرب صفات الٰہی سے متصف ہونا، رفع تعینات، حجاب خودی کا اٹھنا۔حقیقت قاب و قوسین کو کہتے ہیں بعضے کہتے ہیں کہ بندہ کا شریعت کے ساتھ طریقت پر نگاہ رکھنا اور طریقت کے ساتھ حقیقت کی محافظت کرنا اور بعضوں نے لکھا ہے کہ قرب قیام بطاعت کو کہتے ہیں، آیات قرآنی سے ثابت ہے (ترجمہ: اور بیچ ذاتوں تمہاری کے ہے بس نہیں دیکھتے ہوتم اور ہم قریب تر ہیں طرف اس کے تم سے اور لیکن تم دیکھتے ہو۔اور جب پوچھیں تم سے بندے میرے مجھ کو بس بیشک میں قریب ہوں)۔

قرب دوقسم کا ہوتا ہے۔

ا۔قرب ایجادی ادراک بسیط ہے جو بحکم اَلَسْتُ بِرَبِّکُم کے جواب میں قالُوا بَلٰی حاصل ہوا جو عبارت رحمت رحمانی کا مقتضی ہے۔

۲۔ قرب شہودی وہ قرب ہے جو تفکر سے حاصل ہوتا ہے اور مستلزم ہے عباراتِ اختیاری اور سلوک اور رحمت خاص یعنی رحیمی کا۔ اس قرب کا حصول نور ہدایت الٰہی کے بغیر نہیں ملتا۔اس نور کے پرتو سے تقرب شہودی حاصل ہوتا ہے۔

قرب فرائض : یعنی سالک کا اپنی ہستی اور خودی کو ذات حق میں فنا کر دینا اور مقام جمع میں پہنچ کر مقام فرق کی طرف نزول کرنا تاکہ سلسلہ تعلیم و ارشاد باری ہو اور مخلوق کی ہدایت ہو۔

اس مقام میں عبد باطن حق ہوتا ہے اور حق سجانہ تعالیٰ اس عبد مقرب کے وسیلہ سے مخلوق پر رحمت نازل فرماتا ہے اور خلق کی حاجت روائی کرتا ہے یعنی عبد مقرب اللہ کی جناب میں مخلوق کے لیے وسیلہ ہوتا ہے۔ایسے ہی مقرب بندے صاحبِ ارشاد ہوتے ہیں۔

قرب نوافل : یعنی سالک کا صفاتِ عبدیت کو فنا کر کے مقام جمع کی طرف رجوع کرنا اور متصف بصفات اللہ ہو جانا۔اس مقام میں حق تعالیٰ اپنے بندے کا باطن ہو جاتا ہے اور اس کے تمام کام بذریعہ صفات حق سجانہ کے صادر ہوتے ہیں۔

چنانچہ حدیثِ قدسی ہے۔ مازال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی یسمع بسمعی و یبصر ببصری و یبطش بایدی و یمشی برجلی۔
یعنی میرا بندہ میری قربت نوافل حاصل کرلیتا ہے تو میرے کان سے سنتا ہے اور میری آنکھ سے دیکھتا ہے میرے ہاتھ سے مارتا ہے میرے پیر سے چلتا ہے۔الحاصل۔ اس مقام میں سالک اپنی صفات کو صفاتِ حق سبحانہ میں فنا کردیتا ہے۔
قُرب و بُعد: حق سبحانہ تعالیٰ اور بندے میں تعینات و تنزلات اور اعتبارات غیریت کا حائل ہونا بُعد ہے اور جب سالک ان حجابات کو اٹھادے اور سلوک پورا کرلے تو وہ قرب ہے۔
یہ قرب و بُعد بندے کی طرف سے ہے اور حق سبحانہ تعالیٰ کا قرب و بُعد یہ ہے کہ وہ ذاتِ اقدس بحسب اعتبارات عینیت کے سب سے قریب ہے اور بحسب اعتبارات غیریت کے جملہ خلق سے بعید ہے اور بحسب اطلاق ذات خلق کے عین ہے اور بحسب تعین و تقید ذات خلق کے غیر ہے۔عینیت و غیریت کا بیان پہلے بحث (ع و غ) میں ہو چکا ہے۔
قسمت: یہ دو قسم پر ہے۔ ایک تقسیم عدد کل کے ہے احاد اور اس کے اجزاء کی طرف جو موجب انتفاء کل کا ہے جیسے کہ عدد عشرہ کی تقسیم پانچ پر کرنے سے اس کی عشریت جاتی رہتی ہے۔
دوسری تقسیم مطلق کی ہے بنظر مقیدات اور متعینات اور مظاہر اور شیون کی یہ تقسیم مبطل مطلق کی نہیں بلکہ اس سے تحقق اور ظہور مطلق ہوتا ہے۔
قشر: علم ظاہری کو کہتے ہیں کیونکہ اس علم ظاہری سے مغز یعنی علم باطنی کی حفاظت ہوتی ہے جیسے چھلکے سے مغز کی حفاظت ہوتی ہے۔ چنانچہ علم شریعت ظاہری بمنزلہ قشر کے محافظ ہے علم طریقت کا اور علم طریقت بمنزلہ قشر کے محافظ ہے علم حقیقت کا۔
لہٰذا جس سالک نے اپنے حال اور طریقت کو شریعت کی حفاظت میں نہ رکھا تو اس کا حال فاسد ہوجائے گا۔ ہوا و ہوس اور وساوسِ شیطانی میں مبتلا ہو جائے گا۔ اور جس سالک نے حقیقت کی حفاظت مجاہدات طریقت و ریاضات سے نہ کی وہ الحاد اور زندیقیت میں مبتلا ہو جائے گا۔

قضاء و قدر: حکم الٰہی اجمالی قضاء ہے اور حکم الٰہی تفصیلی قدر ہے اور اصطلاح صوفیا میں قضا حکم کلی حق تعالیٰ کو کہتے ہیں جو اشیاء کے لئے حسب اقتضائی اعیان ثابتہ اور استعدادات اول اعیان کے ہوتا ہے اور قدر اس حکم کلی کے اندازہ اور جزو معین مخصوص کرنے کو زمانہ مخصوص میں کہتے ہیں۔
یہ ایسا ہے کہ اس سے ایک ذرہ بھی کم و بیش نہیں ہوتا ہے۔
پس حق تعالیٰ نے عالم کو خصوصاً انسان کو جامع جمال و جلال پیدا کیا اور ہر ایک کی تقدیر ہر ایک کی استعداد کے موافق رکھی اور ہر ایک کو اس کی حسب استعداد ایک ایک صفت اپنی صفات میں سے بخشی۔ اگر استعداد کسی بندے کی مائل بصفات جلال تھی کہ صفات جلالی اس پر غالب آئیں گی تو اس کو ابلیس کا تابع کیا اور اس کی جگہ دوزخ میں مقرر فرمائی اور لقب اس کا کافر، فاسق اور منافق رکھا۔
اور اگر استعداد کسی بندے کی مائل بصفات جمالی تھی کہ صفات جمال اس پر غالب آئیں گی تو اس کو انبیاء کا تابع کیا اور اس کی جگہ جنت مقرر فرمائی اور اُس کا نام مومن اور مسلم رکھا پس یہ مطابق خواہش اور استعداد عین ثابتہ ہر ایک کے کیا اللہ تعالیٰ کلام مجید میں فرماتا ہے (ترجمہ: اگرچہ جانا اللہ نے ان لوگوں میں خیر کو البتہ سنایا اُن کو) یہ عین عدل اور حکمت جناب باری کی ہے۔
قطاع الطریق: یعنی رہزن وہ شخص ہے جو نہ تو کسی کا مرید ہو اور نہ اس نے سلوک پورا کیا ہو نہ کسی کا خلیفہ ہو۔ یوں ہی خلق خدا کو مرید کرنے لگے۔ ایسے شخص کا مرید ہونا گمراہی ہے اور نہایت ممنوع ہے۔ اسی واسطے ایسے شخص کو قطاع الطریق کہتے ہیں جس کے معنی رہزن یا ٹھگ کے ہیں۔
قطب: ایک شخص ہوتا ہے عالم میں جو محل نظر حق ہوتا ہے ہر زمانے میں دنیا کا کاروبار اُس پر رہتا ہے اور یہ برقلب اسرافیل علیہ السلام ہوتا ہے اور اُس کو غوث بھی کہتے ہیں۔
قطبیہ کبریٰ: ا۔ یہ مرتبہ قطب الاقطاب کا ہے اور یہی باطن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ہے اور یہ مرتبہ مختص ہے پیرو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لیے بسبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مختص ہونے کے مقام اکملیت پر ہے۔

۲۔قطبیۃ کبریٰ اور مرتبہ غوثیت ایک ہی شئے ہے۔

قطع : ترک غم و الم جو علائق اور عوائق سے ہو۔

قلاش : وہ سالک جس کا باطن صاف ہو اور خواہشات و لذات نفسانی کو فنا کر چکا ہو اور اللہ کی محبت میں ہمیشہ مسرور اور خوش و خرم رہے۔ تکالیف و مصائبِ دنیاوی سے غمگین نہ ہو۔

قلاش اہل صفا اور فنا کو بھی کہتے ہیں جو تجلی سے کسی وقت سیر نہ ہو اور ہمیشہ بحر وحدت میں مستغرق رہے اور نعرہ ھل من مزید مارے۔

قلاشی : اچھے کام کرنا اور عبادات میں مصروف رہنا۔

سالک کا معاشرت اور مباشرت کرنا اعمال صالحہ کے ساتھ۔

قلب : ایک جوہر نورانی ہے۔ مجرد ہے مادہ سے، برزخ ہے درمیان روح اور نفس حیوانی کے۔ حقیقۃ انسانیہ اسی قلب سے متحقق ہے۔ بلکہ یہی قلب حقیقۃ انسانیہ ہے باطن اس کا روح اور ظاہر اس کا نفس حیوانی ہے۔ یعنی روح سے کم لطیف ہے اور نفس حیوانی سے زیادہ لطیف ہے اس کو حکیم فلسفی نفس ناطقہ کہتے ہیں۔

اسی طرح نفسِ حیوانی برزخ ہے درمیان قلب اور جسد کے یعنی قلب سے کثیف ہے اور جسد سے لطیف ہے اس آیۃ پاک (مثل نوره كمشكوة فيها مصباح۔ المصباح فی زجاجة الزجاجه کانتها کوکب دری يو قدمن شجرة مباركة زيتونته لا شرقية ولا غربية) میں حق تعالیٰ نے جسد کی تشبیہ مشکوٰۃ سے دی ہے اور قلب کی زجاجہ سے اور روح کی مصباح سے اور نفسِ حیوانی کی شجرہ سے یعنی جسدِ آدم میں نفس حیوانی ہے اور نفس حیوانی میں قلب ہے اور قلب میں روح ہے اور روح کے بعد کے مراتب اس حدیث قدسی (ان فی جسد ابنِ آدم لمضغة قلب وفی المضغته و فی القلب روح و فی الروح نور و فی النور سرو فی السرانا) میں بیان کیے ہیں یعنی جسدِ آدم مضغہ ہے اور مضغہ میں قلب ہے اور قلب میں روح اور روح میں نور اور نور میں سر اور سر میں انا۔

قلب تین ہیں (۱) قلب منیب (۲) قلب سلیم۔ (۳) قلب شہید۔

(۱) قلب منیب : سے خطرات روحی اور نیک کام ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے : تقویٰ۔ ریاضت۔ و مجاہدہ۔ عبادت۔ ورع وغیرہ۔ چنانچہ اس آیۃ پاک (من خشى الرحمن بالغيب و جاء بقلب منيب) میں اس قلبِ منیب کا ذکر ہے۔

(۲) قلبِ سلیم : اس سے حق سبحانہ کی محبت اور طلب علم اور علم عرفان حاصل ہوتا ہے اس آیۃ پاک (يوم لاينفع مال و لا بنون الا من اتى الله بقلب سليم) میں اس قلبِ سلیم کا ذکر ہے۔

(۳) قلبِ شہید : اس سے توحید حقیقی اور ذرہ ذرہ میں شہودِ ذات حاصل ہوتا ہے اس آیۃ پاک میں (لمن كان له قلب اوالقى السمع و هو شهيد) میں اس کا ذکر ہے۔ یہ قلب حق سبحانہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ اس کی وسعت ایسی غیر محدود ہے کہ لامکان لاحد کی اس میں سمائی ہے (قلوب المومنين عرش الله)۔

حضرت بایزید بسطامی کا ارشاد ہے، بندوں کا قلب خدا کا عرش ہے، زیارت اہل قلب کی بہتر ہے زیارت کعبہ ستر مرتبہ سے۔

مضغۂ گوشت (جو کہ سینہ میں ہے) کو مجازاً قلب کہتے ہیں نیز قلب کی تین بیماریاں ہیں۔ جن سے بچنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ حدیثِ نفس : یعنی اپنے قصد و اختیار سے دل سے باتیں کرتے رہنا۔

۲۔ خطرہ : یعنی بلا قصد دل میں باتوں کا گزرنا۔

۳۔ نظر بہ غیر : جو اشیاء متکثرہ کے علم سے پیدا ہوتی ہے۔

قلم : حق سبحانہ تعالیٰ کا علم تفصیلی کا نام قلم ہے۔

وجہ خاص روح اعظم کی ہے کہ معتبر بنور محمدی ﷺ و مظہر اسم البدیع ہے اسی سے تمام کائنات کا ظہور ہوا اور یہی تعین بشری محمدی ﷺ کی روح ہے۔

قلم تعین اوّل : عقل اوّل اور قلم اعلیٰ حقیقتاً ایک ہی نور کے دو نام ہیں۔ جب عبد کی جانب اس نور کی نسبت کی جاتی ہے تو اسے عقل اوّل اور جب حق سبحانہ تعالیٰ کی جانبِ اس کی نسبت کی جائے تو قلم اعلیٰ کہتے ہیں۔

عقل اوّل جو کہ دراصل نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے ازل میں جبرئیل علیہ السلام پیدا کئے گئے اور ان کا نام روح الامین رکھا گیا کیونکہ وہ ایک ایسی روح ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کے علم کا خزانہ بطور امانت سپرد کیا گیا۔ اس نور کی انسانِ کامل کی جانب اضافت دی جائے تو وہ روح محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے ملقب ہوتا ہے۔

قلم اعلیٰ اور عقل اوّل اور روح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی ان تینوں کی تعبیر لفظ جوہر فرد سے ہوتی ہے مظاہر خلقیہ میں متمیز ہونے کے طور پر جو ابتدائی تعینات حق ہے انہیں قلم اعلیٰ کہتے ہیں۔

قلم اعلیٰ اپنے اندر کے نمونوں کو لوح محفوظ میں اتارتا ہے جس طرح عقل جس چیز کو چاہتی ہے نفس میں منقوش کر دیتی ہے۔ عقل کے رہنے کی جگہ قلم اور نفس کے رہنے کی جگہ روح ہے۔

قلندر: وہ فقیر ہے جو بحرِ تجرید وتفرید میں اکمل ہو، دونوں عالم سے بے نیاز بن کر اور جملہ کائنات سے منقطع ہو کر محوِ ذات حق سبحانہ ہو جائے اور دریائے ناپیدا کنار عشق میں مستغرق رہے۔

فقیر ملامتی۔ فقیر قلندری۔ صوفی ان میں یہ فرق بتاتے ہیں کہ فقیر ملامتی وہ عاشق ذاتِ حق ہے جو کامل ہوتا ہے تجرید و تفرید میں عبادت کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور قلندر فقیر وہ عاشق ذاتِ حق سبحانہ ہے جو بحر تجرید و تفرید میں یگانہ اور عباداتِ شاقہ اور تخریب عادات میں کوشاں ہوتا ہے اور فقیر صوفی وہ ہے جو جامع کمالات باطنی و ظاہری ہو اور عشق ذات حق میں اعلیٰ و اکمل تجرید و تفرید میں ارفع اور عبادات و مجاہدات میں ہمیشہ مصروف اور قدم بر قدم حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتا ہے اور بحر عشق و توحید میں نعرۂ ہل من مزید لگاتا ہے اور لب نہیں ہلاتا۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں الصوفی ھواللہ۔ بس اس کے بعد بولنے کی گنجایش ہی نہیں۔

صوفی منتہی جب اپنے مقصد پر جا پہونچتا ہے تو قلندر ہو جاتا ہے۔

سریانی زبان میں اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام۔

قناعت: لغت میں تھوڑی چیز پر راضی ہونے کہتے ہیں اور اصطلاح میں سالک کے پنجگانہ مقامات میں سے قناعت بھی ایک مقام ہے وہ یہ ہے کہ سالک شب و روز یادِ حق میں مشغول رہے اور احکام اور تقدیر الٰہی پر راضی و خوشی رہے اور ضروریات زندگی میں قوتِ لایموت اختیار کرے اور اسی پر قانع ہو جائے۔

قوامع: وہ وارداتِ غیبی اور تائیدِ الٰہی ہے جس کے ذریعہ سے سالک خواہشات نفسانی اور خطراتِ بشری سے خلاصی پائے۔

یہ عبارت ہے ان چیزوں سے کہ قلع قمع کرتی ہیں انسان کو اس کے متقضیات طبع اور نفس اور ہوا سے اور وہ چیزیں امدادات اسمائیہ اور تائیدات الٰہیہ ہیں کہ جو سیر وتوجہ الی اللہ میں اہل عنایت کو ہوتی ہیں۔

قوائے طبعیہ کا مقام جگر ہے جس کے قوائے دیگر قویٰ سے قوی تر ہوں اسے نباتات سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

قوائے حیوانیہ کا مقام پارۂ صنوبری ہے۔

قوائے ادراکیہ کا مقام دماغ ہے۔

جب قوائے حیوانیہ کو غلبہ ہو تو وہ شخص درندوں اور چوپاؤں سے مشابہہ ہوتا ہے۔

قوائے عقلیہ و ادراکیہ رکھنے والا ملائکہ سے مشابہہ ہوتا ہے۔ یہ تینوں فوارے ایک ہی سرچشمے سے ہیں۔ ان کے افعال مختلف ہیں اگرچہ یہ تینوں قویٰ ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔

قوت: یعنی غذائے عاشق وہ جمالِ الٰہی مطلوب ہے جو جمال قدم ہے اور عقل اس کی ادراک کا احاطہ نہیں کرسکتی ہے اور وہ معتبر بحسن مجازی ہے۔ ترتیب مابعد میں نفس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوت ہیولیٰ کو پیدا کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی قوت کی جانب اشارہ فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو اہل کو اہل کی جانب چلاتا ہے۔ یہ فرشتہ ہی وہ قوت طبعی ہے جو ہر صورت کو اس کے مناسب مادہ کی طرف لے جاتی ہے۔

قوس نزولی: اس کی ابتداء نقطہ وحدت ہے اور انتہا مرتبہ جامع یعنی انسان۔

قوسین: جن دو قوسوں سے دائرۂ تعین ثانی مرکب ہے ان میں سے

ایک قوس حقائق الٰہیہ سے متعلق ہے اور دوسری حقائق کونیہ سے۔ ایک وجوب سے متعلق ہے اور دوسری امکان سے ۔ ایک مخصوص ہے ربوبیت کے ساتھ اور دوسری مخصوص ہے عبودیت کے ساتھ۔ ایک تعین بالا کی احدیت کے مقابل ہے اور دوسری تعین بالا کی واحدیت کے مقابل ہے۔

جو قوس احدیت کے مقابل ہے اسے قوس ظاہر الوجود کہتے ہیں کیونکہ ذات ِ احدیت یہاں اسماء و صفات میں ظاہر ہوئی ۔ اور جو قوس واحدیت کے مقابل ہے اسے قوس ظاہر العلم کہتے ہیں۔ کیونکہ اسماء و صفات کا علم جو وہاں اجمال میں معقول تھا یہاں آثارِ کثرت میں بالتفصیل ظاہر ہوا۔ قوس ظاہرالوجود میں حقائق الٰہی کا اظہار اسمائے الٰہی کلی سے ہوا جن سے مراد وہ معنی اور استعداداتِ خاص ہیں جو حق تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں اور قوس ظاہرالعلم میں حقائق کونی کا اظہار اسمائے کونی سے ہوا جن سے مراد وہ معنی اور استعداداتِ خاص ہیں جن کا قیام خلق کے ساتھ ہے ۔

اسمائے الٰہی کلی اٹھائیس (۲۸) ہیں ۔ ان کے تحت میں اسمائے کونی بھی اٹھائیس (۲۸) ہیں جن کی پرورش اسمائے الٰہی سے ہوتی ہے ۔ حروف ملفوظی بھی اٹھائیس (۲۸) ہیں اور منازل قمر بھی اٹھائیس (۲۸) ہیں ۔ یہ سب علی الترتیب ایک دوسرے سے متعلق ہیں اور ایک دوسرے سے پرورش پاتے ہیں ۔

ہر ماتحت اپنے مافوق کے زیرِ اثر ہے ہر مربی اپنے مربوب پر محیط ہے ۔ ہر اسم الٰہی مربی ہے اپنے مقابل کے اسم کونی کا اور حروف کا اور منازل کا ۔ جملہ اسمائے الٰہی بوجہ کسی نہ کسی کے مربی ہونے کے ارباب ہیں ۔ ارباب کا ظہور مربوب سے ہوتا ہے ۔

چنانچہ اسمائے الٰہیہ کی معرفت کا انحصار مربوبات کی معرفت پر ہے ۔ ان ارباب و مربوبات کی وضاحت کے لئے ذیل میں ایک نقشہ درج کیا جاتا ہے ۔ اس نقشہ میں اسماء الٰہی اس قوس میں شامل متصور کئے جائیں جو احدیت کے مقابل ہے اور اسماء کونی اس قوس میں جو واحدیت کے مقابل ہے ۔

قہر: تجلی جلالی کا نام ہے۔ یہ ایک تائیدِ حق ہے طالب کے واسطے جو طالب کو فانی کر کے سرحد فنا فی اللہ تک پہونچا دیتی ہے ۔

قیام باللہ: استقامت سے سالک کا تمام منازل طے کرکے جملہ رسومات و اعتبارات فنا کر کے اور فنا فی الذات ہو کر باقی باللہ ہو جانا اور اس پر استقامت حاصل ہو جانی اور سیر عن اللہ باللہ فی اللہ میں مشغول رہنا۔

قیام للہ : راہِ خدا میں غفلت سے بیدار ہو کر کمربستہ ہو جانا۔ یعنی خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر طلب مولیٰ میں کھڑا ہو جانا اور راہِ سلوک میں قدم رکھنا۔

قیامت : چار طرح کی ہے ۔

(۱) قیامتِ صغریٰ وہ روح کا جسم سے الگ ہو کر یعنی موت کے بعد عالم برزخ میں رہنا۔ اس حدیث (**من مات فقد قامت قیامة**) میں اسی طرف اشارہ ہے۔

(۲) قیامتِ وسطیٰ وہ یہ ہے کہ سالک اپنی خواہشات جسمانی کو مار کر لوازماتِ جسمیہ سے پاک وصاف ہو کر حیاتِ قلبی ابدی حاصل کر لے اور عالم قدس سے متصل ہو جائے اس آیت (**افمن کان میتا فا حیینیاہ و جعلنا له نورا**) میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) قیامتِ کبریٰ وہ فنا فی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو جانا۔ اس آیت پاک (**اذا جاء ت الطامة الکبری**) میں اسی طرف اشارہ ہے۔

(۴) چوتھی قیامت وہ روزِ حساب ہے جسے سب جانتے اور مانتے ہیں۔ قیامت سے مراد ہے جملہ اسماء و صفات کا شہود ذاتی جو ازل سے ہو رہا ہے اُس کا ہو چکنا۔ حق نے جب ازل میں اپنے اسماء و صفات کا شہود فرمانا چاہا تو ان سے خطاب فرمایا کہ **الست بربکم** سب نے تصدیق کی کہ بلیٰ بعدہ ان کا مشاہدہ عوالم ارواح و ناسوت برزخ میں حسب استعدادت ازلی فرما گیا بالتفصیل اب امر آخر اس کو مقتضی ہے کہ پھر سب اسماء و صفات بایک دفعہ حاضر کر کے اِن سے اُن کی استعدادات کی کہ جو ازل میں نہیں اور اعمال اور افعال کی کہ جو ناسوت میں کئے تصدیق کی جائے ۔

اور وہ اپنے اپنے مقام پر ذات میں متہلک ہوں اس کا نام قیامت

ہے اس مقام پر پہنچ کر جمالی یعنی مومنین، جمال یعنی جنت کی طرف راجع ہونگے۔

اور جلالی یعنی کفار، جلال یعنی دوزخ کی طرف۔ اسی کو قیامت کبریٰ کہتے ہیں اور قیامت صغریٰ موت کو کہتے ہیں حدیث میں ہے (من مات فقد قامت قیامته)۔

ک

کاف ونون : ۱.صورتِ ارادیہ کایہ جو لفظ کُن کے کاف اور نون کے درمیان محصور ہے ۔ ۲.فعل اور انفعال میں یہی راز ہے لفظ کُن میں مخفی ہے کاف اس کمال کا محل ہے جو فعل میں رکھا ہوا ہے اور نون اس نقصان کا محل ہے جو انفعال میں رکھا ہوا ہے ۔

کافر : ۱.صاحبِ اعمال جو مرتبہ اسماء وصفات و افعال سے بلند نہ ہوا ہو اور حق کو تعینات وتکثرات میں پوشیدہ رکھتا ہو۔ کبھی اسے بھی کافر کہہ دیتے ہیں جو شہودِ ذات بحت تک پہنچ گیا ہو یا جو حقیقت کا مجاز میں مشاہدہ کرتا ہو۔

۲. نیز مراد اس سالک سے ہے کہ سراسر توحید میں اٹکا ہوا ہو اور ماسوا اللہ سے رُخ پھیر کر فنا ہوگیا ہو اور پریشان احوال اور اعمال شخص بھی مراد لیے جاتے ہیں ۔

۳. کافر وہ ہے جو کفر حقیقی رکھتا ہو اس کی تفصیل کفر میں بیان ہو گی ۔

کافر بچہ : عالم وحدت میں جس نے یک رنگی حاصل کر لی ہو۔ جو ماسویٰ سے روگرداں ہو کر سوادِ ہستی میں جاگزیں ہوگیا ہو اسے گبر بھی کہتے ہیں۔

کافہ : صاحب مقام تفرقہ کو کہتے ہیں ۔

کاکل : تجلی جلالی کو کہتے ہیں جس کا مظہر شیطان ہے جیسا کہ کلام مجید میں ہے (ترجمہ: پس نکل تو اس سے پس تحقیق تو بدبخت اور بے شک تجھ پر لعنت قیامت تک ہے)۔

کامل : وہ شخص ہے جس کے تمام مقاماتِ سلوک طے ہو چکے ہوں اور واصلِ بحق ہو گیا ہو۔ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ کامل میں یہ چار خصلتیں ضرور ہوتی ہیں۔

(۱) اگر دونوں عالم دنیا و آخرت کی نعمتیں اور فائدے اس سے چھین لیے جائیں تو وہ غمگین نہ ہو۔

(۲) ایسے ہی اگر دونوں عالم کی نعمتیں اور فائدے اس کو عطا کر دیئے جائیں تو وہ خوش نہ ہو۔

(۳) دونوں جہان کی عزت سے مسرور نہ ہو۔

(۴) دونوں جہان کی ذلت سے غمگین نہ ہو۔ اس لیے کہ کامل دونوں جہاں سے غنی ہوتا ہے اور بجز ذات حق سبحانہ تعالیٰ کے کسی شے کا طالب و عاشق نہیں ہوتا۔

کاہل : ۱.اس کے دو معنی ہیں۔ ایک وہ مرید کاذب جو شیخ کی اطاعت نہ کرے اور اس کے اعتقاد میں کچھ خرابی ہو۔ اسی کو مردود طریقت بھی کہتے ہیں۔ دوسرے وہ سالک جو آہستہ آہستہ بہت اطمینان سے اپنی منزلیں اور مقامات طے کرے۔

۲.تجلیات صوری میں پرورشِ دل ۔

کباب : تجلیات الٰہی تجلیات صوری میں قلب کو پرورش کرنا اور سوز محبت اور جذبات عشق میں اسے جلا جلا کر سوختہ پختہ کرنا۔

کبر : غرور وخودی۔ نیز عاشق پر صفاتِ قہریہ کا مسلط ہونا اور کبھی کبر اور کفر سے عالمِ لاہوت اور ملکوت بھی مراد لیتے ہیں۔

کبودی : تخلیط (یعنی ملانا) محبت کو کہتے اور یہ نیلگونی کے معنی میں بھی ہے۔

کتاب : وجود مطلق جس میں عدم نہیں ۔ وجود اس میں اس طرح داخل ہے جس طرح حروف دوات میں داخل تو ہے مگر کسی حرف کا اطلاق دوات میں موجود روشنائی پر نہیں کیا جا سکتا۔

کتابِ مبین ۱. :سے مراد لوح محفوظ ہے چنانچہ اس آیت پاک (ولا رطب ولا یا بس الا فی کتاب مبین) (ترجمہ: نہیں تر اور نہ خشک مگر کتاب مبین) ۔

۲.نفس کلی جس میں اشیاء مفصلاً ظاہر ہیں ۔

کتاب محو و اثبات : حضرت نفس جو جسم کلی میں منطبع ہے کیونکہ اس کو حوادثات سے تعلق ہے اور محو واثبات دونوں اس پر لاحق ہوتے رہتے ہیں۔

کتم عدم : اُس حالت سے مراد ہے جس کو کنز مخفی کہتے ہیں یعنی وجود اشیاء ذات احدیت میں مخفی تھا۔

کثرت : ذات کے مراتب ظہور اسماء کو کثرت کہتے ہیں۔

ظہورِ اول یعنی حقیقت محمدیہ ﷺ مرتبۂ تفصیل اسماء و صفات یعنی درجۂ واحدیت۔ عالم ارواح عالمِ مثال عالم اجسام یہ سب عالم کثرت ہے۔

کثرت ظاہرہ : اصل چہرہ باطن ہے اور آئینہ میں اس کا ظہور ظاہر ہے اسی بنا پر تعین ثانی کو کثرت ظاہرہ بھی کہتے ہیں۔

کرامت : امر خلافِ عادت جاریہ نظام عالم کے خلاف کسی امر کا ظہور ہونا خرق عادت ہے اگر کسی نبی سے صادر، ہو اسے معجزہ کہتے ہیں۔ اگر کسی ولی سے ظاہر ہو، اسے کرامت کہتے ہیں اور غیر مسلم سے ہو اُسے استدراج کہتے ہیں۔ وہ کرامت نہیں دراصل فریب ہوتا ہے۔ شیخ صاحبِ کرامت ہوتا ہے۔ اس کی کرامت دو قسم کی ہیں۔

کرامت فی اللہ : جو اللہ اور بندے کے درمیان تعلقات سے متعلق ہے۔ اس کا علم کسی غیر کو نہیں ہو سکتا۔

کرامت فی الخلق : جو بندوں سے بھی کسی قدر متعلق ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

۱. تصرف فی الخلق طالبان حق کے لیے مفید اور کارآمد ہے اس کی بدولت مریدین کے قلوب کی اصلاح ہوتی رہتی ہے۔

۲. اظہار خرق عادات کی فوری طور پر نمائش ہو جاتی ہے اس صورت میں لوگ ان خوارق سے شیخ کے معتقد ہو جاتے ہیں۔

کرسی : مقام احکامات امر و نواہی کا نام ہے اور یہ عبارت ہے کل صفات فعلیہ کی تجلی سے اور یہی مظہر اقتدار الٰہی ومحل نفود اوامر و نواہی اور محل بجا دو اعدام و منشاء تفصیل و ابہام اور مرکز نفع و نقصان و فرق و جمع ہے اس میں آثار و صفات متضاد بالتفصیل ظاہر ہوتے ہیں اسی سے امر الٰہی وجود میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہی محل قضا ہے اور قلم محل تقدیر اور لوح محفوظ محل تدوین و تسطیر یہ آفاق میں اُسی مرتبہ پر ہے جس مرتبہ میں النفس یعنی جسم انسانی میں طبیعت ہے اس لئے اس کو طبیعت کل کہتے ہیں جیسے تمام اعضا کی بقا طبیعت سے متعلق ہے اور طبیعت تمام اعضاء اور جوارح کو محیط ہے۔

اسی طرح یہ بھی تمام اجسام مادی اور عنصری اور اجرام سماوی کو کلیتہً محیط ہے۔ سب کا قیام اور ثبات اسی سے ہے۔

کلام مجید میں ہے (وسع کرسیه السمٰوات والارض) یعنی گنجائش ہے اس کی کرسی میں آسمان اور زمین کی۔ اس وسعت کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ وسعت حکمی۔ ۲۔ وسعت وجودی گویا وجود مقید کا نام کرسی ہے۔

نیز قدمین کرسی کے قریب ہیں اس مقام سے وجود میں امر الٰہی ظاہر ہوتا ہے۔ قلم تقدیر کا محل ہے۔ لوح محفوظ تقدیر کے جمع کرنے اور لکھنے کا محل ہے۔ کرسی اس تقدیر کو جدا اور متفرق کر دینے کا محل ہے۔

کرشمہ : جذبۂ عالم باطن۔ اس کے چند معنی ہیں (۱) وہ جذبۂ الٰہی جو سالک کے دل پر وارد ہو اور سالک کے ذوق و شوق کو بڑھا دے (۲) تجلی جمال حق سبحانہ تعالیٰ (۳) نورِ معرفت اور بعضے کرشمہ توجہ حق اور تجلی جمالی اور انوار معرفت کے پرتو کو کہتے ہیں۔

کرشمہ چشم : التفات تجلی جمال، انوار معرفت، کرشمہ چشم وہ مستی ہے جو موجودات میں شہود تفصیلی کی محبت کے پرتو سے پیدا ہوتی ہے جو مستی اس خواب سے بیدار ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہے اور تیزی میں آتی ہے۔

کشادنِ چشم : سے مراد التفات اور دل سوزی اور مشاہدہ کرنا ہے۔

کشاکش : جب سالک مقام نورِ ذات تک پہنچ جاتا ہے جو کہ بے جہت و بے کیف ہے تو وہ کشاکش سے گزر جاتا ہے تو گویا نورِ ذات تک پہنچنے سے قبل کی کیفیات کا نام کشاکش ہے۔

کشش : ظہور محبت مراتب میں مختلف مدارج ہیں، غیر ذی روح مادی ذرات میں اسے کشش کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ذی روح ہستیوں میں اس کشش کا نام محبت ہو جاتا ہے۔ ارفع و اعلیٰ ہستیوں میں جب محبت بھی اپنی ارفع و اعلیٰ شان میں نمایاں ہوتی ہے تو اسے عشق کہتے ہیں جو محبت کا انتہائی مرتبہ ہے۔

کشف : اکشف کے معنی کھلنے اور پردہ اٹھانے کے ہیں، پوشیدہ بات کا معلوم کرنا کشف ہے اصطلاح میں اس کی دو قسم ہیں۔

کشفِ صغریٰ اور کشفِ کبریٰ۔

(۱) کشفِ صغریٰ اس کو کشفِ کونی بھی کہتے ہیں یعنی سالک اپنی قلبی توجہ سے زمین و آسمان ملائکہ، ارواح، اہل قبور، عرش و کرسی، لوحِ محفوظ اور جنت صوری و معنوی اور دوزخ اور چار سمت کے چار اقطاب اور ارواح انبیاء اور اولیاء اور ملائکہ اور تجلیات اور قرب صفائی اور قلب اور نفس اور روح معلوم کرے۔

روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام بھی واقع ہوتی ہے کیونکہ قلب مثل آئینہ کے ہے وقت مشاہدہ کے صفائی قلب میں کبھی فتور واقع ہوتا ہے اور اگر صفائی قلب برابر ہے ہرگز خطا نہ ہوگی۔

۲. کشفِ کبریٰ اس کو کشفِ الٰہی بھی کہتے ہیں یعنی ذات حق سبحانہ کا مشاہدہ اور معاینہ ہو جانا اور جملہ حجابات اور اعتبارات غیریت کا اٹھ جانا اور نورِ بصیرت سے عشق کو عین حق۔ حق کو عین خلق دیکھنا اور حقیقت تمامی اشیاء کی حق تعالیٰ ہے کیونکہ غیر حق تعالیٰ معدوم محض ہے پس سالک کو چاہئے کہ سوائے حق تعالیٰ کے دوسری کسی چیز کو نہ دیکھے اور ذات حق میں ہمیشہ محو رہے اور اپنے کو گم کر کے کامل محویت حاصل کرے اور کسی کا خیال نہ رکھے۔ اسی کشف سے سالک واصل ہوتا ہے سلوک میں اصل مقصود یہی ہے سالک کا مقصودِ اصلی میں کشف ہے اور پہلا کشف مفید ضرور ہے لیکن سالک کو اس میں مشغول نہ ہونا چاہیے۔

۳. اصطلاح صوفیا میں امور غیبی اور معانی حقیقی پر سے حجابات کا اُٹھنا اور حقیقت ورائے حجاب پر وجوداً اور شہوداً اطلاع پانا کشف ہے۔

اس کی دو اقسام ہیں۔ ۱. کشف صوری۔ ۲. کشف معنوی۔

۱. کشف صوری کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ خواب میں جو معاملات بندوں کے ساتھ پیش آئیں وہ بیداری میں بھی اس کے ساتھ پیش آنے لگیں۔ کشف صوری میں بالعموم حواس عالم مثال میں صورتوں کا ادراک کرتے ہیں۔ یہ ادراک کبھی بطور مشاہدہ کے ہوتا ہے جیسے اہل کشف انوار روحانی اور ارواح کی صورتوں کو متجسد دیکھتے ہیں۔

کبھی وہ کشف بطور ملامست کے ہوتا ہے اور ملامست سے دو انوار یا دو اجسام کا آپس میں ملنا مراد ہے۔

کبھی وہ کشف بطریق ذائقہ کے ہوتا ہے جیسے کوئی شخص مختلف اقسام کے کھانوں کو دیکھتا ہے یا دیکھتا بھی ہے اور کھاتا بھی ہے سو اسے معانی غیبیہ پر اطلاع ہوتی ہے۔

کشف کونی یعنی کشف صوری کی وہ انواع جن سے مغیبات دنیوی پر اطلاع یابی ہوتی ہے خلاف شرع لوگوں کے لئے استدراج بن جاتی ہے۔

مکاشفات کے بھی مدارج ہیں۔ بعض مکاشفات صوری ہوتے ہیں اور بعض معنوی۔

مکاشفہ سماعی کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اہل کشف حق تعالیٰ سے بغیر واسطہ کے کلام سنے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج اور ان اوقات میں سنا جن کی بابت اس حدیث میں اشارہ ہے۔

لِی مَعَ اللّٰہِ وَقت لَا یَسعُنِی فِیہِ مَلَک مُقَرّب وَّلَانَبِی مُرسَل (ترجمہ: مجھ کو حق تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے جس میں ملک مقرب اور نبی مرسل نہیں سماتے)۔

۲. کشف معنوی حقائق کی صورتوں سے مجرد ہوتا ہے۔ یہ کشف اسم علیم اور اسم حکیم کی تجلیات سے حاصل ہوتا ہے۔

روح میں ایک قوت خاص ہے جسے نور قدس کہتے ہیں جسم سے اسے کوئی تعلق نہیں کشف معنی اسی نور کی چمک سے ہوتا ہے قوت فکریہ کو چونکہ جسم سے تعلق ہے۔ نور قدس کے لئے یہ قوت حجاب بن جاتی ہے اور معانی غیبیہ کی بجلی کی چمک کو نہیں دیکھنے دیتی۔

کعبہ: عبد کا رب سے واصل ہونے کا مقام کعبہ ہے، خانۂ خدا۔

اصطلاح میں اس سے قلب صافی مراد لیتے ہیں نیز مقام وصل۔

کفر: اس کے کئی معنی ہیں (۱) بضم کاف ناشکری اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، بفتح چھپانے کے۔

(۲) غیر اللہ کو معبود ماننا اور رسالت کا منکر ہونا۔

(۳) جملۂ کائنات اور تمام موجودات کو عین حق سبحانہ تعالیٰ اور جملہ اعتباراتِ غیریت سے انکار کرنا یعنی اپنی نظر سے غیریت کو اٹھا دینا۔ اور بحرِ توحید میں یک رنگ ہو جانا۔

(۴) ظلمت۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ الاسلام نور والکفر ظلمت یعنی اسلام نور ہے اور کفر ظلمت ہے، اصطلاح میں کفر کی دو قسمیں ہیں۔

کفرِ حقیقی: سالک کا ذات کو عین صفات اور صفات کو عین ذات جاننا۔ ذاتِ حق کو ہر جگہ دیکھنا بجز ذاتِ حق کے کسی چیز کو موجود نہ جاننا وحدت میں یک رنگ ہو کر ماسویٰ سے پاک ہو جانا۔

کفرِ مجازی: شرک اور ناشکری ذاتِ حق اور گمراہی۔

کُل: حق سبحانہ تعالیٰ کا نام ہے تمام اسماءِ الٰہیہ کا جامع ہے یعنی ذاتِ احدیت کے مرتبۂ تفصیل اسماء (جسے درجۂ احدیت کہتے ہیں حق تعالیٰ احد ہے باعتبار ذات کے اور کُل ہے باعتبار اسماء کے) جتنے اسماء ہیں یہ اسمِ کُل ان سب کا جامع ہے۔

کلامِ الٰہی: خدا کا کلام فی الجملہ صفت واحدۂ نفسیہ ہے جس کی دو جہتیں ہیں۔ جہت اول کی دو اقسام ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ وہ کلام عزت کے مقام سے بحکم الوہیت عرش ربوبیت پر صادر ہوتا ہے مگر مخلوقات کی رسائی سے وہ بالاتر ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ ربوبیت کے مقام سے زبانِ انسان میں یہ کلام درمیان خالق ومخلوق کے صدور پاتا ہے۔

دوسری جہت کلام الٰہی کی یہ ہے کہ حق کا کلام بالذات اعیان ممکنات ہیں اور ممکنات کبھی ختم نہیں ہوتے یا بالفاظ دیگر مخلوقات کلام الٰہی کے اظلال و آثار ہیں کیونکہ لفظ کُن بھی ایک کلمہ ہے یا پھر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ خود کلماتِ الٰہی ہیں جو قدرتِ الٰہی سے مخلوقات کے رنگ میں نمودار ہو جاتے ہیں۔

کلبہ احزان: ایام غم و زمانۂ ہجر کو کہتے ہیں، وقت حزن، ہجراں محبوب۔

کلماتِ الٰہیہ/قولیہ/وجودیہ: کلمات الٰہیہ اس کو کہتے ہیں جو ہر شے میں متعین اور موجود ہوا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "قل لو کان البحر مدادالکلمات ربی لنفدالبحر"۔

یہ عبارت ہیں اس تعینات وہمیہ سے جو نفس پر واقع ہوتے ہیں لیکن قولیہ نفس انسانی کے واسطے مخصوص ہیں اور وجودیہ نفس رحمانی کے واسطے جو حامل صور عالم ہے مثلاً جوہر ہیولانی کہ یہ عین طبیعت نہیں ہے مگر یہ سب موجودات پر ساری اور طاری ہے۔

کلمہ: ہر متعین اور وجودِ حقیقی کا ہر ایک ظل کلمہ ہے۔ اعیانِ ثابتہ، موجودات خارجیہ ملائکہ و ارواح وغیرہ ان میں سے نہ ہو عین ثابت ہر موجودہ خارجی ہر روح کو کلمہ کہتے ہیں۔ چنانچہ اعیان ثابتہ کو کلمات معنویہ و عینیہ اور موجودات خارجیہ کو کلماتِ وجودیہ اور مجردات کو کلمات تامہ کہتے ہیں۔

کلمۃ الحضرت: سے مراد حضرت رب العزت کی صورت ارادیہ کلیہ حق ہے اس آیت پاک (ترجمہ: اُس کا حکم یہ ہی ہے جب چاہے کسی چیز کو کہ کہہ اس کو ہو وہ ہو جائے) میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

کلیۃ: لغت میں تمامی کے معنی ہیں۔ اصطلاح میں سالک کا مجاہدہ کر کے صفاتِ بشریت کو فنا کر دینا اور متصف بصفات اللہ ہو جانا۔ کلیۂ حق سالک کی کلیۂ ہے۔

کلیسا: عالم ناسوت کہ کہتے ہیں بمعنی دیر اور بعض کہتے ہیں۔
کلیسا کے بمعنی عالم جوانی ہے، خرابات عالم معانی، باطن عارف۔

کمالِ اَسمائی: مظاہر عالم میں حق سبحانہ تعالیٰ کا نزول فرمانا اور جلوہ گر ہونا.

کمالِ ذاتی: حق سبحانہ تعالیٰ کا خود بخود موجود ہونا۔

کمالِ توحیدِ عیانی: تجلی ذاتی سے سالک صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہو جاتا ہے اور کسی چیز کو غیر خود یا اپنے سے خارج نہیں پاتا۔

کنار: اسرارِ توحید کے دریافت اور مراقبے میں مستغرق رہنے کو کہتے ہیں۔

کنز الکنوز: ذاتِ بحت ہے جس کی حقیقت نہ بیان ہو سکتی ہے نہ عقل میں آ سکتی ہے۔ مرتبہ وراء الورا اور غیب الغیوب کو کہتے ہیں۔

کنزِ مخفی: ا.کنہ ذات ہے۔ یہاں پہنچ کر عارف پر عالم حیرت طاری ہوتا ہے۔
۲. ہوت غیب الغیب۔

کنشت: ا. عالم تعین اور شہود اور معرفت کو کہتے ہیں۔
۲. نیز استیلائے صورتِ تشبیہہ۔ اسے مقام موسوی علیہ السلام بھی کہتے ہیں۔

کنود: ا. لغت میں ناشکری کرنے کو کہتے ہیں۔
۲. اصطلاح شریعت میں تارک الفرائض کو کہتے ہیں۔
۳. اصطلاح طریقت میں تارک الفضائل کو اور حقیقت میں اس شخص کو کہتے ہیں جو راہ باطن و معرفت الٰہی کی طرف توجہ نہیں کرتا اور کمال

سے محروم رہتا ہے حالانکہ یہ اعلیٰ ترین نعمت حق نے انسان کے لئے رکھی ہے پس اس سے بے پروائی بھی ناشکری اور باعث حرمان ہوتی ہے۔ دعا ہے کہ "اے اللہ محافظت کر تو ہماری اس بلائے عظیم سے"۔

کنہ : ہر شے کی ماہیت اور حقیقت کو کنہ کہتے ہیں جو ادراکِ عالمیان سے پرے ہے۔

کواکب /کوکب الصبح : سالک پر جو پہلی تجلی نور کی وارد ہوتی ہے۔ کبھی اطلاق کیا جاتا ہے اس کا مظہر نفس پر، قرآن ترجمہ" پھر جب اندھیری کر دی اس پر رات کی دیکھا ایک تارا"۔

کوتاہ کردن زلف: قیوداتِ بشری اور اعتبارات غیریت کو اٹھا دینا۔

کون : ا۔ ہر امر وجودی یا موجود کو کون کہتے ہیں، وجود عالم بحیثیت عالم نہ کہ بحیثیت حق عالم کون و فساد عالم، عناصر اربعہ اور عالم کثیف۔ ۲۔ کون اسے بھی کہتے ہیں جو ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری صورت اختیار کرے اور اسی طور پر صورتا بدلتا رہے اور فساد صورتوں کے بگڑنے اور مٹ جانے کو کہتے ہیں۔

کوہ قاف : حقیقتِ انسانیہ کا نام ہے۔

کوئے مغان : کوئی عالم باطن کو اور کوئی مغان مرشدِ کامل کو کہتے ہیں جس کی صحبت سے عشقِ الٰہی پیدا ہوتا ہے اور اسرارِ الٰہی منکشف ہوتے ہیں۔

کہنہ: ہر شئے کی ماہیت اور حقیقت کو کہنہ کہتے ہیں۔

کیاست : مراقبہ اور تفکر کے بعد تیسری چیز حدس ہے۔ حدس سے فراست پیدا ہوتی ہے اور فکر سے کیاست۔ کیاست اس دانائی کو کہتے ہیں جس کا تعلق دماغ سے ہے۔

کیمیاء : ا۔موجودات اور حاضر شے پر قناعت کرنا اور طلب کو ترک کرنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے قناعت ایک خزانہ ہے جو خالی نہیں ہوتا، قناعت ایک مقام ہے شام کے پنجگانہ مقامات میں۔

۲. نیز عشق اور نظر مرشد کامل کو بھی کیمیا کہتے ہیں اس لیے کہ ان سے لوگوں کی اصلاح ہوتی ہے، سالک کا یادِ حق میں مشغول رہنا۔

کیمیاء خواص : متاعِ دنیا و آخرت سے دل کو صاف کرنا اور خالص محبت حق سبحانہ سے دل کو معمور کرنا۔ کونین سے خلاصی اور خالق کونین کے اختیارات کو کہتے ہیں۔

کیمیاء سعادت : تہذیب نفس اور رذائل نفس کی بُری صفات کو فنا کرنا اور صفات حمیدہ یعنی تزکیہ اور اکتساب فضائل اور تخلیہ کو اختیار کرنا۔

کیمیاء عوام : متاع دنیوی کے عوض متاعِ آخرت حاصل کرنا۔

کین وکینہ : نفس امارہ بالسوء کے تساط کو کہتے ہیں اور بندہ پر صفاتِ قہری کا مسلط ہو جانا۔

گ

گبر : جس نے دوئی اور خودی کو بالکل مٹا دیا ماسوائے اللہ سے اعراض کر کے اور توحید میں عالم وحدت یک رنگ ہوگیا۔

گداز : اس سے مراد ہستی سالک کا ٹوٹنا ہے۔

گرمی : حرارت محبت کو کہتے ہیں۔

گرو کردن و فروختن : وجود تسلیم کرنے کو کہتے ہیں۔

گرہ زدن برزلف : اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ تعینات کو مضبوطی سے لینا بواسطہ تقید اور قیود اور نقوش اور کثرت کے اگرچہ علم اس بات کا ہو اور رہے کہ مبداء سب کا ایک ہے۔

گریہ : مراتب محبت کے مودت میں پہلا درجہ گریہ ہے۔

گفتگو : اشارات ہر وہ چیز جو محبت انگیز ہو۔

گل : نتیجہ عمل اور لذت معرفت کو کہتے ہیں اور بعض حسن مجازی سے بھی مراد لیتے ہیں۔ عالم بہ ہیت مجموئی کیونکہ عالم عین معرفت حق ہے۔

گلزار : مقام کشف اسرار الٰہی کو کہتے ہیں مطلقاً یعنی اگر کسی چیز پر اطلاق کریں یا اس کی طرف مضاف کریں تو اس سے باز رہیں۔

گلزار معانی : سے مراد اسماء وصفات حق سبحانہ تعالیٰ ہیں۔

گناہ : ارتکاب معاصی کو کہتے ہیں۔ یہ کئی طرح پر ہے۔ گناہ شریعت کہ جو باتیں منع کی گئی ہیں اس کو کرنا اور جس کا حکم کیا گیا

ہے اس کو نہ کرنا۔
گناہ طریقت کہ اپنے آپ کو دنیا میں منہمک رکھنا اور حق سے غافل ہونا۔
گناہ حقیقت کہ اپنے وجود کو اور حق کے وجود کو علیحدہ علیحدہ سمجھنا۔
گناہ معرفت علم غیریت باقی رہنا۔
گناہ محبت عاشق کا اپنی خودی اور استحقاق کو معشوق کے روبرو ظاہر کرنا۔
گوش : جماعت صوفیہ میں حدیث درگوش اوکردن ایک جملہ مروّج ہے جس سے مراد ہوا کرتی ہے اسم سمیع میں فنا حاصل کرنا اور اس اسم کے مظہر بن جانے سے بے حرف وصوت کلام کی طرف متوجہ ہونا۔
گوہر سخن : محسوسات و معقولات ہیں۔ اشارات واضح کو کہتے ہیں۔
گوہر معانی : صفات و اسمائے الٰہی حق سبحانہ تعالیٰ۔
گوی / گوئے : عبارت ہے وہ مجبوری اور مقہوری جو سالک کو چوگان تقدیر الٰہی کے مقابلہ میں پیش آئے۔
اس عارف کامل کو بھی کہتے ہیں جس کو بسبب فیض صمدیت و عینیت ذاتی کے کل عوالم اور جملہ احوال یکساں ہو گئے ہوں اور یہ تمکین کا درجہ ہے۔
گیسو : طریق طلب کو کہتے ہیں جو عالم ہویت میں ہو اور اسی کو حبل المتین بھی کہتے ہیں۔ مرادف کا کل ہے۔

ل

لا اِلٰہَ اِلا اللّٰہ : یہی کلمہ طیب مفید معنی توحید کے ہے اور معنی اس کے بطریق عوام یہ ہیں کہ لانفی جنس کے واسطے ہے اور الہ اس کا ماخوذ ال سے ہے اور الہ بدلیل آیت قرآنی "لوکان ءالھة ماوردوھا" (ترجمہ : اگر ہوتے یہ لوگ حاکم نہ پہونچتے اس پر) کے معنی میں مستحق عبادت کے ہے کہ جو منحصر فرد واحد میں ہے اور جمع اس کی الہ ہے۔ بطریق مشاکلت اور بنظر اتحاد اُن الہ کے مثل "واتخذو من دون اللّٰہ الٰھة لعلھم ینصرون" (ترجمہ : اور پکڑتے ہیں اللہ کے سوا اور حاکم شاید ان کو مدد پہنچے) وارد ہے پس اس سے ظاہر ہوا ہے کہ الہ کلمہ طیب میں بمعنی مستحق عبادت کے اور الا بمعنی غیر کے ہے اور اللہ نام ذات واجب الوجود کا ہے پس ترجمہ اس کا یہ ہوا کہ نہیں کوئی اللہ مستحق عبادت کے سوائے خدا کے، اگر چہ عامہ مومنین اس ایمان کے سبب سے مستحق جنت کے ہونگے لیکن اس معنی سے بالکلیہ استیصال شرک کا نہ ہوا کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو الہ مستحق عبادت نہ ہو اگر غیر خدا کے موجود ہو تو مضائقہ نہیں۔ یہ عین شرک ہے۔
حضرت صوفیا کرام کہ جو اخص خواص الناس ہیں اس کے معنی حسب محاورہ عرب اور لغت یوں بیان کرتے ہیں کہ الہ لغت اور محاورہ عرب میں مطلق معبود کو کہتے ہیں خواہ مستحق عبادت ہو یا نہ ہو جیسے کہ مضروب جس پر ضرب واقع ہو خواہ وہ بوجہ حق ہو یا ناحق ہو۔
نزول قرآن شریف کا عموماً اور کلمہ طیب کا خصوصاً کہ جو اصل اصول دین ہے بمعنی اصطلاحی کے نہیں ہے بلکہ حسب محاورہ عرب و لغت ہے۔ اسی واسطے کفار نے کلمہ طیبہ سے عینیت الہ کی حق کے ساتھ سمجھ کر بر خلاف اس کے اپنے گمان میں غیریت جانتے تھے، کہا کہ "اجعل الالھة الٰھا واحدٗا ان ھذا الشیء عجاب" (ترجمہ : کیا اس نے کر دی اتنوں کی بندگی کے بدل ایک کی بندگی۔ یہی ہے تعجب کی بات) پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ غیر حق کا کوئی نہیں۔ اس صورت میں کلمہ کے یہ معنی ہونگے کہ نہیں کوئی موجود زمین میں ہو یا آسمان میں بلکہ تمام عالم میں سوائے خدا کے کیونکہ اس کے معنی نے سب کو حصر کر لیا ہے۔ اس صورت میں عبادت بتوں کی ناجائز ہوئی کہ مقید مطلق اور مرجع کل کی نہیں ہے۔
جملہ آیات توحید اسی معنی پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ مثل وجود حقیقی خارجی مطلق کے کوئی شئے نہیں ہے کہ مفید مطلق کے ہو اس تقدیر میں معنی (ترجمہ : نہیں ہے مثل اس کے کوئی چیز جس طرف منہ پھیرو تم اسی طرف اللہ کا منہ ہے وہی اول ہے اور وہی آخر اور وہی ظاہر اور باطن، نہیں ہوتا ہے درمیان تین کا مگر وہی چوتھا ان کا اور نہ درمیان پانچ کا مگر وہی چھٹا ان کا اور نہ کم اس سے اور نہ زیادہ اگر ہی ساتھ ان کے جہاں کہ رہیں تحقیق وہ ہر شئے کو محیط ہے اور کہہ تو وہی اللہ ایک ہے اور اگر ہم رسول کرتے فرشتہ البتہ کرتے اس کو کسی مرد کی صورت پر

اور ان پر شبہ ڈالتے جو شبہہ وہ لوگ کرتے ہیں)۔ اور" قل ھو اللّٰہ احد"
بلا تاویل صحیح و درست ہے۔

لاأُبالی/ لاأُوبالی: ا.ظلوم جہول شیر دل، حوصلہ مند، بے باک، ناعاقبت اندیش جو دل میں آجائے کرگزرے اور تکالیف و مصائب کی پروا نہ کرے جو کچھ سامنے آجائے اس سے نہ ڈرے اور دلیری کے ساتھ جو کہے وہی کرے۔
۲. اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی شئے سے خوف نہ رکھے۔ جو کچھ راہ سلوک میں پیش آئے وہ کہے اور وہی کرے۔

لابشرط شئے: وہ وجود یہاں تمام قیود حتیٰ کہ قید اطلاق سے بھی مطلق اور عدم احاطہ کا مقتضی ہے کیوں کہ تصوف کی عبارات میں وجود سے ہمیشہ وجود حق تعالیٰ مراد ہوتی ہے مرتبہ بلابشرط شئے میں وجود نہ اطلاق میں مقید ہے نہ تقید میں۔

لاتعین: ذات میں کسی تعین کا اعتبار نہیں نہ اسمائی نہ افعالی۔ یعنی لاتعین تک پہنچنے کا یہاں پہنچ کر سالک سکر بے خودی، فنا الفنا سے آشنا ہوتا۔ مگر فنائیت سے بڑا مقام بعد الفنا ہے جسے بقا باللہ کہتے ہیں۔

لاشرقیۃ لاغربیۃ: لاشرقیۃ سے اشارہ ہے عالم مجردات نیز اس میں کمالات بالفعل ہیں۔
لاغربیۃ سے مراد ہے کہ وہ اجسام کثیفیہ ظلمانیہ میں سے نہیں۔

لاشی ء/ لاشئے: عدم حقیقی۔ عدم محض، موجودات و تعینات اعتباری جن کا نام ممکنات ہے۔ کیونکہ ممکن خود کچھ نہیں بلکہ وجود اس میں وجود واجب کل ہے۔

لالہ: عارف کا نتیجہ معرفت کا مشاہدہ کرنا۔

لاہوت: گنج مخفی، مقام فنا، محویت تامہ، حقیقت وحدت، ذات احدیت کو لاہوت اور مرتبہء صفات کو جبروت۔
مرتبہء اسماء کو ملکوت کہتے ہیں۔ بعض مرتبہء صفات و اسماء کو جبروت اور عالم ارواح کو ملکوت کہتے ہیں، لاہوت دراصل لَا ھُوِ اِلّا ھُو ہے۔

لائح: لغت میں درخشاں اور ظاہر ہونے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اس سے مراد وہ تجلی استتاری ہے جو تجلی ذات ہے اور بعض کہتے ہیں کہ لائح وہ چیز ہے کہ جو نور تجلی سے ظاہر ہوتی ہے اور سالک کو راحت دیتی ہے اور اس کو بارقہ اور خطرہ بھی کہتے ہیں۔
کبھی اطلاق کیا جاتا ہے اس چیز پر جو عالم مثال سے عالم حس میں ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ ساریہ کا حال امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اور یہ کشف صوری ہے اور اگر عالم مثال کے واسطے جناب قدس الٰہی سے حاصل ہو تو اُسے کشف معنوی کہتے ہیں۔

لائحہ: جو سالک کے دل پر وارد ہو۔ اسے راحت و تسکین دے۔

لَب: بالغت کلام معشوق کو کہتے ہیں۔
اصطلاح میں صفت حیات اور تجلی روحی کو لب کہتے ہیں۔
اور بعض صوفیہ کہتے ہیں لُب وہ عقل ہے جو تربیت یافتہ ہے نور نبوت ﷺ سے اور منور ہے نور قدسی سے۔
فیض رحمانی، نفس رحمانی، لطفِ رب الودود، نیستی کو ہستی میں لانا، قبض و بسط نوازشِ معشوق۔

لُب اللُّب: یہی نور قدسی ہے جس سے عقل منور ہوتی ہے اور جس کے ذریعہ سے رموز معرفت اور اسرار حقیقت منکشف ہوتے ہیں۔
اس سے مراد مادہ نور قدسی بھی ہے جس سے عقل تائید پاتی ہے اور بسبب اس تائید کے اوہام اور تخیلات سے مصفا ہوتی ہے اور اس سے ان علوم کو ادراک کرتی ہے جو ادراک قلب سے برتر ہیں کیونکہ ادراک اور علم قلب محجوب کا متعلق ہے ان اشیاء کے ساتھ جن کو علم رسمی ادراک کراتا ہے اور یہ تصفیہ اور ادراک عقل مصفا کا بسبب عنایت حق کے ہوتا ہے۔

لُبس/ لُبس: حقیقۃ الحقائق انسانیہ صور عنصریہ اشکال جسیمہ ہیں کیونکہ حقائق روحانیہ اس لباس عنصری اور اس جامہ جسمانی کو پہنچ کر ظاہر ہوئی ہیں۔ حق تعالیٰ کی صور انسانیہ کے ساتھ ظاہر ہوئی۔

لب شکر/ شکریں: وہ کلام ہے جو انبیاء علیہم السلام پر بذریعہ فرشتوں کے اور اولیاء کرام پر بذریعہ تصفیہ باطن کے نازل ہوتا ہے۔

لب شیریں: حالت صحو میں رب کا عبد سے بے واسطہ کلام کرنا بشرط ادراک اور شعور کے ساتھ۔

لب لعل: بطون کلام معشوق کی لذت و ذوق اور اس کے باطنی معنی کو لب لعل یا لعل لب، لب لال جاناں جو حیات بخش ہیں سے مراد

لیتے ہیں ۔

لحظہ : مراتب محبت کا پہلا درجہ لحظہ محبت کا مادہ اور مودّت کی اصل ہے گویا کہ نطفہ ہے محبت کا ۔

لذتِ الوہیت/لذتِ سریانیہ : لذتِ الوہیت حق تعالیٰ اپنے اسماء و صفات کو بلا وسیلہ انسان کامل ظاہر نہیں فرماتا ۔ اس کے جملہ اسماء وصفات دو اقسام پر ہیں ۔ ایک تو وہ جو انسان کامل کی داہنی جانب سے متعلق ہیں جیسے حیات وعلم و قدرت و ارادہ و سمع و بصر وغیرہ۔ دوسرے جو بائیں جانب سے متعلق ہیں جیسے ازلیت و ابدیت و اولیت و آخرت وغیرہ ۔ انسان کو جملہ اسماء وصفات کی لذتیں تزکیہ و تصفیہ سے حاصل ہوتی ہیں ۔ ان تمام لذتوں کے علاوہ انسان اپنے وجود میں ایک لذت سریانیہ پاتا ہے جسے لذت الوہیت بھی کہتے ہیں یہ لذت تمام وجود میں پائی جاتی ہیں ۔

بعض فقراء اس لذت میں پڑے رہنے کی آرزو کرتے ہیں ۔

لسان الحق: لسان الغیب انسان کامل اور حقیقت محمدی ﷺ اور نورمحمدی ﷺ اور ذاتِ محمدی ﷺ کو کہتے ہیں ۔

نیز وہ انسان کامل بھی جس کو فنائیت اسم متکلم کی حاصل ہے اور مظہریت اسم متکلم سے مستحق ہے۔ ایسا انسان لسان الحق اور لسان الغیب کہلاتا ہے جیسے حضرت خواجہ شمس الدین محمد حافظ علیہ الرحمہ صاحبِ دیوان حافظ۔

لطائف ستہ : جسم انسانی میں چھ مواضع ہیں جن پر فیوض وانوار و برکاتِ الٰہیہ کا نزول ہوتا رہتا ہے ۔یعنی چھ لطیفے یہ ہیں ۔

(۱) لطیفۂ نفس یعنی تجلی نفس۔ مقام اس کا ناف ہے۔نور اس کا زرد ہے۔

(۲) لطیفہ قلب قلبی۔ دو انگل زیر پستان چپ ، نور اس کا سرخ ہے معرفت کا محل ہے ۔ مقام اس کا عضو دل ہے جو سینہ میں بائیں طرف ہوتا ہے۔

(۳) لطیفہ روح روحی۔ دو انگل زیر پستان راست۔ نور اس کا سپید ہے ، محبت کا محل ہے ۔ مقام اس کا سینے کے داہنی طرف ہے ۔

(۴) لطیفہ سر سرّی مقام اس کا درمیان سینہ اور خم معدہ ہے نور اس کا سبز ہے ، مشاہدہ کا محل ہے ۔

(۵) لطیفہ خفی ہے۔ مقام اس کا پیشانی بالائے ابرو ، نور اس کا نیلگوں ہے ، اسے لطیفہ قالبیہ بھی کہتے ہیں ۔ یہ مقام اتصال ہے درمیان روح و جسم کے ۔ عالم قدس سے فیضان براہ راست اسی لطیفہ پر نازل ہوتا ہے پھر دیگر لطائف میں تقسیم ہوتا ہے روح بدن میں اسی راستہ سے آتی ہے اور اسی راستہ سے جاتی ہے ۔

(۶) لطیفہ اخفی ہے ۔ مقام اس کا تالوی سر ہے ۔ یہ ام الدماغ ہے۔ نور اس کا سیاہ ہے مثل سیاہی چشم کے۔ ان چھ لطیفوں کو اطوار ستہ بھی کہتے ہیں ہر ایک لطیفہ کا خاص خاص ذکر ہے ۔ حضرت نقشبندیہ علیہم الرحمہ کے یہاں ان لطائف کا کھلنا سلوک میں ضروری ہے اگر یہ لطائف نہ کھلیں مراتب علیا اور معرفت میں واصل نہ ہو گا ۔

محققین صوفیا کرام اور عارفین کامل فرماتے ہیں کہ سالک کو ان لطائف کے ذریعہ سے ہرگز معرفت الٰہی حاصل نہ ہو گی اور نہ وہ واصل بالذات ہوسکتا ہے کیونکہ یہ لطائف تجلیات صفات کے ہیں ، وصال ذات کو ان سے کچھ نسبت نہیں بلا راہ وحدت الوجود کے کہ جو نتیجہ ذکر کلمہ طیبہ کا ہے وصال ذات کا ممکن نہیں کیونکہ توحیدی سے نفی غیریت اور خودی کی ہوتی ہے۔

لطف : ۱. تائید الٰہی ، تجلی جمالی اور تائید حقانی جو لقائے سالک کے واسطے ہوتی ہے ۔

۲.معشوق کا عاشق سے پرورش کرنا موافقت اور نسبت سے۔

لطیفہ : ایک وجدانی کیفیت اور قلب لذت ہے جس کو روح ادراک کرتی ہے۔لفظوں میں اس کا بیان نہیں ہوسکتا۔

مثلاً کسی شے کا مزہ امر دقیق المعنی کی طرف دل میں ہوتا ہے ، علوم ذوقی عبارات سے سمجھ میں نہیں آ سکتے ۔

لطیفہ انسانیہ : یعنی حقیقت انسانیہ جس کو قلب کہتے ہیں اور فلسفی اسی کو نفس ناطقہ کہتے ہیں ۔ حقیقت میں یہ لطیفۂ انسانیہ تنزل روح ہے ۔ لطائف سے مرتبۂ کثافت یعنی نفس حیوانی کی طرف اسی وجہ سے حقیقۂ انسانیہ برزخ ہے درمیان روح اور نفس حیوانی کے لہذا لطیفہ انسانیہ ۔ حقیقۂ انسانیہ ۔قلب کے دوطرف دو جہت ہوئیں ایک روح کی طرف

دوسری نفس حیوانی کی طرف۔ پہلی کو فواد۔ دوسری جہت کو صدر کہتے ہیں۔

لقاء : ۱. معشوق کا ظہور اس شان کے ساتھ کہ عاشق کو یقین آ جائے کہ معشوق ہی ہے جس نے صورت انسانی میں ظہور فرمایا۔

۲. عاشق اور طالب کو یہ یقین ہو جانا کہ کسی خاص مظہر مثلاً انسان یا جملہ مظاہر میں وہی معشوق حقیقی جلوہ گر ہے، لقاء عاشق بالمعشوق کہلاتا ہے۔

لوامع : سالک پر ابتدائی حالت میں انوار اس طرح وارد ہوتے ہیں کہ پہلے اس کو قوت متخیلہ دماغیہ پر روشن ہوتے ہیں پھر سالک ان انوار کو مثل چاند یا سورج یا تارے کے آنکھ سے دیکھتا ہے اور اپنے گرد ان کی روشنی پاتا ہے ان انوار کا نام لوامع ہیں کیونکہ بہت چمکدار ہوتے ہیں اور ان کا رنگ دو طرح کا ہوتا ہے سرخ۔ سبز۔

لوامع سرخ انوار قہریہ ہوتے ہیں جو سالک کے نفس کی تادیب کی غرض سے اس پر وارد ہوتے ہیں۔

لوامع سبز انوار جمالیہ ہوتے ہیں جو سالک پر لطف و مہربانی کے طور پر وارد ہوتے ہیں اور بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ لوامع ہم معنی طوامع کے ہیں جن کا بیان حرف ط میں ہو چکا ہے۔

لوائح : صوفیاء کرام کے نزدیک لائح تجلی ذاتی کو کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں لائح نورِ تجلی ہے اور بعض اسرار ظاہر کے ظاہر ہونے کو کہتے ہیں۔

لوح قضاء : کتاب مبین کو کہتے ہیں بعضوں کے نزدیک یہ چار ہیں۔ لوحِ محفوظ یعنی ذات کا علم اجمالی۔ یہی حقیقۃ محمدیہ ﷺ اور تعین اول اور عقل اول اور کتاب مبین ہے اس کو لوح قضا بھی کہتے ہیں۔

لوحِ قدر : لوح نفس، ناطقہ کلیہ، جس میں لوح اول کا اجمال تفصیل میں آیا یعنی ذات کا علم تفصیلی اس میں ان حقائق کلیہ (جو لوح محفوظ میں مجمل تھیں) کی تفصیل ہوتی ہے۔ یہ ذات کا مرتبۂ واحدیت ہے۔

لوح محفوظ : اصطلاح میں نفس کل کو کہتے ہیں جو عبارت ہے نور الٰہی حقی سے جو مشہد خلقی میں متجلی ہے۔ قلم اعلیٰ لوح محفوظ میں بالا یجاد جاری ہے۔ اسی قلم سے بذریعہ لوح عوالم آفاقی کی تخلیق ہوئی۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے شب معراج میں قلموں کی آوازیں سنیں جو لوحوں پر چلتی تھیں اور وہ قلم تین سو ساٹھ (۳۶۰) ہیں اور لوحیں بھی تین سو ساٹھ (۳۶۰) ہیں۔ حضرت شیخ اکبر نے لکھا ہے ان قلموں اور لوحوں کا مرتبہ قلم اعلیٰ اور لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے مٹ نہیں سکتا اسی سبب سے اس کو لوح محفوظ کہتے ہیں۔

لوح نفس جزویہ سماویہ : لوح مثال یعنی عالم مثال ہے۔ جو کچھ اس عالم اجسام میں سماویہ ہے سب کا نمونہ اس عالم مثال میں پہلے قائم ہے اس کو اسماء دنیا بھی کہتے ہیں۔

لوح ھیولیٰ : لوح صور جزئیہ یا لوح ھیولیٰ ہے یہ عالم شہادت ہے۔ یعنی لوح قدر کو بھی لوحِ محفوظ کہتے ہیں۔

لوح اول مشابہ روح کے ہے۔ لوح ثانی مشابہ قلب کے ہے۔ لوح ثالث مشابہ عالم خیال کے ہے۔

لہو: سالک کا یادِ حق سے غافل ہونا اور اعتبارات غیریت میں پھنسا رہنا لہو ہے بعض کہتے ہیں ذات کا اعتبار بہ حسب غیبت وفقدان۔

لیلۃ القدر: سالک سلوک پورا کر کے جب مقام عین الجمع میں پہنچتا ہے اور اس کا عرفان کامل ہو جاتا ہے تو اس وقت سالک پر ایک خاص تجلیِ ذات وارد ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے مقامِ قرب کو پہچان جاتا ہے۔

یہ وہ ایک رات ہے جس میں سالک ایک تجلی خاص کے ساتھ مختص ہے اور بسبب اس کے سالک اپنی قدر کو محبوب کے نزدیک پہچانتا ہے اور یہ وقت ابتداء وصول سالک کا ہے عین جمع کی طرف اور یہ ہی مقام کامل المعرفت ہے۔

لی مع اللہ : مرتبہ اتحاد یہ انسان کامل ہی کا مختص حصہ ہے۔ حدیث نبوی ﷺ (مجھ کو حق تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے۔ جس میں ملک مقرب اور نبی مرسل نہیں سماتے)۔

م

ماجرا: بیان وشرح دردِ عشق ۔

ماسک وممسوک بہ/ممسوک لاجلہ :ماسک ممسوک لغت میں چنگل مارنے والے اور جس کی وجہ سے چنگل مارا جاتا ہے کہتے ہیں۔ اصطلاح میں وہ شیون معنوی ہے جو حقیقت انسانی ہے جس سے قیام آسمان اور زمین کا ہے اس واسطے حق تعالیٰ نے فرمایا'' ترجمہ: اگر نہ پیدا کرتا میں تجھ کو نہ پیدا کرتا میں افلاک کو'' حقیقت انسانی جو مقوم الافلاک وغیرہم ہے ۔

ان سے مراد انسانِ کامل ہے، جملہ نظامِ عالم کا دار و مدار اسی پر ہے اور سب کچھ اسی کے لیے ہے۔

مالک الملک : اطلاق اس کا حق پر کیا جاتا ہے وقت جزا و بدلا دینے کے بندے کے واسطے ان کے اعمال پر جس کے کرنے کا حق نے امر کیا تھا، حق سبحانہ تعالیٰ ہی سزا و جزا دینے والا ہے وہی مالک الملک ہے۔ سب کچھ اسی کے لیے ہے ۔

ماہتاب: تجلی دلِ سالک کو کہتے ہیں۔

ماہ روئی/ماہرو/ماہروی : تجلیات صوری پر سالک کا مطلع ہونا، نیز وہ تجلیات مادی جو سالک پر خواب یا حالتِ بیخودی میں مادی صورتوں میں تجلیات کا منکشف ہونا۔

ماءُ القدس : سے مرادعلم لدنی ہے وہ ایک مقدس اور نورانی علم ہے جس سے سالک منور ہو جاتا ہے، اور کثافتِ جسمانی اور وحدت سے پاک ہو کر تجلیِ حقیقی ذاتی اور نورِ قدم سے مزین ہو جاتا ہے اور شاہد شہود حقیقی (مشاہدہ کرنے والا) تجلی قدیم میں جو ارفع حوادثات ہے مراد اس علم سے علم حقائق ہے ۔

مبادی النہایات : فریضہء عبادت کو کہتے ہیں، یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔ یہ چاروں فرائض بندے کو انتہائی کمال تک پہنچا دیتے ہیں ۔ چنانچہ نماز قربِ حق اور واصلِ ذات ہوتی ہے **الصلوٰۃ معراجُ المومنین** نماز مومن کی معراج ہے اسی کی طرف اشارہ ہے ۔

روزہ سے کثافتِ جسمانی و لذاتِ بشری دور ہوتی ہیں اور فنائیت ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ حاصل ہوتی ہے، حدیثِ قدسی (الصَّومُ لی و انا اجزی بہ) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں ہوں ۔

زکوٰۃ سے ماسوائے اللہ کی الفت زائل ہو کر حقِ سبحانہ تعالیٰ سے خلوص ومحبت پیدا ہوتا ہے ۔

حج سے مقام بقا بعدالفنا حاصل ہوتا ہے۔

مبداء: ا۔لغت میں محل آغاز اور محل ظہور کو اور اصطلاح میں ذات واجب تعالیٰ اور اسمائے کلی کونی کو کہتے ہیں۔ ذات کی ابتدا یہاں سے ہے یعنی احدیت ذاتیت سے اور ترتیب نزول ذات کی یوں ہے کہ ذات حق سے سرّ پیدا ہو اور سرّ سے نور اور نور سے نار اور نار سے باد اور باد سے آب اور آب سے خاک اور خاک سے انسان کامل یا یوں کہ احدیت سے وحدت اور وحدت سے واحدیت اور واحدیت سے ارواح اور ارواح سے مثال اور مثال سے عالم شہادت خصوصاً انسان کامل پیدا ہو اور نسل انسان میں بترتیب مذکر نزول پا کر رحم میں منی اور منی سے علقہ ہوتا ہے بعد اس کے مضغہ بعد اس کے طفل جوان بعد اس کے پیر بعد اس کے پھر موت حاصل ہوتی ہے ۔

شرح گلشن راز میں ہے کہ ہر ایک کا مبداء اور اس کا اسم ہے اور اُسی سے اسم ظہور ہوتا ہے (ترجمہ: جیسا کہ ابتدا کی تم نے پلٹو گے) یعنی ہر شے ایک اسم کا مظہر ہے اور اس کا مبدا و معاد اسی اسم سے ہے مگر انسان کامل کہ جو مظہر اور عارف کل اسماء کا ہے ۔

۲۔معاش۔ معاد۔ ۳۔ مرتبہ وجود علمی، اسمائے کلی کونی ۔

مبداء و معاد : مبداء جائے آغاز، اور معاد جائے بازگشت ہے، وہی ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ مبداء ہے، جمیع موجودات کا سب کچھ اُسی ذات سے شروع ہوا ہے اور وہی ذاتِ اقدس معاد و مرجع ہے۔ کُل موجدات کا سب کچھ اسی ذات تک منتہی ہوتا ہے ۔

شغل مبداء و معاد اسے کہتے ہیں کہ جس طرح ذاتِ احدیت نے

وحدت میں، وحدت سے واحدیت میں واحدیت سے عالم ارواح میں۔ عالمِ ارواح سے عالمِ مثال میں۔ عالمِ مثال سے عالمِ شہادت میں نزول فرمایا ہے۔

سالک کو چاہئے کہ عالم شہادت کو فنا کر کے مثال میں۔ مثال کو فنا کر کے عالمِ ارواح میں، عالمِ ارواح کو فنا ومحو کر کے واحدیت میں اُسے فنا کر کے وحدت میں اُس سے ترقی کر کے ذاتِ احدیت میں عروج کرے اور اسی میں محو وفنا ہوجائے۔

حقائقِ الٰہیہ کلیہ (جیسے : بدیع، باعث وغیرہ کو مبداء کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ اسماء رب ہیں، اور ان سے ہی حقائقِ کیانی کا ظہور ہے، وہ ان کے مربوب ہیں، ان کو معاد کہتے ہیں۔

شرح گلزار راز میں لکھا ہے کہ ہر شئے ایک اسم کا مظہر ہے اس کا مبداء و معاد وہی اسم ہے، لیکن انسان کامل مظہر جمیع اسماء کا ہے، اور عارف جمیع حقائق کا ہے۔

مبدئیت: مبداء سے ذات مراد ہے اور مبدئیت ایک نسبت محض ہے درمیان احدیت اور واحدیت کے باعتبار تقدم ذات احدیت کے واحدیت پر جو منشاء تعینات اور صفات اور اسماء ہے اور یہاں پر اضافت محض باعتبار تجلی کے ہے۔

مبنی التصوف: یعنی تصوف کی بنا وہ تین خصلت ہیں جو حضرت ابومحمد ردیم قدس سرہ نے بیان فرمائی ہیں (۱) اختیار کرنا فقر و افتقار کو اور ثابت رہنا (۲) ہمیشہ بذل و ایثار کرنا (۳) اور تعرض اختیار کو ترک کرنا اور بعض کے نزدیک توحید کو اختیار کرنا اور بیباک ہونا راہ طلب میں اور تکلف کو برطرف کرنا مراد ہے۔

متصوف وہ صاحبِ اصول جو مجاہدہ سے مرتبہ وصول تک پہنچنے میں مصروف ہو۔

متحقق بالحق: وہ سالکِ کامل ہے جو مشاہدہ کرے حق سبحانہ کا ہر ذرہ میں اور اس ذاتِ مطلق کو ہر مقید کا عین دیکھے۔

متحقق بالحق والخلق: وہ سالک کامل واکمل ہے جو فنا فی اللہ ہو کر بقا باللہ میں متمکن ہے اور حق کو خلق میں اور خلق کو حق میں مشاہدہ کرتا ہے وہ متحقق بحق وخلق فانی اور باقی ہو گا۔

متشابہات: متشابہات وہ آیات ہیں جن کے صحیح معنی وہی لوگ سمجھتے ہیں جو واصلِ بحق ہیں اور نورِ نبوت کی روشنی سے منور وعلمِ لدنی سے بہرہ ور ہیں۔

متشابہ محکم: قرآن شریف میں بعض آیات محکمات ہیں اور بعض متشابہات، محکمات وہ آیات ہیں جن میں صاف طور سے احکام و اوامر بیان کئے گئے ہیں؛ جیسے: (اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ)۔ وغیرہ۔ جیسے: "الرحمن علی العرش استوی" "حمٓعسق" "کھٰیٰعص" وغیرہ۔ یہ آیات متشابہات قرآنی ہیں معانی ان آیتوں کے بہ نظر تشابہ دوسرے معانی کے سوائے حق اور راسخین فی العلم کے عوام نہیں جانتے جیسا کہ قول شافعیہ کا ہے اور حنفیہ کے نزدیک سوائے خدا اور رسول ﷺ کے اور کوئی نہیں جانتا کیونکہ نزول میں شرط منزل علیہ کا جاننا ہے۔

مثال: ۱۔ عالمِ مثال برزخ ہے درمیان عالمِ ارواح و عالمِ اجسام کے، ارواح سے کثیف اور اجسام سے لطیف ہے۔ عالمِ مثال ظل ہے عالمِ ارواح کا اور عالمِ مثال کا ظل عالمِ اجسام ہے۔ جو کچھ انسان خواب میں دیکھتا ہے وہ عالمِ مثال کی صورت ہوتی ہیں۔

۲۔ اصطلاح صوفیا میں عینیت ہے اور شرع میں غیریت اور بعضے لکھتے ہیں نہ عین ہے اور نہ غیر، بعض نے فرق کیا ہے یعنی مثل میں ایک قسم کی مشابہت ثابت ہے لیکن مثال میں شبہہ تمام چاہئیے اس واسطے کہ حروف کی کثرت معنی کی کثرت پر دلالت کرتی ہے اور کہا گیا ہے علی العکس اور عالم مثال بالاتر عالم شہادت سے ہے اور فروتر عالم ارواح سے اور عالم شہادت سایہ عالم مثال ہے اور عالم مثال سایہ ارواح ہے اور جو کچھ اس عالم میں ہے وہ سب عالم مثال میں ہے اور اسے عالم نفوس بھی کہتے ہیں اور خواب میں جو چیز دیکھی جاتی ہے اسے صور عالم مثال کہتے ہیں۔

مجاز: جملہ موجودات ماسوائے اللہ مجاز کہلاتے ہیں اس لئے کہ حقیقی اور اصلی وجود تو حقِ سبحانہ تعالیٰ کا ہی ہے اور یہ سب اس وجودِ حقیقی کا ظل ہے انکا وجود مجازی ہے اور بعض صرف عالمِ اجسام کو عالمِ مجاز کہتے ہیں۔

مجاز حقیقت: ذاتِ حق تعالیٰ ہے اور جملہ مراتبِ ظہور مجاز ہیں یعنی اعیانِ ثابتہ صورِ علمیہ سے لے کر عالمِ اجسام تک جملہ مراتب نزول کو مجاز کہتے ہیں کیونکہ سب کا ظہور اور وجود ذاتِ حق تعالیٰ سے ہے۔

لغت میں راستہ اور جائے گزار اور ضد حقیقت کو کہتے ہیں اور اُس کلمہ کو بھی کہتے ہیں جو معنی غیر موضوع میں مستعمل ہو اور معنی موضوع بھی متروک نہ ہوں اور اصطلاح میں حقایق اشیاء کونی کو مجاز کہتے ہیں واضح ہو کہ وجود انسان میں مثلاً جو کچھ کہ جواہر اور اعراض موجود ہیں وہ ظہورات اسماء الٰہی ہیں۔

جیسا کہ آتش اور باد اور آب اور خاک وجود انسانی میں موجود ہیں پس باد ایک عنصر ہے عناصر اربعہ سے جس نے اسم ''حی'' سے ظہور پایا ہے اور وہ اسی اسم سے متجلی ہوا اور اسم ''حی'' ایک اسم ہے اسماء الٰہی سے یعنی جو حرکت کہ جسم انسان میں ہے باد سے ہے۔

آتش ایک عنصر ہے عناصر اربعہ میں سے جس نے اسم ''قابض'' سے ظہور پایا اور اسی سے متجلی ہوا اور قابض ایک اسم الٰہی سے ہے یعنی بعد حرکت کے شوق لذت سے جو جوش حاصل ہوتا وہ آتش ہے۔

آب بھی ایک عنصر ہے عناصر اربعہ میں سے جس نے اسم ''محی'' سے ظہور پایا اور متجلی ہوا اور آتش اور باد سے آب حاصل ہوا یعنی جب کہ شوق لذت بہت غالب ہوا اور کمال غلبہ سے جو چیز ظاہر ہوئی اس کا آب نام رکھا گیا۔

خاک ایک عنصر ہے عناصر اربعہ میں سے جو اسم ممیت سے ظاہر اور متجلی ہوا اور اسم ممیت ایک اسم ہے اسماء الٰہی میں سے پس عنصر خاک بعد باد اور آتش اور آب کے ظاہر ہوا۔

منی جب رحم میں قرار پائی خاک کی حیثیت پیدا کی۔ پس اس طرح تمامی اسماء مجاز ہیں بہ نسبت مسمے کے، مسمے حقیقی ہے اور سب اسماء کا ظہور انسان میں ہے اور مجاز عالم حس اور عالم اجسام اور شہادت اور خلق اور عالم ملک اور کل کائنات موجودات اور ماسوا اللہ کو بھی کہتے ہیں۔

مجالی الاسماء الفعلیہ: یہ عبارت مراتب کونیہ سے ہے کہ جو اجزائے عالم اور آثار افعال اسماء کی ہیں۔

مجالی کلیہ/مجلۃ کلیۃ / ومطالع/ ومنصات: ان تینوں لفظوں کے معنی قریب قریب ہیں مراد ان سب سے مظاہر میں ان مفاتح غیوب کے کہ ان کی وجہ سے وجود کے درمیان ظاہر اور باطن جو ابواب کہ مسدود تھے وہ کھل گئے ہیں اور اُن مظاہر اور مجالی کے پانچ مراتب ہیں۔

اول مجلّے ذات احدیت اور عین جمع اور مقام او ادنےٰ اور حقیقہ الحقائق کا ہے اور یہ مجلّے غایت الغایت اور نہایت النہایت کا ہے۔

اور دوسرا مجلّے برزخیر اولےٰ اور مجمع البحرین اور مقام قاب قوسین اور حضرت جمعیت اسماء الٰہیہ کا ہے۔

اور تیسرا مجلّے عالم جبروت اور ارواح کا ہے۔

اور چوتھا عالم ملکوت اور مدبرات سماویہ اور قائمین بامر اللہ کا ہے عالم ربوبیت میں۔

اور پانچواں عالم ملک اور شہادت کا ہے ساتھ کشف صوری اور عجائب عالم مثال اور مدبرات کونیہ کے عالم سفلی میں۔

مجاہدہ: ا۔خواہشاتِ نفس کو مٹانا اور اس کے خلاف کرنا، اوصاف ذمیمہ کو اوصاف حمیدہ میں تبدیل کرنے کی کوشش، مقابلہ نفس، مخالفت ہوا۔ ''من عرفہ نفسہ فقد عرف ربہ'' اس کی تفصیل ہے۔

مجذوب: وہ ہے کہ جس پر جذبہء الٰہی ایسا طاری ہو کہ ایک آن میں اُسے واصل بحق کردے اور تمام مقاماتِ عروج بلاکسب و مجاہدہ اس کے طے ہو جائیں اور وہ مستغرق و محوِ ذات ہو جائے اور اس عالم سے بالکل بے خبر ہو جائے اور بحرِ عشق دریائے توحید میں مست و بیخود ہو جائے اس وجہ سے ان پر قانونِ شریعت نافذ نہیں ہوتا ہے۔

ہمیشہ یہ حالتِ سکر میں رہتے ہیں اور مقام بقاء بعد الفناء میں نہیں آتے اور صحو بعد المحو اور جمع الجمع میں ورود نہیں کرتے اسی لئے یہ ناقص رہتے ہیں۔

محققین صوفیاء ان کو کامل نہیں مانتے کیونکہ کمال یہ ہے کہ بعد فنائیت کے خلق کی طرف نزول کرے اور مقامِ عبدیت میں آئے جو سب سے ارفع مقام ہے تاکہ خلق کو نفع پہنچائے اور جانشین و وارث ختم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنے۔

۲. مجذوب وہ ہے جو ایک شئے کی ماہیت میں گم ہو اور ترقی نہ کرے اور اس کی لذت میں محو ہو۔

بعض صوفیا کہتے ہیں کہ مجذوب وہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنے نفس کے لئے پیدا کیا ہے اور پسند کیا اس کو اپنی انسیت کے لئے اور پاک کیا اس کو کدورات غیریت سے پس جمع کیا اس نے جمیع نعماء اور مواہب الٰہیہ کو اور فائز ہوا وہ تمامی مقامات پر بلا کلفت و مجاہدات کے۔

جاننا چاہئے کہ مجذوب اسم مفعول ہے اور مصدر اس کا جذبہ ہے جس کے معنی کھینچنے کے ہیں پس جذبات الٰہیہ مختلف الانواع ہیں اور استعدادات انسانیہ بھی متفاوت ہیں۔ ان میں سے جس کو جذب تام ہوا اور اس کی استعداد نے اس کو پوری طرح پر لے لیا اس کو تمام مدارج آن واحد میں طے ہو گئے اور مراتب صفات سے ذات تک پہنچ گیا اس کو مجذوب سالک کہتے ہیں۔ اور جس کی استعداد اعلیٰ نہیں ہے اگر کوئی جذبہ اس کو پہنچا اور وہ اس کی لذت میں مقید و مبتلا رہا تو اس کو مجذوب صرف کہتے ہیں۔

۳. سالک مجذوب اسے کہتے ہیں جس نے مجاہدہ و ریاضت سے اولاً تزکیہ نفس وغیرہ حاصل کیا اور منتظر جذبہ کا رہا کہ یکا یک جاذبہ آیا اور اس نے اس کو واصل کر دیا۔

اور محض سالک وہ ہے کہ محنت و ریاضت کرتا ہے اور جاذبہ کا محتاج ہے کیونکہ حق کو کوئی بلا جاذبہ کے پا نہیں سکتا جیسا کہ خود ارشاد ہے (لیس الصراط الا بالجذبة) یعنی نہیں ہے راستہ مگر ساتھ جاذبہ کے۔

پس ترتیب یہ ہوئی مجذوب سالک، سالک مجذوب، مجذوب صرف، سالک صرف۔

مجلس: آیات اور اوقات حضور حق اور بعض مشاہدہ واحدیت کو کہتے ہیں کہ وہاں تمام اعیان علم حق حاضر ہیں اور بزم، محفل اس کے مرادف ہیں۔

مجمع اضداد: سے مراد ہویت مطلقہ و ذات بحت ہے، کیونکہ جملہ مختلف عالم اسی سے ہیں۔

مجمع الاہوا: مراد جمالِ مطلق ہے کیونکہ یہ فیض جمالی سے متعلق ہے۔

مجمع البحرین: عبارت ہے قاب قوسین سے نیز مراد مرتبہء وحدت یعنی، حقیقت محمدیہ ﷺ ہے، کیونکہ بحرِ امکان و بحرِ وجوب اس میں مجتمع ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ اُس سے مراد مرتبہء واحدیت ہے کیونکہ اس میں بحرِ حقائق الٰہیہ اور دوسرا بحرِ حقائق کونیہ مجتمع ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجمع البحرین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مظہر العالمین ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس عالم میں نزول فرمانا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال ہے اور اپنے اصلی مقام پر لیلۃ المعراج فرمانا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال ہے۔

مجمع جمع ومحق حقیقی: یعنی کثرت کا وحدت میں فنا کرنا۔

مجمل در مفصل: اس سے رویت ذات احدیت کثرت مراد ہے۔

مجہول النعت: نعت کہتے ہیں وصف ثبوتی کو، وہ تصریف جو موجب تمیز ذاتی ہو۔

محابی اسماء فعلیہ: سے مراد مراتبِ کونیہ و اجزاء و افرادِ عالم ہیں، اور آثار افعال اسماء کی ہے۔

محابی کلیہ / مطالع منصات: ان تینوں الفاظ کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی مفاتیح غیب، غیب کی کنجیاں۔ جن کے ذریعہ سے علمِ باطن کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جملہ حجابات اُٹھ جاتے ہیں، یہ محابی و مطالع پانچ ہیں۔

(۱) مطلع عالم شہادت ہے وہ یہ کہ سالک کو کشفِ صغریٰ حاصل ہو اور اس پر مدبرات عالم کونیہ و عجائبات عالمِ مثال منکشف ہو جائیں۔ اس کے بعد۔

(۲) مطلع عالمِ ملکوت ہے یعنی سالک پر مدبراتِ سماویہ و اسرارِ عالم ربوبیت منکشف ہو جائیں۔ اس کے بعد۔

(۳) مطلع عالمِ جبروت ہے یعنی اسرارِ عالم جبروت و ارواحِ قدسیہ سالک پر ظاہر ہو جائیں۔ اس کے بعد۔

(۴) مطلع برزخیۃ اولیٰ و مقام قاب قوسین و مجمع بحرین وحضرت جمعیۃ السماء الٰہیہ ہے یعنی سالک مرتبہء واحدیت و حدت میں ترقی کرے۔ اس کے بعد۔

(۵) مطلع ذات ہے یعنی سالک مقام اوادنیٰ و حقیقۃ الحقائق میں پہنچے

اور مرتبۂ احدیت میں ترقی کرے۔ یہ مطلع سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔
محادثہ: لغت میں کلام کرنے کو کہتے ہیں، مراد اس سے خطاب کرنا۔
حق سبحانہ تعالیٰ کا کسی خاص صورتِ جسمانی میں اپنے بندہ سے خطاب کرنا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شجر سے ندائے حق آئی۔
نیز سالک کی دعوات روزینہ کو بھی محادثہ کہتے ہیں، چنانچہ نماز میں بندہ خدا سے اور خدا بندہ سے باتیں کرتا ہے۔
خطاب حق تعالیٰ جو عالم الملک و الشہادت سے عارفوں کی جانب ہوتا ہے۔
محاذات: ماسوائے اللہ سے منقطع ہو کر حق سبحانہ تعالیٰ کی جناب میں حضوری حاصل کرنا۔
محاسبہ: بندہ ہر حال میں اپنے احوال سے واقف رہے اگر طاعت میں ہے تو شکر کرے اور اگر معصیت میں ہے تو کثرت سے توبہ و استغفار کرے، اسے محاسبہ کہتے ہیں۔
محاضرہ: قدرت کی نشانیاں دیکھ کر حق تعالیٰ کے حضورِ کیفیت قلب کے ساتھ استفادہِ حقائق اسمائیہ حاصل کرنا۔
محافظت: مراقبہ اوقات کو کہتے ہیں۔
محبّ: صاحب محبت کو کہتے ہیں۔ عام اس سے کہ طلب اس کی مقارن اس پایہ کی ہو یا نہ ہو، محبت ایک نسبت ہے درمیان محبّ و محبوب کے۔
محبت: یہ مشتق ہے حب سے، حب اس تخم کو کہتے ہیں جو زمین میں پڑتا اور پوشیدہ ہو جاتا ہے، پانی بھی اس پر برستا ہے اور دھوپ بھی پڑتی ہے لیکن وہ متغیر نہیں ہوتا بلکہ اپنے وقت پر اُگتا اور پھلتا اور پھولتا ہے۔ اسی طرح محبت جب دل میں قائم ہوتی ہے تو وہ حضور اور غیبت بلا اور محنت راحت اور لذت فراق اور وصال سے متغیر نہیں ہوتی بلکہ بڑھتی رہتی ہے اور باعث حیات قلب اور غذائے روح ہوتی ہے۔
نہایت محبت ہی کو عشق کہتے ہیں اور بدایت محبت کو موافقت بعد موافقت میل پھر موانست پھر مودت پھر ہوا پھر خلت پھر محبت پھر شغف پھر تیم پھر ولہ ہے بعد ان سب کے آخری درجہ عشق ہے۔

موافقت یہ ہے کہ دشمنان حق یعنی دنیا و نفس و شیطان سے علیحدگی و دشمنی رکھے اور دوستان حق سے دوستی اور انہی کی ملازمت اور صحبت اختیار کرے یہاں تک کہ انہی لوگوں کا منظور نظر ہو جائے۔
میل و موانست یہ ہے کہ سب سے اعراض کرے اور حق کا خواہاں و جویاں رہے اور اسی خیال سے موانست پیدا کرے۔
مودت یہ ہے کہ خلوت دل میں بعجز و زاری و اشتیاق و بیقراری مشغول رہے اور ہمیشہ مجاہدہ کرتا رہے اور اپنے آپ کو بالکل محبوب کی یاد میں فانی کر دے۔
خلت یہ ہے کہ بجز محبوب کے کسی دوسرے کو اپنے دل میں جگہ نہ دے
محبت یہ ہے کہ اوصاف ذمیمہ بشری سے پاک ہو جائے اور اوصاف حمیدہ ملکی سے متصف ہو۔
شغف یہ ہے کہ غایت شوق میں محبت کو چھپائے تاکہ کسی پر دل کی حالت ظاہر نہ ہو۔
تیم یہ ہے کہ اپنے کو اسیر و بندۂ محبت کر دے اور تفرید باطنی و تجرید ظاہری اختیار کرے۔
ولہ یہ ہے کہ اپنے آئینہ دل کو جمال معشوق کے مقابل رکھے اور اس سے مست و سرشار ہوتا رہے۔
اور عشق یہ ہے کہ اپنے کو گم کرے۔
محبت کی بھی بہت سی اقسام اور درجے ہیں جن کا بیان کبھی تمام ہو ہی نہیں سکتا اور یہ تمام ہونے والی چیز بھی نہیں ہے۔
محبتِ اصلیہ: محبت ذاتیہ کو کہتے ہیں جو اپنی ذات کے لیے ہو نہ باعتبار کسی امر زائد کے کیونکہ ذاتیہ اصل تمامی محبتوں کی ہے پس جو محبت کہ درمیان دو شئے کے ہوتی ہے وہ یا تو بسبب مناسبت ذاتیہ کے درمیان ان دونوں کے ہوتی ہے یا بسبب اتحاد کے درمیان ان دونوں کے کسی وصف یا مرتبہ یا حال یا فعل میں۔
محبوب: تجلی صفات کو کہتے ہیں اور بعض جمال کو بھی کہتے ہیں، محبوب، معشوق، صنم یہ سب حقیقت محمد یہ ﷺ ہے۔
محبوبیت: ولایت کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے یعنی حب ذاتی،

مرتبۂ وحدت کیونکہ سالک ترقی وعروج کر کے جب مرتبۂ وحدت یعنی حقیقتِ محمدیہ ﷺ میں پہنچتا ہے تو مرتبۂ محبوبیت پاتا ہے حق سبحانہ تعالیٰ اس کا عاشق ہوتا ہے اور وہ محبوب کہلاتا ہے۔ افراد مفردان کا واحد ہے۔ جب قطب عالم ترقی کرتا ہے تو فرد ہو جاتا ہے۔ افراد جب مزید ترقی کر کے فردانیت میں کامل ہو جاتا ہے تو محبوبیت کا مرتبہ پاتا ہے۔

محتسب : متشرع ظاہری کو کہتے ہیں۔

مجذوب / مجذوب مطلق : اس سے مراد وہ شخص ہے کہ مقام حیرت پر فائز ہو اور کسی چیز کی اس کو خبر نہ ہو، بسبب شدت محویت اور استغراق کے۔ حیرت کے بیان میں تفصیل درج ہے۔

مخدع : ١. قطب الاقطاب یعنی غوث کا ایک خاص مقام اور اعلیٰ مرتبہ ہے۔ بفتح میم موضع قیام ستر (٧٠) قطب کا ہے۔

افراد واصلین سے یہ اسم ظرف ہے اس کے معنی پوشیدہ مکان کے ہیں جس کو نہاں خانۂ اسرار کہتے ہیں اور یہ افراد واصلین قرب اور وصول کی وجہ سے اس مقام پر پہنچے ہیں کہ کسی کا وہاں گزر نہیں، حضرت غوث پاکؒ کا شعر بھی اس مقام کا شعر ہے (انا الحسنی و المخدع مقامی) یعنی میں حسنی ہوں اور مخدع میرا مقام ہے۔

٢. قطب کے مستور طور پر رہنے کی جگہ۔

محراب : ١. مطلوب ومقصود و ولی کو کہتے ہیں یعنی جس شے کی طرف دل متوجہ ہو۔

٢. ہر مطلوب ومقصود جس کی جانب دل متوجہ ہو۔

محفوظ : وہ شخص ہے جو حق سبحانہ کی حفظ و امان میں ہو۔ ایسا شخص تسلیم و رضا میں پختہ ہوتا ہے اور اس سے کوئی فعلِ خلافِ احکامِ الٰہی سرزد نہیں ہوتا۔

محق : سے مراد سالک کا اپنی ہستی و وجود کو ذاتِ حق میں فنا کرنا ہے اور محو سے سالک کا اپنے افعال کو افعالِ حق میں فنا کرنا ہے اور طمس سے صفاتِ عبد کو صفاتِ حق میں فنا کرنا مراد ہے۔

محمود / مقام محمود : یہ استعارہ ہے حقیقت کی طرف اور اس کے معنی درجہ اعلیٰ حسنات کے ہیں۔ یہ مقام خاص مقبولیت مطلقہ کا ہے۔

محقق : ١. وہ شخص جس پر حقائقِ عالم منکشف ہوں اور اس کو علمِ لدنی حاصل ہو۔

٢. جسے ہر چیز میں شہودِ حق ہو وہ محقق ہے۔

٣. کشف الٰہی میں پہنچا ہوا، حقائق اشیاء، سوائے وجود حق دوسرا کوئی موجود نہیں وجودات اشیاء سوائے وجودات اضافیہ کے اور کچھ نہیں۔

مخلص/مخلَص : بفتح لام جسے خدائے تعالیٰ نے شرک و معاصی سے صاف فرمایا اور بکسر لام جس نے خدائے تعالیٰ کے لئے اخلاص کیا اور شریک اس کا نہ کیا اور حق تعالیٰ کا عصیان نہ کیا اور کہا گیا ہے۔

مخلص اپنے حسنات کو مثل اپنے سئیات کے مخفی کرتا ہے۔

محنت : عاشق کو راہِ عشق میں جو تکلیف و رنج ہوتا ہے وہ محنت ہے، وہ تکلیف و رنج خواہ اختیاری ہوں یا غیر اختیاری۔

محو : محوِ صفات، فنا فی الصفات ہونا، محوِ ذات، فنا فی الذات ہونا یعنی عادات و رفع اوصاف و بشری کے زائل کرنے کو اور اپنے افعال فعل حق میں فنا کر دینے کو کہتے ہیں۔

محو ارباب السرائر: وہ لوگ جو صفاتِ بشری سے پاک ہو کر متصف بصفات اللہ ہو جائیں اور اُن پر اسرارِ الٰہی رموزِ معرفت وحقیقت منکشف ہو جائیں۔

محو ارباب الظواہر: یعنی پیروی احکام الٰہی میں کمربستہ رہنا اور صفاتِ ذمیمہ سے بچنا اور اخلاقِ حمیدہ سے مزین ہونا۔

محو الجمع محو الحقیقی : کثرت کو وحدت میں فنا کرنا اسے محو الحقیقی بھی کہتے ہیں۔

محو العبودیت ،محو عین العبد : ١. وجود کی اعیان سے اضافت کا ساقط ہو جانا۔

٢. کوئی شئے موجود نہیں ہے ع بخدا غیرِ خدا در دو جہاں چیزے نیست۔ اور یہ سب کچھ جو موجود ہے بلاکم وکاست وہی ذاتِ حق ہے وہی خالق ہے وہ معبود ہے باعتبارِ اطلاق کے اور عابد ومخلوق ہے باعتبارِ تعین کے۔ سالک جب اعتباراتِ غیریت کو اٹھا دیتا ہے تو اس پر یہ بھید کھل جاتا ہے اس آیت پاک (وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ) میں اسی نفی عبد اور نفی عبودیت کی طرف اشارہ ہے۔

محو ذات : وہ عاشق جو تابش انوار ذات میں محو ہو گیا ہو۔
محو ذات اس شخص کو بھی کہتے ہیں جس سے خلق محجوب ہو گئی ہو۔
مخلص ، مخلص : مخلص بفتح اللام وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے شرک و جملہ معصیات سے پاک صاف کر دیا ہو۔
اور مخلص بکسر اللام وہ شخص ہے جو عبادت و طاعتِ الٰہی خلوص و محبت سے کرے، آرزوئے جنت و خوف دوزخ سے غرض نہ رکھے۔
مخلص اپنی منیات کو مخفی کرتا ہے۔
مخموری : ا۔مستی ، بے خودی مطلق اور فنائے سکر سے ایک ایسے تنزل میں آ جانا جس میں پوری بے خودی نہ ہو۔ بوجہ پوری خودی نہ ہونے کے افشائے سرّ حقیقت یہاں ممنوع ہے۔
۲۔مخص سرور اور مخمور مست اور مسرور کو کہتے ہیں۔
مدرسہ : محل تعلیم ، علوم شرعیہ۔
مدد وجودی : سے مراد ہر ممکن کو اس کی بقا اور قیام کے لئے پے در پے حق تعالیٰ کی طرف سے مدد پہنچنا کیونکہ حق تعالیٰ اپنے وجود کو بذریعہ نفس رحمانی کے مدد دیتا ہے تا کہ اس کا وجود اس کے عدم پر جس کا اقتضائے ذاتی بدون موجود کے عدم ہے ترجیح پائے۔
مدہوشی : اس سے مراد استہلاک ظاہری و باطنی ہے۔
مرات/مراۃ : اصطلاح میں علم الٰہی کو کہتے ہیں کیونکہ علم الٰہی میں اعیان ثابتہ ہیں اور انہی اعیان میں وجود منعکس ہوا ہے۔
مراتب ستہ : صوفیا کی اصطلاح میں تنزل حق کے چھ مرتبہ مقرر ہیں۔
اول احدیت ہے جس میں فقط اعتبار ذات ہے اور احدیت کو عالم غیب بھی کہتے ہیں بعض مرتبہ اول وحدت کو کہتے ہیں۔
تعین اول حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور برزخ کبریٰ اور قابلیت محض۔
مرتبۂ ثانی واحدیت کو کہتے ہیں جس میں ذات کے ساتھ تفصیلاً اسماء کا بھی اعتبار ہے۔
مرتبہ ثالث ارواح مجرد ہیں جس میں عقول عالیہ اور ارواح انسانیہ ہیں۔
مرتبہ رابع ملکوت ہے جس میں نفوس سماویہ اور انسانیہ ہیں اور اس کو عالم مثال بھی کہتے ہیں۔
مرتبہ خامس عالم ملک ہے کہ عالم اجسام اور اعراض ہے اور اس کو عالم شہادت بھی کہتے ہیں۔
مرتبہ سادس عالم انسان کامل ہے جو جامع جمیع مراتب ہے۔
بعض صوفیا یوں کہتے ہیں کہ اول احدیت اور ثانی وحدت اور ثالث واحدیت اور رابع عالم ارواح اور خامس عالم مثال اور سادس عالم شہادت ان کو مراتب تنزلات ستہ کہتے ہیں۔
مرأت الحضرتین : سے مراد انسانِ کامل ہے کیونکہ انسان کامل مظہر حضرت وجوب اور حضرت امکان کا اور جامع جمیع مراتب و صفات و اسماءِ الٰہیہ کا ہے اسی لئے اُسکو مرأۃ الٰہیہ بھی کہتے ہیں۔
مرأت الکون : وجودِ حق سبحانہ تعالیٰ ہے اس لئے کہ اکوان و اوصاف و افعال اکوان سب کچھ اسی وجودِ حقانی میں ظاہر ہوتے ہیں اور وجودِ حقانی بسببِ ظہور اکوان کے ان میں پوشیدہ ہے، جس طرح دیکھنے والے کی نظر میں بوجہ ظہور عکس کے آئینہ نہیں آتا۔ گویا وجودِ حق سبحانہ تعالیٰ آئینہ ہے جملہ موجود کا۔
مرأت الوجود مرأت الحضرت : شیون ذاتیہ یعنی صور علمتیہ جو مرتبۂ واحدیت میں متمیز ہیں۔ انہیں کے مطابق ذاتِ حق سبحانہ عالمِ اجسام میں ظہور ہوتا ہے گویا حق سبحانہ عالم اور موجوداتِ خارجیہ معلوم اور یہ صور علمیہ بمنزلہ آئینہ کے ہیں اسلئے انکو مرأت الوجود اور مرأت الحضرت کہتے ہیں۔
مراتب کلیہ : مراتب کلیہ کو مجالی کلیہ بھی کہتے ہیں۔ جو چھ ہیں۔
(۱) مرتبۂ وحدت یعنی تعینِ اوّل حقیقتِ محمدیہ ﷺ۔(۲) مرتبۂ احدیت۔
(۳) عالمِ ارواح۔ (۴) عالمِ مثال۔ (۵) عالمِ ملک جس کو عالمِ اجسام عالمِ شہادت بھی کہتے ہیں۔ (۶) عالم انسان کامل یہ جامع ہیں جمیع مراتب کا۔
بعض صوفیا اس طرح چھ گنتے ہیں کہ۔ (۱) مرتبۂ اوّل ذاتِ احدیت۔
(۲) مرتبۂ ثانی وحدت۔ (۳) مرتبۂ واحدیت۔ (۴) عالمِ ارواح۔
(۵) عالمِ مثال۔ (٦) عالمِ اجسام تنزلات ستہ بھی ان کو کہتے ہیں۔ حرف

تاتعین کی بحث میں ان کا مفصل بیان ہو چکا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ (۱) مرتبہء ذات احدیت۔ (۲) مرتبہء حضرت واحدیت۔ (۳) مرتبہء ارواح مجردہ۔ (۴) مرتبہء نفوس عالمہ کہ عالمِ ملکوت و عالمِ مثال ہے۔ (۵) عالمِ ملک عالمِ شہادت ہے۔ (۶) مرتبہء کون جامع یعنی انسان کامل اور مرتبہء وحدت کو احدیت میں شمار کیا ہے۔

بعض صوفیا فرماتے ہیں کہ مراتب کلیہ آٹھ ہیں۔ (۱) عالمِ ملک۔ (۲) عالمِ ملکوت۔ (۳) عالمِ جبروت۔ (۴) عالمِ اعیانِ ثابتہ۔ (۵) اسماء الٰہیہ۔ (۶) صفاتِ سبحانیہ۔ (۷) مرتبہء وحدت۔ (۸) ذاتِ احدیت۔

مراد: محبوب وہ شخص ہے جس کو جذبہء الٰہی نے اپنی طرف کھینچ لیا ہو۔ بلاکسب اس شخص کے یعنی بندۂ مقبول اور مجذوب اور اس کے خصائص سے ہے کہ شدائد میں شاکی نہ ہو اور کسی چیز اور کسی حال کا مشتاق اور متمنی نہ ہو اپنے احوال میں اور اگر ہو تو محب نہیں ہے۔

مراقبہ: حضوریِ قلب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی جناب میں دل سے حاضر ہونا کہ اس وقت کوئی خطرہ نہ آئے اگر آئے تو اسے دفع کرے شروع میں ایسا کرتے ہیں کہ آنکھ بند کر کے سر جھکا لیتے ہیں، جب خوب مشق ہو جاتی ہے تو چشمِ بصیرت اور بصر ایک ہو جاتی ہے، پھر آنکھ بند کرنے اور سر جھکانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مراقبہ کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) مراقبہء مناظرہ یہ ہے کہ سالک یقین کرے کہ حق سبحانہ میری صورت پر ظاہر ہے، حق سبحانہ تعالیٰ کے افعال کا میں آلہ ہوں، مخلوق پر فیضانِ الٰہی کا وسیلہ بھی سالک ہوتا ہے، یہی لوگ مسندِ ارشاد کے وارث ہوتے ہیں۔ ان سے مخلوق کی حاجت روائی ہوتی ہے یہ قرب فرائض ہے جو فنا ذاتِ عبد کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

(۲) مراقبہء حضوری یعنی سالک یقین کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کو آنکھ سے دیکھتا ہوں، اُسی کے کان سے سنتا ہوں، اُسی کے پیر سے چلتا ہوں، یہ قربِ نوافل ہے۔

(۳) مراقبہء جمع، یعنی سالک ذرہ ذرہ میں حق سبحانہ کا مشاہدہ کرے۔

(۴) مراقبہء جمع الجمع یعنی خلق کو حق میں اور حق کو خلق میں دیکھے اور حق کو حق میں، خلق کو خلق میں مشاہدہ کرے، یعنی سالک حق اور خلق کو ایک دیکھے، ایک جانے، کسی قسم کی دوئی اور نسبتِ غیریت باقی نہ رہے۔

مرتب: مرتبۃ الاسما و الصفات۔ مرتبۃ الالوھیۃ، مرتبۃ الحقائق الکونیہ، مرتبۃ العمائیہ، مرتبۃ الھویت ذات بحت بحیثیت ھُو یعنی ذات جو کہ کامل ہے اپنی ذاتیت میں۔

نقشہء حقیقت انسانی، قوس مقابل احدیت، سورۃ الفاتحہ کی آیات کی تشریح۔

مرتبہ ولایت مطلقہ: اس مرتبہ پر ولایت مطلقہ کا دار و مدار ہے اور ولایت کا کوئی مرتبہ ولایت مطلقہ سے بلند تر نہیں۔

ولایت مطلقہ کہتے ہیں ولایت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کاملہ کی وجہ سے ولایت خاتم الاولیاء کو۔

مردان غیب: اولیا مستورین کے سپرد انصرام امور تکوینی ہوتا ہے۔ یہ اغیار کی نگاہ سے مستور رہتے ہیں۔ انہیں رجال الغیب اور مردان غیب کہتے ہیں۔ ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے قدم بہ قدم چل کر عالم شہادت سے اُس غیب کی جانب منتقل ہو گئے ہیں جسے مستوی الرحمٰن کہتے ہیں۔

مرشد: وہ شخص ہے جو لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلانے کی کوشش کرے اور اسکے طریقے بتائے، جو خود رشد و ہدایت پاچکا ہو۔

مروہ: اسماء و صفات الٰہیہ کے اُبلتے ہوئے چشموں سے سیراب ہونے کی جانب دعوت۔ مروہ پر سعی مکمل کرنے کے بعد احرام سرمنڈانے سے اشارہ ہے اس مقام پر ریاست الٰہی متحقق ہوگئی۔

بالوں میں کمی کرانے سے اُس شخص کی جانب اشارہ ہے جس نے ان امور میں کمی کی۔

ایسا شخص اُس تحقیق کے درجہ سے جو کہ اہل قربت کا مرتبہ ہے اُتر گیا اور مرتبہ اعیان میں رہ گیا۔

احرام سے باہر آنا گویا خلق کے لیے اپنے پاس گنجائش پیدا کرنا ہے تاکہ خلق بھی اس سے متمتع ہو اور اس کے ذریعہ قرب تلاش کرے۔

مرید: وہ شخص ہے جو اپنے ارادہ کو ارادۂ اللہ میں محو و فنا کر دے اور

اُسے یقین حاصل ہو کہ جو کچھ ہوتا ہے ارادہ حقِ سبحانہ سے ہوتا ہے یہ شخص راضی برضائے حق ہوتا ہے۔ مرید مراد کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ابوحامد علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ مرید پر اسماءِ الٰہیہ کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ترقی کر کے زمرۂ واصلین میں ہو جاتا ہے۔

فتوحات مکیہ میں لکھا ہے مرید وہ ہے کہ نظر اور استبصار سے خالی ہو اس واسطے کہ وہ جانتا ہے کہ جو کچھ وجود میں آتا ہے بارادہ خدا ہے نہ بارادہ غیر، پس ارادہ اس کا حق میں محو ہو جاتا ہے اور وہ کچھ نہیں چاہتا مگر وہی جو خدا چاہے۔ اسی وجہ سے بیعت کرنیوالے کو شیخ کے ساتھ یہی نسبت ہونی چاہئے۔ ورنہ محروم رہے گا۔ وہ مرید مجازی ہے نہ مرید اصلی۔

مزاج: عناصر کیفیات میں مختلف و متخالف ہیں۔ جب آپس میں مخلط ہوتے ہیں تو اس اختلاط باہمی کی وجہ سے ان میں ایک کا فعل دوسرے کے فعل کو زائل کر دیتا ہے اور ایک تیسری کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جسے مزاج کہتے ہیں۔ جمادات و معدنیات وہ مرکبات ہیں جو مزاج نہیں رکھتے نباتات مزاج رکھتے ہیں۔ اس مزاج کو نفس بھی کہتے ہیں۔ حیوانات میں یہ نفس بھی ہوتا ہے۔ حس اور حرکت ارادی بھی ان تراکیب کا نتیجہ موالید ثلاثہ ہیں۔

مزدلفہ: مزدلفہ مقام کے برتر اور شائع ہونے سے مراد ہے۔

مژگاں: بصیرت ازلی۔

مژہ: مشاہدہ و رویتِ حق سبحانہ تعالیٰ کے وقت سالک پر حجاب ہو جانا، جس سے وہ بے چین ہو جاتا ہے اور دردِ اشتیاق بڑھ جاتا ہے۔ اس تیر مژہ کا فائدہ بھی یہی ہے عشاق ایسی لذت پاتے ہیں کہ ہر دم "ھل من مزید" کا نعرہ لگاتے ہیں۔

مسافرت: خلق ہمیشہ مسافرت میں ہے کسی ایک حال پر اسے قرار نہیں۔ موجوات اوّل یعنی عقل اوّل سے آخر تنزلات یعنی مرتبہ انسانی تک اور مرتبہ انسانی سے مرتبہ الٰہیہ تک جس پر خلق مسافرت میں رہتی ہے۔

مسالک جوامع الاشئیۃ الذاتیہ: ۱. مراد اس سے ذات حق تعالیٰ کی ہے ساتھ اسمائے ذاتیہ کے بغیر اسمائے جمالی اور جلالی اور فعل مقیدہ کے اور ثناء اور ذکر حق تعالیٰ کا اسماء ذاتیہ کے ساتھ افضل اور اعلیٰ ہے کیونکہ ذات مطلقہ اصل تمامی اسماء حق تعالیٰ کے ہے پس اجل اور اعظم وجود تعظیم حق تعالیٰ کی تعظیم مطلق ہے اور یہ حاصل نہیں ہوتی مگر بہ سبب ثناء اور ذکر اُس اسم کے جو کل اسماء کو شامل ہے اس لیے کہ ذاکر جس وقت ثناء اور حمد اور ذکر حق کرے گا اسماء مقیدہ مثل علیم و قدیر و مرید وغیرہ کے، تو وہ مقید کرے گا تعظیم کو اوصاف مقیدہ کے ساتھ اور جب تعظیم اور ثناء اسماء ذاتیہ مثل قدوس اور سبوح اور سلام اور علی اور حق کے ساتھ کرے گا تو اس وقت وہ کل اسماء حق کی معہ جمیع کمالات کے تعظیم کرے گا۔

۲. سالک کا اسماء ذاتیہ حق سبحانہ کے ذکر و شغل میں مشغول ہونا، یہ ذکر سب سے افضل ہے اس سے عشق ذاتِ حق سے اور فنائیت ذاتِ حق میں حاصل ہوتی ہے اور دیگر اسماء الٰہیہ جو صفاتی ہیں جیسے علیم و قدیر، رزاق، سمیع و بصیر وغیرہ ان کے ذکر و شغل سے فنائیت صفاتی و فعلی حاصل ہوتی ہے۔

مسامرت: رات کے وقت حق سبحانہ تعالیٰ کی جناب میں مناجات کرنا اور کبھی محادثہ کے معنی میں بولتے ہیں۔

اور بعض کہتے ہیں عارفین پر عالمِ اسرار و عالمِ غیب سے فیضان ہونا مسامرۃ ہے، عارفوں کو عالم اسرار و غیوب کے متعلق جو خطابات حق ہوتے رہتے ہیں یہ خطابات روح الامین ان کے دلوں میں پہنچاتے ہیں کبھی مناجات کو بھی مسامرت کہتے ہیں۔

اصطلاح میں گفتگو حق کی بندہ سے سرّ میں اس سے مراد ہے اور مناجات شبینہ کو بھی کہتے ہیں۔

مست: سالک مستغرق کو کہتے ہیں۔

مست خراب: عشق محبوب میں بے ہوش عاشق کا محو و مستغرق جمال محبوب میں رہنا اور اس محویت اور استغراق کو پسند کرنا اور ہمیشہ اسی حالت میں رہنا۔

مستحسناتِ صوفیائے کرام: اس سے مراد وہ مستحب امور ہیں جو مثل لباس خرقہ یا بنائے خانقاہ یا اجماع اخوان برائے سماع یا چلہ کشی وغیرہ مشائخین عظام طالبان خدا کی اصلاح کے لیے اپنے اجتہاد سے وضع فرماتے ہیں۔

مستریح : ۱. وہ عارف کامل ہے جس پر قضا و قدر کے اسرار منکشف ہیں وہ ہونے اور نہ ہونے والی باتوں کو پورے طور سے جانتا ہے اس لیے اُسے ہونے والی بات کا انتظار تکلیف نہیں دیتا اور نہ ہونے والی بات سے اُسے کچھ غم نہیں ہوتا لہٰذا وہ مطمئن ہوتا ہے اور آرام سے رہتا ہے۔

۲. لغت میں طالب راحت کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں مستریح اُس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ہر قدر پر مطلع کیا کیونکہ یہ ہر اس مقدور کو دیکھتا ہے جس کا وقوع وقت معلوم پر ضروری ہے اور اُس شئے کو دیکھتا ہے جو مقدور نہیں ہے اور اُس کا وقوع ممتنع ہے پس ایسا شخص راحت پاتا ہے طلب اور انتظار سے اُس چیز کے جو واقع نہیں ہوئی اور حزن و حسرت مافات سے فراغت پاتا ہے۔

(پس اسی واسطے فرمایا حضرت انس بن مالکؓ نے کہ خدمت کی میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دس برس پس نہ فرمایا کسی چیز میں کر کے مجھے کہا کہ کیوں کیا اور نہ کسی چیز کو جس کو میں نے چھوڑا کہا کیوں چھوڑا)، پس انسان کامل ان امور کو ملائم سمجھ کر اس سے راحت پاتا ہے۔

مستوی الاسم الاعظم : یعنی ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ کی جس میں سمائی ہے اور جس میں اس ذاتِ پاک کا پورا اور مفصل و مشرح ظہور ہے وہ قلب ہے انسانِ کامل کا۔

مستوی الرحمٰن : اولیاء مستورین انہیں رجال الغیب اور مردان غیب کہتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے قدم بہ قدم چل کر عالم شہادت سے اس غیب کی جانب منتقل ہو گئے جسے مستوی الرحمٰن کہتے ہیں۔

مستوی المعرفت : سے مراد مرتبۂ واحدیت ہے کیونکہ اسمیں جمیع اسماء حق سبحانہ کی تفصیل ہے۔

مستہلک : وہ طالبِ حق اور عاشقِ ذات ہے جس نے دوئی و اپنی خودی و جملہ اعتبارات و اضافات کو مٹا کر بالکل مستغرق و فانی فی الذات ہو گیا۔

مستی ، مدہوشی : اس کے چند معنی ہیں۔ (۱) عاشق کا اپنی صفات کو فنا کر کے ہستی معشوق میں محو اور مستغرق ہو جانا۔ (۲) مشاہدۂ جمالِ حق سے سالک پر حیرت طاری ہونا اور اس میں دلولہ پیدا ہونا۔ (۳) پندارِ عاشق یعنی عاشق کا نشۂ عشق سے مسرور ہونا اور اپنے علو و غلوئے عشق کو محسوس کرنا اور کچھ بول اٹھنا۔ (۴) ہستیِ مجازی۔ (۵) استغناء اور کسی طرف التفات نہ کرنا۔

مسجد : مرتبہ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، مظہر فیض رحمانی ، تجلیِ جمالی کے مظہر کو اور بعض آستانہ پیر و مرشد کو بھی مسجد کہتے ہیں۔

مسخرہ : وہ شخص ہے جو لوگوں میں بیٹھ کر اپنی کشف و کرامات کا اظہار کرے اور معرفت بابت اپنی درویشی کے شیخی مارتا ہو۔

متصوف : صاحبِ فضول جو دنیا کمانے کے لیے صوفیوں کی سی صورت بنا لے مگر کمالاتِ صوفیہ میں سے کوئی حصہ حاصل نہ کیا ہو۔

مشارق الصبح / مشارق الفتح : تجلیاتِ اسمائیہ کو کہتے ہیں کیونکہ یہ تجلیاتِ ذات کی مفتاح کنجی ہے۔ سالک پر اس کے بعد تجلیاتِ ذات منکشف ہوتی ہیں۔

مشارق شمس الحقیقت : تجلیاتِ ذاتی قبل فنائے تام کے عین احدیت میں۔

مشارق و مغارب : مشرق سے ایک چیز طلوع ہوتی ہے اور مغرب میں وہ غروب و پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ عالم الوہیت کو عالم ربوبیت سے اور عالم ربوبیت کو عالم برزخ و مثال سے اور عالم برزخ کو عالم شہادت سے نسبت شرقی حاصل ہے چونکہ ہر عالم کا فیض عالم ماتحت کو پہنچتا ہے اس لیے ہر عالم اپنے ماتحت کے ہے مشرق اور مافوق کے لیے مغرب ہے۔ اسمائے الٰہی میں سے ہر تعین میں ایک اسم غروب ہوتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا اسم طلوع ہوتا ہے اس لیے قلب انسانی کے مقابل ہزاروں لاکھوں مشارق و مغارب پیش آتے رہتے ہیں۔

مشاہدہ : تجلیاتِ حق کو بلا حجاب اشیاء کو دیکھنا اور اشیاء کو دور کر کے نظر باطن کو ذات حق پر محکم رکھنا اسی کو مشاہدہ کہتے ہیں۔ حضرات صوفیا نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ عارف کے لئے ہمیشہ مشاہدہ حاصل ہے یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہمیشہ حاصل ہے اور بعض عدم دوام کی طرف گئے ہیں جیسا کہ بعض عارفین کا قول ہے کہ (ابرار کا مشاہدہ درمیان تجلی اور استتار کے وقت اور حق یہ ہے کہ جب تک ربط اور اتصال قلب محکم متحقق ہے تب تک مشاہدہ حاصل ہے اسی جگہ

سے ہے کہ انوار کبھی ہوتے ہیں اور کبھی نہیں یہ ہے اس قول کے معنی وقت مثل تلوار کاٹنے والی اور بجلی چمکنے والی کے ہے)۔

مشاہدہ قلبی: اگر معانیٔ غیبی ہیں تو الہام ہے اور ارواح مجردہ یا اعیان ثابتہ ہیں تو مشاہدہ قلبی ہے۔

مشتاق: مریدِ صادق کو کہتے ہیں جو طلب میں ہوشیار، تیز ہو کاہل نہ ہو۔

مشرف الضمائر: وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالی نے آدمیوں کے قلوب پر مطلع کیا، اس کو اسمِ باطن سے فنائیت حاصل ہے، اس پر لوگوں کی ضمیر یعنی دل کی بات منکشف ہوتی ہے، وہ سب کی بات جانتا ہے۔

مشرک: موحد خدا کی مطلق عبادت کرتا ہے برعکس مشرک کے جو خدا کو مقید کر کے اس کی عبادت کرتا ہے۔

مشعر الحرام: اس سے مراد ہے کہ حرمات الٰہی کی تعظیم امورِ شرعیہ پر قیام کے ذریعہ کی جائے۔

مشکوٰۃ: مشکوٰۃ جسم انسانی ہے۔ سمٰوات ارواح ہیں اور زمین اجساد۔ مصباح روح ہے جو مثل چراغ کے روشن اور روشن کنندہ ہے زجاجہ قلب عبد ہے۔ (سورۃ النور آیت۔ ۳۵)۔

مشہد: محل شہود۔ وہ تجلی جو انوار الغیوب سے قلب پر وارد ہو اور کسی انکشاف کا باعث بنے۔

مشہد احدی، صراط مستقیم، وہ راستہ جو کشف کی جانب لے جائے۔

مشیت: عبارت ہے تجلیات ذاتیہ سے ایجاد معدوم اور اعدام موجود عالم کے ہے۔

مصباح: اس سے روح مراد ہے بعض دل کو بھی کہتے ہیں جس سے جسم کی حیات ہے کیونکہ اس سے جسم کثیف روشن اور زندہ ہوتا ہے۔ لفظ زجاجہ میں وضاحت ہے۔

مصقلہ: اصطلاح میں یادِ حق اور ذکر و شغل سے دل صیقل ہوتا ہے چنانچہ حدیث شریف ہے کہ (لکل شئی مصقلۃ و مصقلۃ القلب ذکر اللّٰہ) ''ہر شے کے واسطے مصقلہ ہے اور مصقلہ قلب کا اللہ کا ذکر ہے'' اسی لئے ذکر و شغل کو مصقلہ کہتے ہیں جو آئینۂ قلب اور نفس کا زنگ ہٹا دیتا ہے۔

مضاہات بین الحضرات والاکوان: یعنی اکوان مترتب ہوتے ہیں۔ حضرات ثلثہ۔ (۱) حضرت وجوب۔ (۲) حضرت امکان۔ (۳) حضرت جامع وجوب و امکان پر لہٰذا عالم اکوان میں سے جس شئے کی نسبت حضرت وجوب سے زیادہ ہوگی وہ بہت لطیف ہوگی جیسے ملائکہ۔ ارواحِ افلاک اور جس کی نسبت حضرت امکان سے زیادہ ہوگی۔ وہ کثیف ہوگی۔ جیسے عنصریات اور مرکبات عنصریات آگ، پانی، مٹی، ہوا، جمادات، نباتات، حیوانات اور جس کی نسبت حضرتِ جامع سے زیادہ ہوگی وہ انسان ہے۔

اب انسان میں سے جس کا میلان حضرتِ امکان کی طرف زیادہ ہوگا اور اس میں کثافتِ امکانیہ بہت ہوگی وہ کافر ہوگا اور جس کا میلان حضرتِ وجوب کی طرف بہت ہوگا اور اس میں لطافتِ وجوبیہ غالب ہوگی وہ انبیاء علیہم و اولیاء کرام میں سے ہوگا اور جس کا میلان وجوب و امکان کی طرف قریب قریب مساوات کے ہوگا وہ عام مومنین سے ہوگا۔

مضاہات بین الشیون و الحقائق: ۱. یعنی حقائقِ کونیہ مترتب ہیں یہ حقائقِ اسمائیہ الٰہیہ پر اور یہ حقائقِ اسماء الٰہیہ مترتب ہیں شیونِ ذاتیہ پر، لہٰذا اکوان ظل ہیں حقائق اسماءِ الٰہیہ کے اور حقائقِ اسماءِ الٰہیہ ظل ہیں شیونِ ذاتیہ کے۔

۲. مضاہات کہتے ہیں لغت میں ایک چیز کا دوسری چیز سے مشابہت رکھنا اور اصطلاح میں مترتب ہونا حقایق کونیہ کا حقایق الٰہیہ کے ساتھ کہ جو اسماء الٰہیہ ہیں اور یہ مرتب ہیں شیون ذاتیہ پر اور اکوان ظلال اور صور اسماء کے ہیں اور اسماء ظلال شیون کے ہیں۔

مطرب: ۱. جس کے ذریعہ فیضِ معنوی حاصل ہوتا ہے۔

اصطلاح میں مرشد کامل جو مرید صادق کو فیض پہنچاتا اور کامل کرتا ہے، صاحب نغمہ الست ہے، کشف رموز و بیان حقائق سے عارفوں کو مسرور کرنے والا، ترانہ توحید کا سنانے والا۔

۲. ساقی کو مطرب بھی کہتے ہیں۔

مطالعہ: ۱. سالک کو توفیقِ الٰہی کا حاصل ہونا، اور شروع مشاہدہ کو بھی مطالعہ کہتے ہیں۔

۲. لغت میں نظر کرنا کسی چیز سے واقف ہونے کے لئے اور اصطلاح میں مراد اُس سے توقیفات حق ہیں عارفین کے لئے ابتداء میں یعنی قبل سوال کے لیکن توقیفات (بمعنی وقوف) وقت سوال بعد سوال اُن چیزوں میں ہیں کہ مرجع اُن کا حوادث ہیں اور کبھی اطلاق کیا جاتا ہے مطالعہ کا شروع مشاہدہ پر وقت طوالع اور مبادی بروق توقیفات کے۔

مطلع: لغت میں معنی اس کے خبر دینے والے کے ہیں اور اصطلاح میں مقام شہود متکلم کا ہے۔

تلاوتِ قرآن شریف کے وقت سالک پر تجلیِ حق کا وارد ہونا۔

روایت ہے کہ ایک روز حضرت امام جعفر صادق نماز میں بیہوش ہو کر گر پڑے لوگوں نے دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ ایک آیت کا ذوق سے تکرار کر رہا تھا تو میں نے وہی آیت حقِ سبحانہ تعالیٰ سے سنی اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ، فرماتے ہیں کہ اس وقت حضرت امام موصوف کی زبانِ مثل شجرۂ موسیٰ علیہ السلام کے تھی جس میں سے ندا (انی انا اللّٰہ) آئی، میں اللہ ہوں۔ نیز حضرت امام موصوف علیہ الرضوان فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام میں واسطے اپنے بندوں کے تجلی کی ہے، لیکن وہ نہیں دیکھتے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے (مامن آیة الا ولها ظهروبطن ولكل حرف حدو لكل حد مطلع)۔

''ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے اور ہر حرف کی حد ہے اور ہر حد کا مطلع ہے'' اگر چہ ہر شئے مشہودِ حق کا مطلع ہے لیکن اس حدیث میں آیتِ قرآنی کی تجلیِ حق کو مطلع فرمایا گیا ہے اس لئے صوفیائے کرام نے اپنی اصطلاح میں اسی کا نام مطلع مقرر کر دیا ہے۔

مطلق: شئے غیر مقید کو کہتے ہیں اور یہ چند اقسام پر منقسم ہے۔ اول، کلی بہ نسبت اپنے جزئیات کے، اس صورت میں حمل کلی کا اپنے جزئیات پر بالمواطات صحیح ہے جیسے کہ کہتے ہیں کہ زید اور بکر اور خالد انسان ہیں۔ دوسرے یہ کہ ایک شئے اگر چہ بنفسہ جزئی مشخص معین مقید ہے لیکن بنظر شیون اور حالات اور اطوار اور اوصاف کے مطلق ہے جیسے کہ زید مثلاً ایک شخص معین ہے لیکن بہ نسبت نوم اور یقظہ وغیرہ شیون اور اطوار اور اوصاف کے مطلق ہے پس اس جگہ حمل بالمواطات صحیح نہیں البتہ حمل بالاشتقاق صحیح ہے جیسے کہ کہتے ہیں زید قایم اور مستیقظ ہے نہ نوم اور یقظہ اور جن اطوار اور شیون وغیرہ کا اشتقاق صحیح نہیں ہے بوجہ جامد ہونے کے، پس اس تقدیر میں لفظ ذو یا صاحب کو اضافت کے ساتھ حمل کرینگے ایسا ہی واجب الوجود کہ اپنے مرتبہ میں (لیس کمثله شئی) مشخص معین ہے یہ تعین حقیقی اُس کو باعتبار تنزلات شیون اور حالات اور اطوار اور اوصاف ہیں نہ جزئیات جیسا کہ بعض گمان کرتے ہیں کیونکہ وہ تحت میں کسی کلی کے نہیں بلکہ سب سے اعم اور مطلق ہے باوجود اس کے مشخص معین ہے اپنی وحدانیت کے ساتھ پس واجب الوجود پر ان شیون وغیرہ کا حمل بالمواطات صحیح نہیں ہے البتہ حمل بالاشتقاق صحیح ہے۔

مطلق الغناء: ذاتِ بحت جو غنی ہے تمام عالمیان سے۔

مضاہات بین الشیون و الحقائق: مضاہات کہتے ہیں لغت میں ایک چیز کا دوسری چیز سے مشابہت رکھنا اور اصطلاح میں مرتب ہونا حقایق کونیہ کا حقایق آلہیہ کے ساتھ کہ جو اسماء الہیہ میں اور یہ مرتب بین شیون ذاتیہ پر اور اکوان ظلال اور صور اسماء کے بین اور اسماء ظلال شیون کے ہیں۔

مطلوب: عبارت ہے حضرت حق غراسمہ سے جس وقت کہ اس کو ڈھونڈیں اور وہ برتر اس سے ہے کہ دوستی کے ساتھ منسوب ہو۔

مَظہر: جائے ظہور کو کہتے ہیں اور مظاہر جمع مظہر کی ہے۔ اعتبارات واقعیہ کو کہتے ہیں کہ جو وجود مطلق سے مستترع ہیں پس جب کہ فی الواقع سوائے وجود حقیقی واجبی خارجی کے جملہ اعتبارات واقعہ عالم خیال محض ہیں جو وجود حقیقی سے متترع ہیں جیسے کہ دوائر صغار و کبار وجود کرہ سے اسی واسطے صوفیائے کرام سوائے ہستی مطلق حقانی کے عالم کو وہم کہتے ہیں اور عالم کا عکس اور ظل اور مرآت اور آئینہ بھی نام رکھتے ہیں۔

مظہراتم: وجود باجود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ صوفیا حضرات کی اصطلاح میں یہ ایک مسئلہ مشہور ہے اس طرح پر کہ اصل میں مظہراتم لقب خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاص مظہراول ذات پاک حضرت رب العزت

کے ہیں اور باقی تمامی اشیاء و اشخاص مظہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظہر اسم مبارک اللہ کے ہیں اور یہ اسم جامع جمیع اسماء کا ہے اور ہر شئے افراد عالم میں سے مظہر ایک اسم خاص کا ہے اور وہی ہر ایک شئے خاص بالقوے مظہر تمامی اسماء کا ہے پس اس صورت سے ہر شئے مظہر اتم ہوئی ۔

مُظہر : وجودِ مطلق ، وہ ہستی جو تعینات عالم میں متعین ہوئی ۔

مُظہر العالمین : حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفسیر میں جو آیات ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجمع البحرین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مظہر العالمین ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس عالم میں نزول فرمانا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال ہے اور اپنے اصلی مقام پر لیلۃ المعراج میں عروج فرمانا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال ہے ۔

معاد : لغت میں جائے بازگشت کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں عکس مبدا کا ہے ۔ یعنی انسان خاک ہوا اور خاک سے آب اور آب سے باد اور باد سے نار اور نار سے نور اور نور سے سرّ اور سرّ سے ذات حق میں فنا ہوا یا یوں کہ انسان نے مثال میں ترقی کی اور مثال سے ارواح میں اور ارواح سے واحدیت میں اور واحدیت سے وحدت میں اور وحدت سے احدیت میں یعنی ذات حق میں ترقی کر کے محو اور فنا ہوتا ہے اس کو شغل مبداء اور معاد کہتے ہیں اور اسماء کلی کونی کو کہ جو بدیع اور باعث وغیرہ ہیں اس کو بھی مبداء کہتے ہیں اور اسماء کلی کیانی یعنی کونی کو جو عقل کل اور نفس کل وغیرہ ہیں اس کو بھی معاد کہتے ہیں ۔

معالمُ اعلام الصفات : یعنی نام بنام صفات کے ظاہر ہونے کے نشانات اور جائے ظہور وہ اعضاء ہیں جیسے آنکھ ، کان ، زبان وغیرہ ، صفتِ بصر کا ظہور و نشان آنکھ ، صفتِ سماعت کا کان ، صفتِ تکلم کا زبان ۔

۲. معلم بفت میم لغت میں کسی چیز کے نشانہ کو کہتے ہیں اور جمع اس کی معالم ہے اور علم بفت عین اور لام اس کو کہتے ہیں جس سے آدمی مشہور ہو اور جمع اس کی اعلام ہے اور اصطلاح میں اعضاء کو کہتے ہیں آنکھ ، ہاتھ ، کان ، ناک اس لیے کہ انھی اعضاء سے ظاہر ہوئے ہیں معالم اور اصول صفات کے اور معلم فعل ظہور کا ہے جیسے کہتے ہیں معالم الدین اور معالم الطریق ۔

معائنہ : نور تجلیات کا سالک کے دل پر چمکنا ، رویت الٰہی بلا حجاب تعین ذات بے چوں و بے چگون کو بے کیف و بے جہت دیکھنا یعنی ذات کا محو ہو جانا ذات میں مل جانا، محو ہو جانا۔

معراج : ہر اس چیز سے جو ذات باری تعالیٰ کے علاوہ ہے عروج کرنا ، چنانچہ نماز مومن کے لیے معراج ہے کیونکہ نماز میں بندہ حق تعالیٰ کے سامنے ہوتا ہے ہر شخص کی معراج اس کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے ۔

معراج الروح السماع : حالت سماع میں سالک کا لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جانا بسبب غلبہء اسم باطن کے تعین اسم ظاہر کا مستور ہو جانا اور تشبیہ کا تنزیہ اختفا میں گم ہو جانا ۔

معرفت : ذات کو ذات پر اور صفات کو صفات پر ذات کو صفات کے ساتھ اور صفات کو ذات کے ساتھ پہچاننے کو معرفت کہتے ہیں۔

اس کی تین اقسام ہیں ، معرفتِ عقلی ، معرفتِ علمی ، معرفتِ کشفی۔

(۱) معرفتِ عقلی یہ ہے کو دلائلِ عقلیہ سے حق سبحانہ تعالیٰ کو پہچانے۔ جیسے فلاسفروں نے پہچانا اور اُس کے دلائل قائم کئے ہیں۔ یہ معرفت بہت ناقص ہے ۔

(۲) معرفتِ علمی یہ ہے کہ دلائلِ عقلیہ اور دلائلِ نقلیہ سے حق تعالیٰ کو پہچانے جیسے علماء متکلمین چونکہ دلائلِ نقلیہ انبیاء علیہم السلام سے منقول ہیں اور جو دلائلِ عقلیہ اُن کے مطابق ہیں جیسے علم کلام کی وہ فلسفیوں کے دلائل سے بہت قوی ہوتی ہیں اس لئے یہ معرفتِ علمی معرفتِ عقلی سے بہت قوی ہوتی ہے اور اس معرفتِ علمی سے راہِ حق معلوم ہو جاتی ہے، لیکن واصل بحق اس سے بھی نہیں ہوتا، جب تک کہ راہِ سلوک طے نہ کرے ۔

(۳) معرفتِ کشفی ، معرفتِ حقیقی، یعنی راہِ سلوک طے کر کے اور آثار و صفات و ذاتِ حق میں فنائیت حاصل کر کے حق کو پہچانے ۔ یہ معرفتِ علمی معرفت سے بھی اعلیٰ ہے۔ اس لیے عارف کامل ہوتا ہے۔ یہ صوفیائے کرام کا حصہ ہے جو ان کو متابعت و پیروی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوتا ہے۔

صوفیائے کرام نے اس معرفتِ کشفی کی تین اقسام فرمائی ہیں ۔

(۱) معرفتِ افعالی یعنی سالک اپنے ارادے کو فنا کر کے ارادات اللہ پر جملہ افعال و آثار کا حصر کرے اور مشاہدہ کرے کہ جو آثار و افعال بظاہر خلق سے ظاہر ہوتے ہیں وہ سب کچھ حق تعالیٰ ہی سے صادر ہوتے ہیں۔
(۲) معرفتِ صفاتی یعنی صفات کو مظہرِ ذات جانے اور مشاہدہ کرے۔
(۳) معرفتِ ذاتی یعنی سالک فنا فی الذات ہوجائے اور جملہ موجودات کو عین ذاتِ حق معائنہ کرے۔ یہ درجہ معرفت کا سب درجوں سے اعلیٰ و ارفع ہے (ذالک فضل اللّٰه یوتیه من یشاء)۔

معشوق : حق تعالیٰ کو حقیقتاً جس وقت کہ طالب ڈھونڈے۔ اسی سبب سے وہی مستحق دوستی ہے من جمیع الوجود اور مجازاً ہر مطلوب کو کہتے ہیں۔

معلمِ اوّل معلمِ ملک : آدم علیہ السلام ہیں، بموجب اس آیت پاک (ابنۢئهم باسمآء هم) اے آدم خبردار کر ان فرشتوں کو ناموں سے) کیونکہ ملائکہ کو آدم علیہ السلام نے اسماء الٰہیہ کی تعلیم فرمائی۔ یہ تعلیم سب سے پہلی تعلیم ہے اس کے بعد سے سلسلۂ تعلیم جاری ہوا ہے۔

معیت : صوفیاء کرام کے یہاں یہ مسئلہ معیت مشہور مسئلہ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے (وَهُومعکم اینما کُنتُم) یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے جہاں ہو تم، اس لئے ذات حق تعالیٰ ہے اس کی صفات و اسماء کسی وقت بھی مبدا نہیں ہیں اور جملہ کائنات اسماء و صفات کے ظہور کا ہی نام ہے، لہٰذا ذات جملہ موجودات کے ساتھ ہے۔

مغائبہ/مغائبہ : کہتے ہیں کہ سالک اپنی خودی سے خلاص ہو کر ذات حق میں غائب ہو اور مرتبۂ ذات غیب الغیوب ہے تو سالک بھی اس میں پہنچنے سے غائب ہو جاتا ہے، فناء الفناء۔

مغبچه : اہل معانی اور اہل روحانیات جن کے صفات ذمیمہ اور نفس امارہ سے متغیر بہ صفات حمیدہ ہوگئے ہوں اور جن کے قلوب مصفا پر اسرار غیبی کا ورود ہونے لگا ہو۔
جب سالک صفاتِ ذمیمہ و نفسِ امارہ سے پاک اور متصف بصفاتِ حمیدہ و اخلاقِ جمیلہ ہو جاتا ہے اور واردات غیبی عالم لاریب سے اس کے دل پر وارد ہوں تو اس کے باطن کو **مغبچه** کہتے ہیں۔

مغرب الشمس : سے مراد استتار ذاتِ حق سبحانہ کا تعینات میں پوشیدہ رہنا اور استتار روح کا جسم میں پوشیدہ رہنا ہے، گویا ذاتِ حق سبحانہ اور روح بمنزلہ شمس اور مغرب یعنی جاء غروب تعینات اور اجسام ہیں۔

مغلوب الحال : وہ مبتدی صوفی جو تابع حال ہو یا حال کا آنا اور جانا اس کے اختیار میں نہ ہو اسے صاحب تلوین بھی کہتے ہیں۔

مفتاح اوّل : یعنی تمام اشیاء جو نفس الامر میں ہیں ذاتِ حق میں مندرج ہیں جس طرح تمام درخت مع پھل، پھول، برگ و شاخ وغیرہ تخم میں مندرج ہے اور یہاں ان اشیاء کا نام حروف اصلی ہے۔

مفتاح سرالقدر : مراد یہ ہے کہ ازل ہی میں اعیان ممکنہ مختلف الاستعداد ہیں، پھر اسی استعداد کے مطابق خارج میں اُنکا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

مفرح الاحزان و مفرح الکروب : عبارت ہے ایمان بالقدر سے اور ایمان بالقدر تقدیر الٰہی پر صابر و شاکر رہنا ہے۔

مفردان : افراد کو کہتے ہیں۔ جب قطب عالم ترقی کرتا ہے تو فرد ہو جاتا ہے، فردانیت میں پہنچ کر وہ تصرفات سے کنارہ کش ہوجاتا ہے۔

مفیض : ایک اسم ہے اسمائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متحقق ہیں اسمائے الٰہی کے ساتھ۔ کیونکہ حق سبحانہ کے نورِ ہدایت کا فیضان مخلوق پر آپ ہی کے وسیلہ سے ہوتا ہے نیز فیضان وجود حقانی بھی جملہ موجودات پر حقیقتِ محمدیہ ﷺ کے ہی وسیلہ سے ہوا ہے۔ (لولاك لما خلقت الافلاك) اس کی دلیل ہے۔

مقام : ۱. سالک کا ہر ایک منزل کے لوازمات اور مراسم کو پورا ادا کرنا اور اس منزل کی روحانیت کا مالک ہو جانا اور اس میں ایسا مضبوط و ثابت قدم ہونا کہ تنزل کا خطرہ بھی نہ رہے بلکہ اس کے بعد اعلیٰ منزل میں ترقی کرے جیسے سالک کے واسطے یہ پانچ مقام، صبر، قناعت، توکل، تسلیم، رضا ابتدائی مقام ہیں چنانچہ سالک صبر میں پورا اور پختہ ہو کر قناعت حاصل کرتا ہے اور قناعت میں مضبوط ہو کر توکل میں اور توکل میں کامل ہو کر تسلیم میں اور اس کے بعد رضا کی منزل حاصل کرتا ہے۔
مقام میں استقلال ہوتا ہے۔ مقام اصحاب تمکین کا حصہ ہے۔
۲. اسی طرح سالک کے لئے منازل عروجی ہیں وہ سو ہیں، ننانوے منزلیں مطابق تعداد اسماء حسنیٰ کے تلوین کی ہیں۔ ہر ایک منزل سالک کو طے کرنی ہوتی ہے اور کسی منزل میں قیام نہیں کرتا بلکہ ہر ایک

منزل سے آگے ترقی کرتا ہے، ان ننانوے منزلوں کے بعد مقامِ تمکین ہے وہاں پہنچ کر سالک اقامت کرتا ہے، کیونکہ تمام منازل سلوک سے فارغ اور جملہ اعتباراتِ غیریت سے پاک ہو کر ذاتِ سبحانہ میں مستغرق ہو جاتا ہے اور قطرہ عین دریا ہو جاتا ہے۔ اسی کو مقامِ فقر و مقامِ غنیٰ کہتے ہیں، یہ انتہائی مقام ہے۔ یہاں ایک حد سے گزر کر لامکان و لاحد کے میدان میں محو حیرت ہوجاتا ہے (ما عرفناک حق معرفتک) سے یہی اشارہ ہے۔

مقام ابراہیم: تعمیر کعبہ کا وہ مقام جہاں بعد طواف دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہونے میں اشارہ ہے، نیز مقام ابراہیم کے دونفل شکرانہ ہے حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا جس کا ظہور ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ قیامت تک یہ شکرانہ ادا کیا جاتا رہے گا۔

مقام او ادنیٰ: یہ وہ مقام ہے جو مقام قاب قوسین سے بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔ معراج سے قبل فنا فی اللہ کے قاب قوسین تھی بعد عصول فنا فی اللہ اور بقاباللہ کے او ادنیٰ ہوئی۔

مقامِ تنزلِ رحمانی: سے مراد نفسِ رحمانی یعنی وجود حقانی کا مراتب تعینات میں مرتبۂ واحدیت ہے۔

مقام حب حقیقی: الحبت الحقیقت یہ مقام حب حقیقی ہے، بحسب قول کنت کنزاًمخفیاً الخ۔ یہاں حب ظہور و توجہ بخلق رونما ہوا کنز مخفی وہ ہویت احدیت ہے جو کہ غیب میں پوشیدگی کی وجہ سے باطن ترین مقام ہے۔ تعین اول میں حب ظہور کا پہلا اظہار ہے اور اس لیے یہ مرتبہ مقام حب حقیقی ہے۔

مقام محمود: اُس کے معنی درجہ اعلےٰ حسنات کے ہیں، یہ مقام خاص مقبولیت مطلقہ کا ہے کہ جو مستلزم محبوبیت مصدقہ کو ہے، مقام قربت یہی مقام محمود ہے۔

مقام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۱. ہر دو طرفین کی عینیت بھی ہے گویا پورا دائرہ وحدت ہے۔ اسی کو مقام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں اور یہی منشاء روح آنحضرت علیہ الصوٰۃ و السلام کا۔ مقامات محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے یہ ایک مقام ہے۔

۲. نور اسمائے الٰہی ہے جو ارباب ہے اس کا مربوب اسمائے کونی فلک شمس ہے چوتھے آسمان کا کوکب شمس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مکان علیا کہا۔ حضرت ادریس و عیسیٰ و سلیمان و داؤد اکثر انبیا و اہل تمکین یہاں متمکن ہیں۔

مقام موسوی علیہ السلام: کنشت میں درج ہے استیلائے صورت تشبیہہ۔

مقامات عشرہ: ولایت بلاحصولِ مقامات عشرہ حاصل نہیں ہوتی۔

۱. توبہ۔ ۲. انابت۔ ۳. زہد۔ ۴. قناعت۔ ۵. ورع۔ ۶. صبر۔ ۷. شکر۔ ۸. توکل۔ ۹. تسلیم۔ ۱۰. رضا۔

مقصود: محبوب اور مطلوب معنوی کومقصود کہتے ہیں کہ ذات مطلق ہے اور مقصود تجلی روحی کو بھی کہتے ہیں۔

مقصود در مطلوب: حق سبحانہ تعالیٰ ہے۔

مکاشفہ: ۱. اسرار کے ظاہر ہونے کو کہتے ہیں اور امورِ غیبی کو سالک کے دل پر اس طرح کہ سالک چشم ظاہری کو بند کرے اور مراقب ہو کر قلب کو حق کی طرف متوجہ کرے اور قلب کی آنکھ سے دیکھے۔ اُس وقت قلب پر تجلیات وارد ہونگی یعنی شہود ذات کا صفات کی صورت پر مشاہدہ کرے گا، اس کشف کو کشف صغریٰ اور کشف کونی بھی کہتے ہیں۔

۲. اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو ان واقعات سے پہلے مطلع فرما دینا جو دنیا میں پیش آنے والے ہیں۔ یہ حضوری معنوی ناسوت وملکوت و جبروت و لاہوت کا نفس و دل و روح و سِر کے سامنے آشکار ہو جانا سے حاصل ہوتی ہے۔

مکاشفہ سماعی: اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اہل کشف حق تعالیٰ سے بغیر واسطہ کے کلام سنے جیسا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج اور ان اوقات میں سنا جن کی بابت حدیث میں اشارہ ہے "مجھ کو حق تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے جس میں ملک مقرب اور نبی مرسل نہیں سماتے" اور جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کلام حق کو بے واسطہ سنا اس کے بعد وہ مرتبہ جس میں حق تعالیٰ کا کلام جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے سنا اس کے بعد عقل اول یا دیگر عقول پھر نفس کلی اور ملائکہ سماوی و ارض کا علی الترتیب کلام کا سنا۔

مکانت : ا۔سب سے اعلیٰ اور ارفع منزل کو مکانتہ کہتے ہیں اور کبھی اس سے مقصد صدق مراد لیتے ہیں ۔

۲۔ اس سے مراد علوے رتبہ ہے اور یہ وہ منزلت عالی ہے کہ سب منزلوں سے اعلیٰ ہے اور کبھی اطلاق کیا جاتا ہے اس کا اس مکان کی طرف کہ حق تعالیٰ کے ارشاد (بیچ مقام قدس کے نزدیک بادشاہ صاحب قدرت) جس کی طرف اشارہ ہے ۔

مکر : معشوق کا عاشق پر اپنی یکتائی ظاہر کرنا اور اپنی بے مثال خوبی پر مغرور ہونا، کبھی یہ بطریق لطف ہوتا ہے، اس سے عاشق پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے اور کبھی بطریق قہر و جلال ہوتا ہے اس سے عاشق کو اپنی بے بضاعتی اور بیکسی محسوس ہو کر یہ حاصل ہوتا ہے کہ میں اور میری خدمت کچھ نہیں بدون توجہ وفضل و کرم معشوق کے کچھ بن نہیں آسکتا، اس حالت میں ماسوائے اللہ سے بیزار اور محوِ معشوق ہو جاتا ہے ۔کبھی مکر سے فریب و استدراج بھی مراد لیتے ہیں ، یعنی اللہ تعالیٰ کا نافرمان و بے ادب بندہ کو نعمتیں عطا فرمانا، اور اُس سے کرامت ظاہر کرنا ۔

۳۔لغت میں حیلہ کرنے اور بد اندیشی اور فریب دہی کو کہتے ہیں ۔

اصطلاح میں مراد ہے عطا کرنا حق کا نعمتوں کو بندے پر باوجود مخالفت بندے کی حق کے ساتھ اور باقی رکھنا حال بندے کا باوجود سوء ادبی کے حق کے ساتھ اور ظاہر کرنا عبد کا آیات اور کرامات کو بغیر امر حق کے ۔

مکنون المکنون : مرتبہء ذاتِ احدیت گنجِ مخفی اور منقطع الاشارہ اور مقام محویت کو کہتے ہیں۔

ملاحت بے نہایت : کمال الٰہی کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اس کی نہایت کو نہ پہنچے کہ مطمئن ہو جائے ۔

ملاحت و صباحت : صباحت جمالِ ظاہر، جمال جس نے ظہور پایا۔ کھلا ہوا حسن، حسن کی ظاہری صورت، چمک دمک ۔

ملاحت ایک حالت وجدانی ورائے حسن جو ممالک حسن و جمال پر مسلط ہو گئی اور اپنے فتنوں اور اپنی شور انگیزیوں کی وجہ سے عالم کو درہم برہم اور دلوں کو مسخر کرنے لگی اور جس شان سے صورت دلبری کو اقرب پایا، اسی شان میں تجلی کرنے لگی ۔

فی الحقیقت ملاحت لمعہء نورِ وحدت حقیقی ہے جس نے مرتبہ اطلاق یعنی جہان بے مثالی سے تنزل کیا اور جمال کے وسیلہ سے دلوں کو جذب کرنے لگی اور نہیں چاہتی کہ کسی کو مملکت تقید و مثال میں مقید رہنے دے ۔نہایت کمال حق سبحانہ تعالیٰ ہے جس کی انتہا کو کوئی نہیں پا سکتا اور مطمئن ہو جاتا ہے ۔

ملامتی و ملامتیہ : ا۔لغت میں مخالف شرع شریف کو کہتے ہیں۔

اصطلاح میں اُس سے وہ فرقہ فقراء مراد ہیں جو ظاہر میں بدنام اور باطن میں ہوشیار یعنی اپنی عبادت کو غیر سے پوشیدہ رکھتے ہیں اور کسی خوبی کو نہیں ظاہر کرتے اور اپنے شر اور برائیوں کو ظاہر کرتے ہیں تا کہ خلق میں حقیر اور بدنام ہوں۔ حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں (یعنی وہ لوگ اعلیٰ گروہ کے ہیں اور اُن کے تلامذہ بدلتے رہتے ہیں وہ اطوار اپنے حالات اور کیفیات سے واقف ہیں) ۔

۲۔صوفیا کی وہ جماعت جو اخلاص میں بے حد کوشش کرتی ہے ریا سے بہت بچتی ہے اور اپنے کمالاتِ باطنی کو ظاہری شکستہ حالی کے تحت میں پوشیدہ رکھتی ہے ۔

ملامست : کبھی کشف بطور ملامست کے ہوتا ہے اور ملامست سے دو انوار یا دو اجسام کا آپس میں ملنا مراد ہے ۔

ملجاء : لغت میں جائے پناہ۔ وہ ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ ہے اور حصول مراد کا اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ و اعتماد رکھنا بھی ملجا کہلاتا ہے۔

ملحد : راہ حق سے اعراض کرنے والے فاسق اور بے دین کو ملحد کہتے ہیں۔ اس کی پانچ قسم ہیں ۔

(۱) ملحدِ شریعت جو عملاً اور اعتقاداً خلافِ شرع ہو ، اور بے لگام خلافِ شرع باتیں کرے ۔

(۲) ملحدِ طریقت جو محبتِ دنیا میں مبتلا ہو ، خدا سے غافل ہو اور اپنے

کو فقیر جانے اور فقیر کہلائے۔
(۳) ملحدِ حقیقت جس نے معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر اپنی اغراض اور خواہشات کو معبود بنایا ہو اور منہ سے حقیقت اور اسرار کی باتیں بنائے۔
(۴) ملحدِ معرفت جو معرفت سے ناآشنا ہو اور حجاباتِ غیریت میں پھنسا ہوا ہو لیکن باتیں عرفان کی کرے، اور لوگوں سے اپنے کو عارف کہلائے۔
(۵) ملحدِ وحدت جو توحیدِ حقیقی سے بے بہرہ اور وحدتِ ذوقی سے ناآشنا ہو، لیکن علمی توحید کے ڈینگ مارے اور صاحبِ حال لوگوں کی سی باتیں کرے۔
کبھی ملحد اس کامل و اکمل کو بھی کہتے ہیں۔ جس نے جملہ حجاباتِ دوئی اور اعتباراتِ غیریت کا حقیقی طور پر انکار کیا ہو، یعنی خودی و غیریت کو بالکل فنا کر دے۔
ملک: عالم ناسوت، عالمِ شہادت عالم محسوسات یعنی عالمِ اجسام۔
ملکوت: بعض عالم ارواح کو اور بعض مرتبہء اسماء کو ملکوت کہتے ہیں۔ بعض عالم غیب کو کہتے ہیں۔
اور بعض کے نزدیک یہ ملائکہ کا عالم ہے اور ملک و ملکوت دونوں عالم شہادت فی الخارج میں ہیں اور عالم غیب ان کے ماوراء ہے۔
ملکہ: اعمال کا پختہ ہونا۔ تفکر کا نتیجہ نیک اور بد کی تمیز پیدا کرتی ہے۔ جس کام سے الفت ہو وہ عادت بن جاتی ہے اور ملکہ نفس بن جاتا ہے یہ ملکہ ایک کیفیت نفسانی ہے۔ جس کا پیدا ہونا گویا عمل کا پختہ ہونا ہے۔ یہ کیفیات نفسانی جو کہ عالم صورت میں مخفی ہوتی ہے۔ عالم معنی یعنی آخرت میں مناسب صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ روح کے بدن سے علیحدہ ہوتے ہی وہ جملہ ملکات جو دنیا میں بتدریج حاصل ہوئے تھے دفعتاً روشن اور ظاہر ہو جاتے ہیں۔ جسم مثالی چونکہ ظلمت و کثافت عنصری سے مبرا ہے ان صورتوں کے عکس کو جو اس پر ڈالی جاتی ہیں فوراً قبول کر لیتا ہے۔
ممتنع الوجود: ۱. دراصل ممتنع الوجود اُسے کہتے ہیں، جس کا کسی طرح بھی وجود نہ ہو سکے یعنی ضد واجب الوجود، جیسے غیر حق اور شریک باری، لیکن کبھی ممتنع الوجود سے مرتبہء روح بھی مراد لیتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بے کیف ہے۔
۲. نیز عدم کو بھی کہتے ہیں۔
محمد الہم / محمد الیہم: حضور خاتم الانبیاء محمدِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اس لئے کہ باعثِ ظہور ذات وتخلیقِ خلق آپ ﷺ ہی کی ذاتِ باکمال ہے۔ آپ ﷺ واسطہ ہیں واسطے ہدایت امتوں کے اور متصرف ہیں عالم میں بسبب قطبیت اور خلافت مطلقہ کے اور ہادی ہیں راہ مستقیم کے اور مظہر ہیں اسم اعظم کے۔
چنانچہ ارشادِ ذوالجلال ہے (لَولاكَ لما خلقت الافلاك) و نیز تمام عالم کے لئے آپ ﷺ ہی کی ذاتِ مقدس چراغِ ہدایت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وسیلہ ہی سے جملہ عالمیان کو نورِ ہدایت عطا ہوتا ہے۔
ممکن: عالمِ ارواح، عالمِ مثال، عالمِ اجسام کو ممکنات کہتے ہیں۔
ممکن الوجود: ۱. ماسوائے اللہ کو ممکن الوجود کہتے ہیں اور کبھی ممکن الوجود خاص عالمِ مثال مراد ہوتا ہے نیز جسم مثالی۔ ۲. اصطلاح میں وجود مثالی علمائے ظاہر کے نزدیک ممکن الوجود وہ ہے جس کا نہ ہونا بھی ضروری ہے اور ہونا بھی ضروری ہے۔ اس میں سلب دونوں جانب سے ہے اور وہ مخلوق ہے۔
مناسبت ذاتیہ درمیان حق وعبد: یعنی عبد اور رب میں مناسبت۔ اسکی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ظلمت کثرت عبد پر نورِ وحدت حق سبحانہ غالب ہو جائے، یعنی جملہ یا بعض صفاتِ عبد و احکام تعین و کثرت جملہ یا بعض احکام وجوب و وحدتِ حق تعالیٰ سے متاثر ہو جائیں۔
دوسرے یہ کہ عبد صفات بشریت و عبدیت کو فنا کر کے تمام یا بعض صفات و اسماءِ حق تعالیٰ سے متصف ہو جائے۔
جس عبد میں دونوں صورتیں مناسبت کی جمع ہوں وہ کامل و اکمل ہے، اور جس میں صرف پہلی صورت ہو وہ عبد محبوب و مقرب ہے۔
دوسری صورت بلا اوّل کے حاصل ہی نہیں ہو سکتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس عبد پر جس قدر احکامِ وجوب کا غلبہ ہوگا۔ (صورت اوّل

ہیں) یا جس عبد نے جس قدر صفات و اسماء حق میں فنائیت حاصل کی ہوگی (یہ صورت ثانی میں) اُتنا ہی وہ اعلیٰ و ارفع ہے۔

مناصفہ : ۱۔حق سبحانہ تعالیٰ اور خلق کے ساتھ حسنِ معاملہ رکھنا یعنی حقوقِ الٰہی اور طاعاتِ الٰہی میں خلوص و محبت سے مصروف رہنا اور حقوق العباد کو پورے طور سے ادا کرنا۔

۲۔اصطلاح میں باہم انصاف کرنے کو کہتے ہیں۔

منبعث الجود الوجود۔منتہی المعرفتہ۔منزلۃ التدانی۔منزلۃ التدلی۔

منشاء السویٰ : یہ سب نام مرتبۂ واحدیت کے ہیں ، وحدتِ ذاتیہ تعینِ اوّل سے نزول ہو کر مرتبۂ واحدیت بنا ہے اس لئے منہج اوّل نام ہوا۔ اور تفصیل اسماء و صفات یہیں ہوتی ہے اور صورِ علمیہ اعیانِ ثابتہ یہیں متعین و متمیز ہوتی ہیں، اس لئے۔

منشاء السویٰ اور منبعث الجود نام ہوا، اور حق سبحانہ تعالیٰ اسی مرتبۂ واحدیت میں نزول فرما کر حق الاشیاء میں جلوہ گر ہو کر صورِ خلق کے قریب ہو جاتا ہے ، کیونکہ وحدت سے صورِ علمیہ اعیانِ ثابتہ اس مرتبۂ واحدیت میں متعین ہوتی ہیں اور پھر اعیانِ ثابتہ سے عالمِ ارواح بنتا ہے ارواح سے مثال ، مثال سے اجسام اس لئے اس کا نام۔منزلۃ التدانی ہوا اور اسی مقام میں خلقِ حق سبحانہ تعالیٰ کے قریب ہوتی ہے کیونکہ اس کے بعد ذاتِ بحت ہے، جملہ مراتب صفات و اسماء یہاں ختم ہیں جب سالک عروج کر کے مرتبۂ واحدیت میں پہنچتا ہے تو حق سبحانہ کے قریب ہو جاتا ہے ، اس لیے منزل التدانی و منتہی المعرفت کہتے ہیں۔

منتہی العابدین : سے اشارہ ہے مرتبۂ الوہیت کے جو کہ جملہ عبادات کی انتہا ہے نیز عابدین تعین حقیقت انسانیہ کے محل سے تجاوز نہیں کر سکتے۔

منجاء : جائے بازگشت وہ ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ ہے اور اوقات سے ، دل کی آفت سے خلاصی پانے کو بھی منجاء کہتے ہیں۔

منجم : علم نجوم کو موثر حقیقی سمجھنے والے راہ حق سے گئے ہیں۔ دوسرا گروہ جو اسے باطل سمجھتا ہے متذکرہ بالا دونوں فریق افراد و تفریط پر ہیں۔

منزل/منزلیں : منزل جائے قیام سلوک کو کہتے ہیں۔منزلیں چار ہیں۔ (۱) ناسوت (۲) ملکوت (۳) جبروت (۴) لاہوت۔

سالک منزلِ ناسوت یعنی عالمِ اجسام کو فنا کر کے منزلِ ملکوت یعنی عالمِ مثال میں اور اسے فنا کر کے منزلِ جبروت میں یعنی عالمِ ارواح میں اور اسے فنا کر کے منزلِ لاہوت میں پہنچتا ہے، منزلِ لاہوت ذات کے تینوں مراتبِ داخلی یعنی واحدیت،وحدت۔ احدیت کا نام ہے، واضح رہے کہ سالک جب منزلِ ناسوت طے کرتا ہے تو ماسوائے اللہ کو دل سے بھلا دیتا ہے اور منزلِ ملکوت میں جا کر ہر وقت یادِ حق میں مشغول و مصروف رہتا ہے اور منزلِ جبروت میں اپنی ہستی و خودی و انانیت کو فراموش کردیتا ہے اور منزلِ لاہوت میں سالک کی نظر ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ پر رہتی ہے۔

منشاءُ الکثرت : مرتبۂ واحدیت کا نام ہے کیونکہ تفصیل اسماء و صفات اور کثرت یہیں سے شروع ہوتی ہے اور مجمع الارواح اور مرتبہ باطن کو بھی کہتے ہیں۔

منقطع الوجدانی : یہاں نہ وجدان ذاتی ہے نہ صفاتی بعض جگہ جیم کا نقطہ غائب کر کے منقطع الوحدانی بھی کہتے ہیں۔ بعض اسے منقطع وجدانی کہتے ہیں یعنی تعین اول جو کہ وحدت ہے یہاں منقطع ہے۔

منقطع وحدانی : سے مراد حضرت جمع ہے جہاں غیر کا کوئی اثر اور دخل نہیں اور جملہ اعتبارات و مراسم وہاں منقطع ہیں۔ اسے عین الجمع و حضرتِ وجود منقطع الاشارہ بھی کہتے ہیں۔

منہج اوّل : ذاتِ احدیت کا مرتبۂ تفصیل اسماء وصفات میں نزول فرمانا یعنی مرتبۂ واحدیت میں ظہور کرنا ، منہجِ اوّل ہے۔

منیٰ : سے مراد اہل قربت کی منزل ہے۔ ادنیٰ کو اعلیٰ کی خاطر قربان کئے بغیر منزل قرب نصیب نہیں ہو سکتی۔

منیب : انابت کرنے والا ، ایسی توبہ جس میں ندامت ہو جو رغبت سے پیدا ہوتی ہے۔

موافقت : مراتبہ محبت دوست کو دوست سمجھنا اُسے دل میں جگہ دینا ، تابعداری کرنا اور دوست کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھنا۔

موانعات : سلوک میں موانعات ان رکاوٹوں کو کہتے ہیں جو وصول الی اللہ میں سدّ راہ ہوں ، وہ چار ہیں۔ ۱۔ احداث و انجاس۔۲۔معصیت

وشرک و وسواس۔ ۳۔اخلاق ذمیمہ۔ ۴۔ قلب کی ماسوے اُسے آلودگی۔

موانست : مراتب محبت میں اغیار سے وحشت اور گریز اور دوست کی دھن میں ہر وقت مصروف رہنا میل و موانست ہے۔

مولدات/ موالید ثلاثہ : معدنیات ، نباتات ، حیوانات ، معدنیات۔ وہ مرکبات جو مزاج نہیں رکھتے۔ نباتات مزاج رکھتے ہیں، اس مزاج کو نفس بھی کہتے ہیں۔ حیوانات میں نفس بھی ہوتا ہے، حس بھی اور حرکت ارادی بھی۔ ان تراکیب کا نتیجہ موالید ثلاثہ ہیں۔

موت : اصطلاح میں موت اس کو کہتے ہیں کہ سالک اپنے نفس کی خواہشات کا قلع و قمع کر دے اور لذات اور شہوات اور مقتضیات طبعیۂ بد کی طرف میلان نہ کرے۔

کیونکہ یہ سب جہات سفلیہ ہیں اور اگر جہات سفلیہ کی طرف میلان کرے گا تو نفس حیوانی قلب کو جو عبارت نفس ناطقۂ انسانیہ سے ہے جہات سفلیہ کے مرکز کی طرف جذب کرے گا اور نفس ناطقہ حیات حقیقۃ علمیہ سے بہ سبب مرض جہل کے مر جائے گا اور اگر نفس حیوانی کا قلع و قمع ہوگیا تو پھر قلب بالطبع اور بالمحبۃ اصلیہ اپنے مرکز کی طرف رجوع کرے گا کہ جو عالم قدس اور نور حیات ذاتیہ ہے جس کے لئے حیات ابدی ہے اس حالت میں وہ پھر کبھی نہ مرے گا۔ افلاطون اشراقی کا قول ہے (مر تو ساتھ ارادہ کے اور زندہ ہو ساتھ طبیعت کے)۔

حضرت امام جعفر صادقؓ کا قول ہے (موت عبارت ہے توبہ سے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (**تـوبـو و إلىٰ بـارئكم فاقتلوا انفسكم**) ''توبہ کرو اپنے رب کی طرف پس قتال کرو اپنی جانوں سے'' اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار سے جہاد کیا، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (**رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الأكبر قالو يا رسول الله صلى الـلـه عليه وآله وسلم بالجهاد الأكبر قال هز مخالفته النفس**) ''رجوع کیا ہم نے جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف'' صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم جہاد اکبر کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مخالفت نفس کی'' اور دوسری حدیث میں ہے کہ (**المجاهد من جاهد نفسه**) ''مجاہد وہ شخص ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے''۔

مخالفت کیونکہ نفس جہاد اکبر ہے اس واسطے کہ کفار کے جہاد میں آدمی ایک مرتبہ مر جاتا ہے اور نفس کے جہاد میں ہر روز بلکہ ہر وقت موت ہے۔

تو جب سالک ہوائے نفس سے مرگیا تو وہ حیات ابدی کے ساتھ زندہ ہوگیا کہ جو ہدایت اور معرفت ہے اور اُس نے موت ابدی سے جو ضلالت اور جہالت ہے رہائی پائی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (**اومن كان ميتاً فاحيىناه**) یعنی وہ موت ضلالت اور جہالت کے ساتھ مردہ تھا ہم نے اس کو علم حیات اور معرفت کے ساتھ زندہ کیا۔

صوفیا حضرات اس موت کو موت جامع کہتے ہیں کیونکہ یہ موت سب اموات کی جامع ہے۔

موتِ ابیض : نفس کو بھوک سے مارنا۔ یعنی بہت کم بقدرِ قوت لایموت کھانا۔ اس سے صفت حیوانیت اور جسمانی لذات مر جاتی ہیں اور قلب منور ہو جاتا ہے۔ چونکہ اس سے دل روشن ہوتا ہے اور نورانیت پیدا ہوتی ہے اس لئے اسکو موتِ ابیض یا سفید موت کہتے ہیں۔

موتِ احمر : خواہشاتِ نفسانی، لذاتِ جسمانی، صفاتِ حیوانیت کا مارنا اور نفس کے خلاف جہاد کرنا خواہشات کی قربانی سرخروئی کا باعث ہے اسی لیے اسے موت سرخ کہتے ہیں۔

بعض کے نزدیک اس سے فنا بالعشق الصرف مراد ہے یعنی عشق میں فنا ہونا اور یہ فنا فی الذات ہے۔

کیونکہ عشق اصطلاح حضرات صوفیا میں خدا کا نام ہے۔

موتِ اختیاری : سالک کا اپنی ہستی اور خودی کو مٹا کر فنا فی الذات ہو جانا۔ اپنے آپ کو فنا کرنے اور حق کو باقی رکھنے کو موت اختیاری کہتے ہیں یعنی مرنے سے قبل مرجانا۔ '' مروتم قبل اس کے مارے جاؤ تم ''

موتِ اخضر : یعنی گدڑی ، پرانا اور کم قیمت موٹا جھوٹا لباس پہننا اور عمدہ لباس کی خواہش کو مارنا۔

لباس کے بارے میں نفس کے خلاف جہاد کرنا۔ اس سے بھی درویش میں نورانیت قناعت کی پیدا ہوتی ہے اور درویش باطن میں سرسبز ہوتا

ہے پس جس وقت سالک ایسے لباس پر قناعت کرے گا۔ اُس سے ستر پوشی اور نماز صحیح ہو تو وہ شخص موت اخضر سے مر جائے گا بہ سبب اخضرار اور تباہ اور سیاہ ہونے عیش ظاہری کے کیونکہ اس نے نور جمالی ذاتی سے منور ہو جانے پر قناعت کی جس سے وہ حیات ابدی کے ساتھ زندہ ہوا اور تجمل عارضی سے مستغنی ہوا۔

موتِ اسود : یعنی خلق کی جفا کفا اٹھانا اور اس سے بددل نہ ہونا بلکہ اُسے صبر اور خوشدلی سے برداشت کرنا، یہ اس وقت ہوتا ہے جب سالک جملہ افعال و آثار کو یہ سمجھے کہ سب خدا کی طرف سے ہے اور فانی الذات ہوجائے اور ذاتِ تحت سوادِ اعظم میں فنا ہوجائے۔ اسی لیے اس کو موتِ اسود کہتے ہیں ۔

نیز پس یہی فانی الافعال ہے کیونکہ سالک افعال خلق کو اپنے محبوب کے فعل میں فانی دیکھتا ہے بلکہ کل مخلوق کو اپنے محبوب میں فانی دیکھتا ہے اس کو موت اسود کہتے ہیں ۔

موت اضطراری : مفارقت روح از بدن جسے موت طبعی کہتے ہیں ۔

موتِ اقتضائی : وہ موت جو حسب اقتضائے ذاتی واقع ہو جیسے تجددِ امثال اور مکون و بروز میں واقع ہوتی ہے ۔

موت و حیات : موت کے مقابلہ میں حیات بھی اقتضائی و اضطراری و اختیاری ہے ۔ حیات اضطراری ابدی حیات ہے۔ اسے حیات بعد الممات بھی کہتے ہیں۔ حیات اختیاری ابدی حیات بواسطہ تزکیہ وتصفیہ وتجلیہ۔ حیات وممات کی دو اور قسمیں ہیں ۔ حیات حسی وہ حیوانی زندگی ہے جو جملہ حیوانات میں مشترک ہے ۔ حیات معنوی وہ حقیقی اور روحانی زندگی ہے جو خواص افرادِ انسانی کے ساتھ مختص ہے ۔

(۱) جہل اور نادانی کی موت سے نکل کر علم و دانش کی زندگی میں آجانا۔

(۲) تفرقہ کی موت سے نکل کر حقیقت کی جانب متوجہ ہو جانا۔

(۳) نقدان یافت سے نکل کر وجود یافت کی حیات سے زندہ ہونا ، اپنی ذات سے فنا ہو کر بقائے حق سے باقی ہونا۔

موجود/موجودات : ۱. موجودِ حقیقی حق سبحانہ تعالیٰ ہے اور جملہ کائنات موجودِ اضافی ہیں جو وجودِ حق سبحانہ سے موجود ہیں نیز لغت میں جو کچھ قائم بذات ہو اور محتاج کسی کا نہ ہو۔

۲. اصطلاح میں ذات حق کو کہتے ہیں جو خود بخود موجود ہے اور ہمیشہ سے قائم اور اپنی موجودیت میں کسی کا محتاج نہیں اور تمامی اشیاء اسی سے موجود ہوئیں اور موجود مطلق سے اول جو شئے موجود ہوئی ہے وحدت ہے پھر موجود دو قسم پر ہے ایک واجب الوجود ، دوسرا ممکن الوجود۔ پس واجب الوجود وہ ہے جو واجب بالذات ہو یعنی جس کا وجود ضروری ہو باعتبار اُس کی ذات کے جیسے حق سبحانہ تعالیٰ ہے کہ بسیط محض ہے نہ مرکب جنس اور فصل سے اور ممکن الوجود وہ ہے جس کا نہ وجود ضروری ہو اور نہ عدم جیسے کہ مخلوق ہے ۔

۳. اصطلاح میں حضرات صوفیا کی ممکن الوجود خواہ جواہر ہوں خواہ اغراض بتمامہ اعراض وجود مطلق ہیں کہ جنس عالی ہے لیکن فلاسفہ اور اہل منطق اور متکلمین کے نزدیک ممکن الوجود دو قسم پر ہے ۔ ایک جوہر یہ عبارت ہے اس ممکن سے کہ قائم بذات ہو اور محتاج کسی محل کا نہ ہو اور اس کی پانچ قسمیں ہیں ۔

ایک جسم جو قابل ابعاد وثلاثہ ہے یعنی جس میں طول عرض عمق ہو ۔ دوسرا ہیولا ، تیسرا صورت ، چوتھا نفس ناطقہ ، پانچویں عقل جس کو بلسان شرع شریف فرشتہ کہتے ہیں یہ حکمائے مشائین کے نزدیک دس عقول پر منحصر ہیں اور حکمائے اشراقین اور متکلمین۔ حضرات صوفیا کے نزدیک غیر محصور ہیں ، دوسری قسم ممکن الوجود کی عرض ہے جو بالذات موجود نہیں ہے اور محتاج کسی محل کا ہے۔ اس کی نو قسمیں ہیں اور وہ کیف اور کم اور این اور متی اور اضافت اور وضع اور فعل اور انفعال اور ملک ہے ۔

موحد : سالک تمام مراتبِ سلوک طے کر کے اور جملہ اعتبارات غیریت فنا کر کے اور اپنی ہستی و خودی مٹا کر جب ذاتِ احدیت میں پہنچتا ہے، وہ اپنی ہستی اور جملہ موجودات اور حق سبحانہ تعالیٰ کو جانتا ہے ، ایک دیکھتا ہے اور عشقِ ذات میں مستغرق و محو رہتا ہے ، لیکن باوجود ان اعلیٰ و ارفع مقامات حاصل ہونے کے فرقِ مراتب سے غافل نہیں ہوتا، البتہ کسی وقت وہ حالت طاری ہوتی ہے، جس کی طرف اس حدیث (لی مع اللہ وقت) میں اشارہ ہے ۔ اس حالت

میں حق ہی ہے نہ عبد ہے نہ رب ہے نہ کوئی نسبت ہے ۔
موحد کا رتبہ عارف سے بلند ہوتا ہے۔
موئے : ظاہر ہویت یعنی وجود کو کہتے ہیں کیوں کہ ہر شخص کو معرفت وجود سے علماً حاصل ہے اور یہی اصلی تعینات ہے ۔
موئے میاں : ا. سالک کا اپنی ہستی و ماسوائے اللہ کی محبت ترک کرنا۔
۲. اس سے عدم اضافی مراد ہے ۔
مہر : ا. حق سبحانہ تعالیٰ سے ملنے کی طلب و خواہش رکھنا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حق سبحانہ تعالیٰ سے خالص محبت رکھنا۔ یہاں تک کہ ملنے نہ ملنے کی آرزو سے بھی خالی رہنا مہر ہے ۔
۲. مہر سے مراد عشق پُرسوز ہے کیونکہ مہر کے لغوی معنی دو ہیں۔ ایک محبت اور وہی عشق ہے اور دوسرے آفتاب اور عشق اپنی گرمی اور تابش میں مثل آفتاب کے ہیں بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ مگر چونکہ آفتاب سے زیادہ گرم کوئی چیز عالم میں نہیں ہے لہذا اس کی تمثیل عشق سے صادق آ سکتی ہے ۔
مہربانی : سے مراد صفتِ ربوبیت ہے۔
مہم زلف : فہم زلف تعینات کے راز و اسرار کا منکشف ہونا۔
مہیمون : وہ ملائکہ ہیں جو شہودِ جمال حق میں ایسے مستغرق ہیں کہ ان کو ماسوائے اللہ کی کچھ خبر نہیں ہے ، ان کو کروبین بھی کہتے ہیں۔ ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ حق تعالیٰ نے کیا کیا عالم بنائے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ ملائکہ سجدۂ آدم علیہ السلام سے مستثنیٰ تھے۔ ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ آدم کیا ہے اور کب پیدا کیا گیا ہے۔
مئے / مے : ا. وہ ہے کہ سالک کے دل پر عالمِ باطن سے ایسا ذوق وارد ہو جو اس کی طلب اور عشق کو بڑھادے۔ نیز محبت و عشق الٰہی کو بھی مے کہتے ہیں۔
۲. اصطلاح میں اُس ذوق کو کہتے ہیں جو عالم باطن سے سالک کے دل پر وارد ہو کر اس کے ذوق و شوق اور طلب حق کو تیز کرے ۔
۳. مئے شراب کے باب میں ۔
مئے بے رنگ و بو : تجلی ذاتی جو رنگ افعال اور بوئے صفات سے خالی ہو وہ مراد ہے دیکھو۔

مئے لال : مستی عشق کو کہتے ہیں جو بحالت مشاہدہ زور کرتی ہے ۔
میان : سابقہ جو طالب و مطلوب میں جو حجابات و اعتبارات غیریت ہیں وہ میان کہلاتے ہیں ۔
میخانہ و بتخانہ و خمخانہ و شراب خانہ : باطن عارف میں معارف و حقائق اور شوقِ الٰہی بہت ہوتا ہے اس لئے اس کے باطن کو کہتے ہیں ، میخانۂ عالم لاہوت سے مراد ہے ۔
اور بعض کے نزدیک باسوت الطف مراد ہے جس میں جملہ عوالم یک رنگ ہو گئے۔
میدان : مقامِ شہود کو اور بعض عالم اطلاق کو کہتے ہیں اس سے مراد عالم اطلاق ہی ہے جہاں کوئی مراد نہیں اور استغنا محض ہے۔
میزان : ا. عدالت اہل ظواہر کے نزدیک وہ ترازو جو قیامت کے دن لوگوں کے اعمال تولنے کے لیے قائم ہو گی ۔ اہل باطن کے نزدیک عقل جو انوار قدسی سے منور ہو چکی ہو ۔
ا۔ میزان خاص : طریقت۔
۲۔ میزان خاص الخاص عدل الٰہی سے متحقق ہونا جو کہ انسان کامل کا ایک منصب ہے ۔
۳. وہ عدلِ الٰہی ہے جس کے ذریعہ سے نیکی بدی ، صفاتِ حمیدہ و ذمیمہ ، حق و باطل میں تمیز کی جاتی ہے اور یہ عدل الٰہی ظلِ وحدتِ حقیقت محمدیہ ﷺ ہے ۔
جب تک انسان سلوک تمام کر کے مرتبۂ احدیت الجمع مع الفرق یعنی حقیقۃ علی صاحبہا السلام تک نہ پہنچے گا۔ یہ عدلِ الٰہی اُسے حاصل نہیں ہوسکتا، اور وہ ظلمت ، معصیت و نورانیت حسنات نظرِ بصیرت سے نہیں دیکھ سکتا اسی لئے اس کو حق الیقین کا مرتبہ حاصل نہیں ہوتا ۔
وہ نہیں جانتا کہ ارکانِ شریعت کے روحانی فوائد کیا ہیں ۔
صبح کی دو سنت سے کیا ہوتا ہے ، ظہر کے چار فرض سے انسان کی کیا ترقی ہوتی ہے، مغرب کے تین فرض اسے کہاں پہنچاتے ہیں ۔
تیمم سے کیونکر پاک ہو جاتا ہے ، مسح قائم مقام دھونے کے کیسے ہوتا ہے ۔

علیٰ ہٰذا جملہ احکامِ شریعت و طریقت و رموزِ معرفت و اسرار حقیقت وغیرہ ، اس بیان سے دو امر ثابت ہوئے ۔

ایک یہ کہ علمِ شریعت و علمِ حقائق یعنی طریقت ، معرفت ، حقیقت میں وہی انسان کامل مجتہد اور قابلِ تقلید ہوسکتا ہے۔ جو سلوک پورا کر کے حقیقتِ محمدیہ ﷺ میں پہنچے ، اور فنا فی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو جائے اور عین ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ ہو کر ذات ہی کی طرف تعینات میں نزول کرے اور ذرہ ذرہ میں جلوہ گر ہو اور متوجہ الی الخلق ہوتا کہ خلق کو ہر قسم کا فائدہ پہنچے۔

حضرات صحابہء کرام و ائمہ اربعہ و پیرانِ سلاسل رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ، یہ پاک ہستیاں مخلوق کیلئے حضرت باری میں وسیلہ ہیں اور وارث خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں علمِ لدنی سے مالا مال ہیں ، نورِ نبوت سے منور ہیں ، علم ظاہری و باطنی سے مزین ہیں ۔

دوسرے یہ کہ محض علمِ ظاہری اجتہادِ علمِ شریعت کے لئے کافی نہیں ہوسکتا ، لہٰذا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تمام ان اشخاص (جن کو علمِ ظاہری نہیں ہے ، یا علم ظاہری ہے مگر علمِ باطنی و علمِ لدنی حاصل نہیں ہے) پر ان حضرات کی تقلید فرض ہے ۔ شریعت میں بھی اور طریقت میں بھی، یہ موٹی بات ہے ہر شخص کا دل مانتا ہے کہ دنیاوی معاملات میں ہر ناواقف، واقف کار کے کہنے پر نہ چلے گا تو نقصان اٹھائے گا۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شریعت یا طریقت میں ناواقف بھی ہو اور اس راہِ مستقیم کے تجربہ کاروں کی بات کو بھی نہ مانے اور امید فلاح و بہبود رکھے ، حسر الدنیا والآخرۃ، نعوذ باللہ من ذلک ۔

یہاں ایک نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے وہ یہ کہ یہ حضرات علیہم الرضوان مظہرِ اسمِ ''ہادی'' ہیں ، بعض ان میں سے اپنی تکمیل کے بعد بااِرادہ برائے خدمتِ خلق ہدایتِ عامہ یعنی تفقہ فی الشریعت کی طرف زیادہ متوجہ ہوئے اور نورِ نبوت کی روشنی سے مسائلِ جزئیہ شریعت کے قرآن و حدیث سے استخراج کئے ۔

اس لئے کہ سب سے پہلا فرض یہی ہے بلا شریعت کے طریقت ، معرفت ، حقیقت حاصل نہیں ہوسکتی ، اور اس میں ایسے ممتاز ہوئے کہ مسائل شریعت میں کبار اولیاء کرام نے بھی ان کی تقلید کی ، جیسے حضرات ائمہ اربعہ علیہم الرضوان ، اکابر اولیاء جیسے : حضرت غوث الاعظم دستگیرؒ ، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری ، حضرت خواجہ نقشبندی ، حضرت خواجہ سہروردی علیہم الرضوان ، باوجود خود مجتہد ہونے کے انہیں ائمہ اربعہ کے دائرۂ اجتہاد میں منسلک رہے ، حضرت بابا فرید مسعود شکر گنج علیہ الرحمۃ فخر کرتے ہیں کہ ہم مذہب امام ابو حنیفہ میں ہیں ، اللہ اللہ ان حضراتِ ائمۂ اربعہ کا ہدایت عامہ میں کیسا بلند مرتبہ ہے۔ مظہریت اسمِ ''ہادی'' میں کیسا ارفع مقام ہے۔ ساری و نافذ ہے جملہ اہلِ اسلام پر، عوام الناس اور علماء ظاہری پر ان کی تقلید فرض ہے اور اولیاء کرام نے بھی ان کی تقلید کو احسن سمجھا ۔

جو ان سے روگردانی کرے گا ، بیشک وہ شریعت محمدی ﷺ سے بہت دور جا کر گرے گا ۔

بعض ان میں بامر اللہ ہدایتِ خاصہ یعنی طریقت ، معرفت ، حقیقت کی طرف زیادہ متوجہ ہوئے وہ سلسلۂ بیعت و ارشاد میں ممتاز ہوئے ، اور بندگانِ خدا کی تکمیلِ باطنی میں مصروف رہے اور مجاہدات و ریاضات و اوراد ، ذکر و شغل کے خاص خاص طریقہ بذریعۂ نبوت قرآن و حدیث سے استخراج کر کے مکمل کئے ۔

جیسے حضرت جنید بغدادی ، حضرت بایزید بسطامی ، حضرت امام غزالی ، حضرت ابنِ عربی سلسلۂ قادریہ ونقشبندیہ و چشتیہ و سہروردیہ علیہم الرضوان اور بعض جامع دونوں ہدایتوں کے ہوئے ہیں ، اسی طرح صحابہ کرام و تابعین کے دور میں بھی ہوا ہے ۔

یہ حضرات وصول الیٰ اللہ میں وسیلہ ہیں واصل بحق ہونا، سب سے بڑا فرض ہے لہٰذا ان ہاتھوں پر بیعت فرض ہے اور ان حضرات کا حلقہ بگوش ہونا بڑی نعمت ہے ۔

چونکہ عوام الناس و علماء علمِ ظاہری حق و باطل میں خود تمیز نہیں کرسکتے ، ان میں نورِ نبوت کی روشنی نہیں ہوتی، اس لئے وہ حق و باطل ، نیکی و بدی میں امتیاز احکامِ شریعت سے کرتے ہیں یعنی شریعت میں جو امر ممنوع ہے اُسے برا سمجھیں اور جو مباح ہے اُسے اچھا سمجھیں اس لئے اُن

کے واسطے ۔ میزانِ علمِ شریعت ہے ان پر مجتہدانِ شریعت کی تقلید فرض ہے اور ان مجتہدانِ شریعت کی میزان نورِ نبوت ہے۔ اس کے ذریعہ سے احکامِ شریعت کی ان کو تصدیق ہوتی ہے اور حق الیقین حاصل ہوتا ہے اور قوتِ اجتہادی ان میں پیدا ہوتی ہے اور عدلِ الٰہی سے اُن کو تائید حاصل ہوتی ہے اسی وجہ سے یہ لوگ مقتداء انام ہوتے ہیں۔

میکدہ / میخانہ : مقامِ مناجات (خدا سے فریاد کرنا) بطریقِ محبت (مراتب سلوک کے اعتبار سے) ، باطن عارف میں معارف و حقائق الٰہی بہت ہوتا ہے اس لیے اس کے باطن کو کہتے ہیں ۔

میخانہ عالم لاہوت سے بھی مراد ہے ۔شراب خانہ عالم ملکوت سے بھی یہی مراد ہے ۔

باطن عارف کامل کہ اس میں ذوق اور شوق اور معارف الٰہی بہت ہوتے ہیں اور بعض حسن ظاہری کو بھی کہتے ہیں ۔

میل : اپنی اصل کی جانب شعور و آگاہی و ارادہ سے مقصودِ اصلی کی طرف رجوع ہونا جس طرح سالک واقفیت کے ساتھ منازلِ سلوک طے کرتا ہے اور میلانِ حق سبحانہ کی طرف رکھتا ہے، یہاں تک کہ واصل بحق ہوجاتا ہے ، نہ مثل جمادات و نباتات کے رجوع طبعی کے بے اختیار اپنے اصل کی طرف مائل ہیں ۔

میمِ احمدﷺ : اَحد اور احمد میں میم کا فرق ہے ۔ احد اسم ذات ہے باعتبار انتفاء تعدد اسماء و صفات ۔ میم کے جمع ہونے سے احمد ہو گیا جو تعین اول ہے اور احد کا مظہرِ حقیقی ہے تو گویا میم احمد اشارہ ہے دائرہ موجودات کی جانب جمیع مراتب کونیہ اجزاء ہیں حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میم کے عدد چالیس ہیں۔

مراتب موجودات بھی ازروئے کلی چالیس ہیں ۔

ن

ن : ۱. جملہ صورِ کونیہ میں حق تعالیٰ کی تجلی ''اسم ظاہر'' کے تحت میں ۔ یہ ایک اسم الٰہی ہے ۔ مرتبہ ظاہر العلم ،علم اجمالی ، بحر امکان جو اسمائے کونی کا منشا اور اس پر محیط ہے ۔

۲. ن مثل بحر کے ہے اور حقائق کونی مثل ان مچھلیوں کے ہیں جنھوں نے اس بحر سے صورت پکڑی ۔

نابالغ : راہ سلوک میں سالک کی جب تک یہ حالت نہیں ہوتی کہ اشغال ظاہر اس کے اعمال باطنی کے لیے مانع نہ ہوں اور اعمال باطن اشغال ظاہر کے لیے حجاب نہ رہیں اسے نابالغ کہتے ہیں ۔ ایسے شخص کو دعوت خلق کی اجازت نہیں ۔

ناز : ۱. لغت میں بمعنی درخت نورستہ اور درخت سرو صنوبر وغیرہ ۔ اصطلاح میں صفت معشوق ہے یعنی معشوق کا اپنے عاشق سے ظاہراً بے پروائی کرنا اور دل سے اس کی قدر کرنا ۔

۲. اہل تصوف کے نزدیک ناز معشوق حقیقی یعنی حق سبحانہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ وہ اپنے عاشقوں پر تجلی ظاہری و باطنی فرماتا ہے اور بعض کہتے ہیں ۔ کہ معشوق کی طرف سے عاشق کی حوصلہ افزائی ہونا اور ذوق وشوق کو بڑھانا ناز ہے ، بطریق موافقت ناقص چیز لے کر کامل چیز عطا فرمانا ناز صفت معشوقیت ہے ۔ ناز صفت عاشقیت ۔

ناسوت : ۱. عبارت ہے عالم شہادت سے کہ محل جمال ہے ۔

۲. بشریت ، عالم بشریت ۔

ناقوس : ۱. انتباہ کو کہتے ہیں جو توبہ اور انابت کی طرف لائے۔

اور اُس جذبہ کو بھی جو حق سے خبردار کرے اور نفس سے خلاصی دے۔

اطاعت اور قناعت کی طرف دعوت دے یعنی برائیوں سے بچائے اور متنبہ ہوکر خدا کی طرف متوجہ کرے۔

نیز وہ جذبہ الٰہی جو بندے کو خواب غفلت سے بیدار کرے ۔

۲. بعض کہتے ہیں کہ آفاق میں ناقوس ظاہری سنکھ ہے جو اہل ہنود میں رائج ہے اور ناقوس باطنی صور اسرافیل ہے اور انفس میں ناقوس شریعت اذان ہے اور ناقوس طریقت سماع اور ناقوس حقیقت نغمۂ الست اور ناقوس معرفت صوت سرمدی ہے جس کو صدائے جرس بھی کہتے ہیں ۔

نالہ : اس سے مراد وہ مناجاتِ عاشق جو معشوق کی طرف ہو۔ بعضوں کے نزدیک دعائے عاشق کو کہتے ہیں ۔

نالہ زار : سے مراد تلاش طلب محبت و محبوب ۔

نالہ زیر : الطاف محبوب معشوق جو محبّ پر ہو وہ باعث حیات محبّ ہو۔

نام : کہتے ہیں خلق سے حرمت اور جاہ کی توقع رکھنا اور طلب شہرت۔ اور جاہ اور خودنمائی اور خودستائی اور نیک نامی چاہنا ۔

نامرادی : وہ مقام جہاں سالک میں نہ کوئی خواہش باقی رہتی ہے نہ کوئی ارادہ اس مقام پر ارادۂ عاشق میں عین ارادۂ معشوق بن جاتا ہے اور رضائے عاشق تابع رضائے معشوق ہو جاتی ہے ۔

حقیقتاً یہ وہ اعلیٰ مقام ہے جہاں بشریت مرتفع ہو جاتی ہے۔

جہاں سالک اپنے کو عین حق جاننے لگتا ہے ھویت حقہ میں اس درجہ گم ہو جاتا ہے کہ اپنی یافت کے علم کو فراموش کر دیتا ہے ۔

ناموس : ا. یہ غیرت اور محل غیرت میں آتا ہے۔ اس سے مراد عصمت اور عفت اور تدبیر اور سیاست ہے۔ جمع اس کی نوامیس ہے۔ نوامیس الٰہیہ ملائکہ کو کہتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ معصوم ہیں اور یہ معنی میں قاعدہ اور دستور اور شریعت کے بھی آیا ہے چونکہ اجزائے شریعت انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہے ان کو بھی ناموس کہتے ہیں۔ اس کے معنی صاحب راز کے بھی ہیں ۔

ناموس اکبر سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں اور عورت کو جو ناموس الٰہی کہتے ہیں اس وجہ سے ہے کہ وہ محل تخلیق واقع ہوئی ہے ۔

۲. ناموس حب طلب جاہ ، خلق سے عزت و احترام کی تمنا ۔ کبھی ناموس سے مخفیت کنز مخفی قبل تخلیق عالم کی جانب اشارہ ہوتا ہے ۔

نایافت : جمع حضور ، نسبت خالقیت کا پرتو مخلوق پر ۔

نباتات : نقشہ ارباب و مربوبات میں اسمائے الٰہی رزاق کا مربوبات اسمائے کونی نباتات ہے ۔ نباتات میں رزق ہے حیوانات کے لیے جب کہ اسم رزاق کے تحت میں ہر قسم کا رزق اور بذریعہ رزق کے ہر نوع کی ضرورت کا سامان مہیا فرمایا جاتا ہے اور جملہ نباتات اسی اسم کی تجلی ہیں ۔

اللہ تعالیٰ نے قوت طبعی کے ساتھ ارکان کے اندر مزاج پیدا۔ کیا سب سے پہلے معدنیات پیدا ہوئے۔ قوت طبعی کے تصرف سے ان میں قوت بڑھتی گئی ۔

معدنیات کے بعد نباتات پیدا کئے جن کی ابتدا بھی بہت ضعیف تھی آگے چل کر قوت طبعی نے اُنھیں بھی تنومند بنا دیا ۔

نبل : دوستی حق باوجود وجد تمام ۔

نائے : پیغام محبوب ۔

نبوت : اس کی دو قسم ہیں۔ ایک نبوت تعریفی ، دوسری نبوت تشریعی ۔ نبوت تعریفی یہ ہے کہ جن و انس کو صفات حق و اسماء الٰہیہ سے آگاہ کرنا اور معرفت ذات حق سبحانہ و رموز حقیقت پر مطلع کرنا تاکہ وصل حق و قرب ذات (جو کہ مقصود اصلی و باعث تخلیق عالم ہے) میسر ہو ۔ نبوت تشریعی سے مراد تبلیغ احکام الٰہی و تادیب اخلاق حکمت وخلق سے اور قیام حدود شرعیہ اور ان کا نفاذ سیاست سے۔ جس کو نبوت تعریفی حاصل ہے وہ نبی ہے۔ نبی کا مرتبہ تمام اولیاء اور جملہ مخلوقات سے اعلیٰ ہے اس لئے کہ نبوت تعریفی مرتبہ ولایت میں کامل ہونے کے بعد عطا ہوتی ہے اور جو ولایت میں اکمل اور نبوت تعریفی میں ارفع و اعلیٰ ہوتے ہیں ان کو نبوت تشریعی عطا ہوتی ہے ، وہ رسول کہلاتے ہیں۔ یہ صاحب کتاب ہوتے ہیں اور نبیوں میں اولاالعظم ہوتے ہیں ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر خلق کی ذمہ داریاں زیادہ عائد ہوتی ہیں ان کو حضرت حق کی طرف سے حکومت باطنی اور حکومت ظاہری دونوں مرحمت ہوتی ہیں اور ولیوں و نبیوں کی صرف حکومت باطنی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ رسولوں میں سے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے افضل ہیں کیونکہ ان پر اتاری ہوئی کتاب ناسخ ہے ماسبق کی اور حاوی ہے جملہ ضروریات دینی و دنیوی کو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مقام سب سے اعلیٰ ہے ۔ مرتبہ ولایت اور مرتبہ نبوت میں اور جبکہ یہ امر متحقق ہے کہ صاحب ارشاد اولیاء ان اولیاء سے اعلیٰ ہیں جو صاحب ارشاد نہیں ہیں ۔ اس لئے کہ وہ خود بھی واصل بحق ہیں اور دوسروں کو بھی واصل بحق کرتے ہیں اور اسی خدمت خلق کی غرض سے مقام جمع سے نزول کرتے ہیں اور خلق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اسی وجہ سے فنا فی اللہ سے بقا باللہ اعلیٰ مقام ہے اور یہ معنی ولایت سے نبوت میں بہ درجہ اکمل و اتم ہیں

لہذا نبوت ولایت سے اعلیٰ مقام ہے۔

اور صوفیاء کا یہ جو قول ہے کہ (الولایة افضل من النبوة) "ترجمہ ولایت افضل ہے نبوت سے"۔

اس کے معنی یہ ہیں خود نبی کا مقام ولایت اس کے مقام نبوت تشریعی سے اعلیٰ ہے اس لئے کہ نبی اپنے مقام ولایت میں واصل بحق بصفت عینیت محضہ ہوتا ہے اور انتہاء قرب میں پہنچتا ہے (لی مع الله وقت لایسعنی فیه احد) ترجمہ اللہ کے ساتھ مجھے ایک ایسا وقت ہوتا ہے جس میں کسی شے کی گنجائش نہیں ہے اسی طرف اشارہ ہے۔ تو نبی کا یہ حال اس کے دوسرے حال یعنی انتظام خلق سے ارفع ہے کیونکہ ذات احدیت کی طرف عروج مقام اعلیٰ اور احدیت سے صفات کی طرف نزول اس سے ادنیٰ ہے۔

یہ تفصیل ایسی ہے جیسے کہ ذات احدیت کو ارفع کہتے ہیں اور مرتبہ صفات کو ادنیٰ حالانکہ صفات عین ذات ہیں اس کی ایک موٹی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کا چہار منزل مکان ہے جب وہ اوپر والی منزل میں بیٹھتا ہے تو تین منزل سے اونچا ہوتا ہے اور جب نیچے کی منزل میں بیٹھتا ہے تو اوپر کی منزلوں سے نیچا ہوتا ہے حالانکہ چاروں منزل اسی کی ہیں اور اس شخص کی حیثیت میں اور حقیقت میں کچھ فرق نہیں ہوتا ہے۔

نبی : اُن کو کہتے ہیں جو حق کے احکام بطریق بصیرت اہل عالم کو پہنچا دیں اور واصل بحق کریں اور مرشد کامل کو بھی کہتے ہیں۔

صوفیا حضرات نے لکھا ہے کہ نبوة تشریح منقطع ہوئی نہ نبوة تعریف۔

نجباء : جمع نجیب بمعنی بزرگ، اولیاء کرام کا خاص گروہ ہے جن کا یہ کام ہے کہ خلق خدا کی حاجت روائی کریں۔

اور اپنی حسنات کے بدلے حق سبحانہ تعالیٰ کی جناب میں گنہگارانِ امت کی سفارش کریں اور ان کے مصائب و تکالیف اپنے پر لے لیں۔

اصطلاح میں یہ چالیس ولی ہیں۔ یہ مردان غیب میں سے ہیں۔ نقباء اور نجباء و نیز دیگر مردان غیب سب قطب کے ماتحت کام کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نجباء ستر (۷۰) ہیں۔ انہی کو رجال الغیب کہتے ہیں، نام ان کا حسن ہے مصر میں رہتے ہیں۔

نخست : اس سے مراد روز ازل ہے، جس کی کوئی ابتدا ہی نہیں۔

نرگس : ۱. اس سے مراد چشم عارف ہے جو حیرت محمودہ سے سرفراز ہو۔
۲. اعمال حسنہ سے جو نتیجہ دل میں پیدا ہو۔

نزدیکی : عبارت ہے معارف اسماء صفات و افعال حق کی معرفت کا شعور و عرفان۔

نزول : تصوف کی زبان میں یوں کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے کائنات میں نزول فرمایا یہ ایک اصطلاح ہے جس میں اس ظہور کو بیان کیا جاتا ہے۔

نزول الٰہی : حق تعالیٰ کے آثار و صفات کا ظاہر ہونا جو کہ ربوبیت کے مقتضیات سے ہے۔

نسبت : وہ ملکہء راسخہ محمودہ جو سالک اکتساب سے حاصل کرتا ہے اور جو ملکہ کہ اس کی روح کو جمیع جہات سے احاطہ کر لیتا ہے اور اس کی صفتِ لازمی بن جاتا ہے اور اس کا مرنا جینا اسی پر واقع ہوتا ہے۔

نسیم : عنایت کو کہتے ہیں جس کے دل فریب جھونکے طالبین کی ہمت کو عبادت کے لیے بڑھاتے ہیں یاد آوری عنایات و اکرامات الٰہی۔

نشر : کہتے ہیں اُس بسط کو جو فیض رحمانی کی بدولت حقیقت واحدہ کو صور کثرات میں ظاہر کرتا ہے اور یہ بھی ہر لحظ ہوتا رہتا ہے۔

نشستن : سالک کے کسی حال کا مقام ہو جانا، سکینہ ہے، اطمینان۔

نصیح / نصیح : اخلاص عمل کا نام ہے، عمل کو جملہ فسادات سے پاک کرنا۔

نصیحت: اصلاح اور مفیدبات کی طرف توجہ دلانا اور بری بات سے نفرت۔

نطق : اس دریائے ہستی وجود کا ساحل ہے۔ نطق کے دو معنی ہیں۔ ایک ادراکِ کلیات۔ دوسرا تکلم۔

نظر : لغت میں نگاہ اور فکر کو کہتے ہیں۔

اور اصطلاح میں، دیکھنا سالک کا حق کو حجاب صفات کے ساتھ کہ ظہور حق کی ذات کا صورت صفات میں ہو اور نہ بدوں حجاب صفات ذات کو دیکھنا محال ہے خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں اگرچہ کیفیت رویت میں فرق ہے۔

نیز حق سبحانہ تعالیٰ کو پردہ صفات میں دیکھنا۔

نظر برقدم: یعنی نظر پشت پا پر ہو تاکہ دل پراگندہ نہ ہو جس جگہ کہ نہ چاہیں نہ پڑے اور نظر بر قدم اشارہ سیر عارف سے بھی بلحاظ قطع مسافات ھستی اور طے عقبات خود پرستی کے ہو سکتا ہے یعنی جس جگہ کہ نہ تھے، ہو فی الحال قدم اس پر رکھے۔

نظر بہ غیب: قلب کی تین بیماریوں میں سے ایک بیماری۔
جو اشیاء متکثرہ کے علم سے پیدا ہوتی ہے۔

نعت و وصف: نعت وہ تعریف جو موجب تمیز ذاتی ہو۔
وصف وہ تعریف جو موجب تمیز عرضی ہو۔
نعت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان و عظمت کا بیان۔
''بعد از خدا توئی قصہ مختصر'' عاشق کے لیے قرآن بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت ہے۔

نغمہ: اس سے صوت سرمدی مراد ہے۔

نغمات: فیوض جو مبداء فیاض کی جانب سے قلب سالک پر وارد ہوں اور روح سالک کو قدسی خوشبوؤں سے معطر کر دیں۔

نفث روحی: نفث کے لغوی معنی پھونکنے کے ہیں۔ نفث روحی وہ خطرہ رحمانی ہے جو بلا واسطہ نہ ہو بلکہ اس کا فیضان حق تعالیٰ سے عقل اول پر ہو پھر وہاں سے ارواح قدسیہ پر ہو پھر یہ فیضان روح حیوانیہ پر ہو جو کہ ہم میں موجود ہے گویا یہ فیضان روح القدس کی وساطت سے ہوتا ہے۔

نفحات: فیوض جو مبداء فیض کی جانب سے قلب سالک پر وارد ہوں اور روح سالک کو قدسی خوشبوؤں سے معطر کر دیں۔

نفس: ۱۔ سانس کو کہتے ہیں اور جمع اس کی انفاس ہے اور اس سانس کو اصطلاح میں حرکت اور تجلی ذاتی بھی کہتے ہیں اور بفتح نون و سکون فا روح اور حقیقت شے اور ھستی اور عین ہر شے کو کہتے ہیں اور یہی نفس جو معنی میں روح کے ہے ایک جوہر نجاری لطیف ہے جو حامل قوت حیات اور حس اور حرکت ارادیہ ہے جس کا نام حکما روح حیوانی رکھتے ہیں اور یہ نفس واسطہ ہے درمیان قلب کے۔ اور جسد انسانی کے۔

۲۔ کسی چیز کی ذات کو اس کا نفس کہتے ہیں۔ نفس کی حقیقت اس کی روح ہے اور روح کی حقیقت حق تعالیٰ ہے۔ حق تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفس کو اپنے نفس سے پیدا کیا پھر آدم علیہ السلام کی ذات کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفس کا ایک نسخہ بنایا۔ اس لطیفہ کی وجہ سے باوجود ممانعت کے شجر ممنوعہ کھا لیا۔
کیونکہ نفس ذات ربوبیت سے پیدا تھا۔ اور ربوبیت کی شان یہ ہے کہ کسی کے منع کرنے سے باز نہ رہے لیکن اس میں نفس کو التباس ہوا۔ نفس نے بالذات اپنے اوپر بھروسہ کیا۔ حالانکہ اس کا فرض تھا کہ اخبار الٰہی پر بھروسہ کرتا۔ اس نے یہ نہ جانا کہ اقتضائے طبیعت کے مطابق عمل کرنا روح میں تاریکی پیدا کرتا ہے اور ایسا عمل کرنے والا اس کو شقی بنا دیتا ہے اور یہ بھی نہ جانا۔ ربوبیت کی یہ شان نہیں کہ شقاوت پیدا کرنے والی چیزوں کو عمل میں لائے۔ نافرمانیوں کا یہی نتیجہ ہوتا ہے قرب الٰہی سے بُعد۔

۳۔ صوفیا کی اصطلاح میں انسان کے اوپر کے نصف دھڑ کو جسم ملکوتی اور نیچے کے نصف دھڑ کو جسم نفسانی کہتے ہیں۔ ابلیس نفس کی جہت جلالی و گمراہی کا مظہر ہے اور اسے انسان پر نفس ہی کے وسیلہ سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ شیاطین ابلیس کی اولاد ہیں۔
ابلیس کے وجود کے ننانوے مظاہر ہیں۔ اہل بصیرت کے لیے یہ سات مظاہر کے عجیب نکتہ ہیں۔ ۱۔ دنیا و مافیہا۔ ۲۔ طبیعت شہوات ولذات۔ ۳۔ عجب۔ ۴۔ ریا۔ ۵۔ علم۔ ۶۔ محادات طلب راحت۔ ۷۔ معارف الٰہیہ۔
ابلیس کے پاس گمراہ کرنے کے چھ ہتھیار ہیں۔ ۱۔ غفلت۔ ۲۔ شہوت۔ ۳۔ ریاست۔ ۴۔ جہل۔ ۵۔ لہو و لعب۔ ۶۔ عورتیں۔
اس نفس کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) نفس امارہ۔ (۲) نفس لوامہ۔ (۳) نفس مطمئنہ۔ (۴) نفس ملہمہ۔

نفس الامر: محل اعیان ثابتہ یعنی صور علمیہ کو کہتے ہیں۔

نفس امارہ: قسم اول نفس امارہ ہے۔ اس کا میلان طبیعت جسمیہ کی طرف ہوتا ہے اسی لئے انسان کو جہت سفلی و کثافت یعنی لذات اور شہوات کی رغبت دلاتا ہے۔ یہ النفس امارہ منبع اخلاق ذمیمہ معصیات کا ہے چنانچہ آیت پاک میں اس کی طرف اشارہ ہے (ان

النفس لا مارۃ بالسوء) ''بے شک نفس سکھاتا ہے برائی کو''۔
قلب مضغہ سے اس کا تعلق ہے جہل خشم۔ کینہ۔ حسد۔ بغض۔ نفاق۔ کبر۔ بخل۔ کفر و شرک۔ حرص۔ کذب۔ حرام۔ غیبت۔ مکر۔ طمع۔ ریا وغیرہ اس کی صفات ہیں۔ یہ ظلمت سے بھرا ہوا ہے۔ نیکی سے بہت دور ہے۔
نفس حیوانی: یہ جو ہر لطیف مادی ہے حامل ہے قوت حیات و قوت حس و حرکت ارادی کا۔ اسی کو فلسفے والے روح حیوانی کہتے ہیں۔ یہ نفس حیوانی برزخ ہے درمیان قلب یعنی نفس ناطقہ اور جسد کے۔ یہ بوجہ لطافت کے قلب سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور بوجہ کثافت کے جسد سے، اسی لئے ان دونوں کا ملانے والا ہے۔
نفس رحمانی: مراد اس سے وجود اضافی ہے کہ جو واحد ہے باعتبار اپنی حقیقت کے اور متکثر ہے باعتبار صور معانی کے جو عبارت اعیان ثابتہ و احوال اعیان ثابتہ سے ہیں اور وجہ تسمیہ اس کی مناسبت اور تشبیہ ہے نفس انسانی کے ساتھ کہ متکثر اور مختلف ہے بہ سبب صور حروف کے اور پھر صرف ایک ہوائے سادہ ہے اور یہ نفس رحمانی راحت پہنچاتا ہے ان اسماء کو کہ جو تحت میں اسم رحمٰن کے ہیں یعنی وجود ان کی راحت ہے کیونکہ عدم ظہور کی وجہ سے معدوم تھے اور عدم باعث کرب تھا۔
نفس قدسیہ: وہ ہے کہ جسے ملکہء احتضار بروجہ یقین حاصل ہو یعنی وہ جس وقت جو کچھ چاہے حاضر کر لے۔
نفس کل: یعنی حقیقت کل سے مراد حقیقت محمد یہ ﷺ ہے کیونکہ جملہ عالم کی حقیقت و ماہیت یہی حقیقت محمد یہ ﷺ ہے۔ اسی سے سب کچھ بنا ہے اور بعض کے نزدیک لوح محفوظ اور بعض کے نزدیک عرش ہے۔
نفس کلیہ: یہ ایک نفس ہے مدبر کلیہ۔ موجودات میں عرش سے فرش تک جو کچھ گزرتا ہے وہ نفس کلیہ ہی کا مقتضیٰ ہے۔ مبدئیت خاصیت افعال کے اعتبار سے اسے طبیعت کلیہ کہتے ہیں اس نفس کے نظام متقضیات کو مصلحت کلیہ کہتے ہیں۔
نفوس اجزائے افلاک اور طبائع عناصر اور نفوس نباتیہ اور حیوانیہ سب کے سب گویا نفس کلیہ کے مختلف المزاج اعضاء ہیں اور سب کے سب نفس کلیہ ہی میں مجتمع ہیں۔ ہر ظاہر و پوشیدہ شئے میں یہ نفس ساری ہے۔
صورتوں کے تغیر سے یہ نفس متغیر نہیں ہوتا۔ وہ صرف مدبر کی تدبیر ہوتی ہے جو صورتوں میں تبدیلی پیدا کرتی ہے۔ جب پانی ہوا ہو جاتا ہے اور ہوا پانی بن جاتی ہے تو نفس کلیہ دونوں صورتوں میں باقی رہتا ہے۔ ایک طور سے چھپ جاتا ہے اور دوسری وضع میں ظاہر ہو جاتا ہے۔
نفس لوامہ: قسم دویم نفس لوامہ ہے۔ اس کا تعلق قلب منیب سے ہے، انسان کو نیکی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ عبادت و تقویٰ و اعمال حسنہ اس کی صفات ہیں لیکن اس میں ابھی تک پختگی نہیں ہے اگرچہ بہت سی کثافت نفس امارہ سے پاک ہو چکا ہے۔ اگر احیاناً کوئی فعل معصیت سرزد ہو جاتا ہے تو اپنے پر ملامت کرتا ہے اور خدا سے توبہ کرتا ہے اس میں نور ہدایت کی روشنی شروع ہو جاتی ہے۔
یہ نفس صلحاء کو حاصل ہوتا ہے اس آیت پاک (لا اقسم بالنفس اللوامہ) میں اس کا بیان ہے اور جب اس میں پوری پختگی ہو جاتی ہے اور انسان معصیات کی طرف سے بالکل مجتنب ہو جاتا ہے اور حسنات پر اس کی طبیعت راسخ ہو جاتی ہے اور نور ہدایت کی روشنی پوری ہو جاتی ہے۔
نفس مطمئنہ: یہ تیسری قسم ہے۔ یہ قلب سلیم سے متعلق ہے۔ صفات ذمیمہ سے بالکل پاک و صاف ہے اور اخلاق حمیدہ سے متصف ہے۔ ذوق شوق سے عبادت و طاعت الٰہی میں مصروف ہوتا ہے اور حضرت قدس کی طرف رجوع ہو جاتا ہے اور اطمینان حاصل ہو جاتا ہے یعنی جہت سفلی کی طرف تنزل کرنے کا خطرہ جاتا رہتا ہے۔ اس آیت پاک (یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک ارضیۃ مرضیۃ) ترجمہ (اے نفس مطمئنہ والوں رجوع کرو تم اپنے رب کی طرف خوشی اور رغبت سے) میں انہی لوگوں کی طرف خطاب ہے۔ یہ نفس اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے۔
نفس ملہمہ: یہ چوتھی قسم ہے۔ قلب شہید سے متعلق ہے یہ سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ کمال قرب حق سبحانہ اسے میسر ہے۔ شریعت میں کامل طریقت طے کئے ہوئے علم معرفت سے خبردار۔ رموز و اسرار حقیقت سے آگاہ۔ خطاب الٰہی سے مخاطب کلام الٰہی سے مشرف الہام غیبی

کا مورد ہوتا ہے۔
نفس ملہمہ انبیاء علیہم و الصلوات اور اولیاء کو حاصل ہوتا ہے اور بعض اس کو نفس قدسیہ بھی کہتے ہیں ۔ واضح رہے کہ نفس حیوانی ۔ روح حیات ۔روح حیوانی ایک ہی چیز کے نام ہیں اور یہ مادی چیز ہے اور قلب مضغہ بھی مادی وجسمی چیز ہے اور نفس ناطقہ ۔حقیقتہ انسانیہ ۔ مادی نہیں ہے بلکہ غیر مادی اور لطیف شے ہے ۔ قلب مضغہ میں بہت سے پردے ہیں۔ ہر پردے میں ایک ایک سرّ الٰہی ہے اور ہر ایک پردے کے صفات جداگانہ ہیں ۔
پہلا پردہ سیاہ ہے ۔ تمام خواہشات اور لذات فانیہ ومعصیات وکفر و شرک کا مصدر یہی ہے ۔
بعض صوفیاء کرام اس کو سویدا بھی کہتے ہیں اور منزل ناسوت نام رکھتے ہیں ۔ اس لئے کہ اس کا تعلق عالم کثیف یعنی عالم اجسام سے بہت گہرا ہے ۔
سیاہ پردہ کے صفات غالب ہوتے ہیں تو نفس ناطقہ میں کثافت ہو جاتی ہے اور نفس ناطقہ نفس حیوانی کے قریب اور عالم لطیف سے دور ہوجاتا ہے ۔
اس وقت اس کا نام نفس امارہ ہے ۔نفس امارہ کے قلب مضغہ سے قریب ہونے کے معنی یہ ہیں اس کے عقب میں بقلم قدرت (لا) لکھا ہوا ہے۔ جب ذاکر نفی لا سے اس کی سیاہی کو دور کر دیتا ہے تو خواہشات ولذات فانیہ سے پاک ہو جاتا ہے اور منزل ناسوت سے نکل جاتا ہے ۔نفس امارہ کو دور کر دیتا ہے ۔
دوسرا پردہ صندلی رنگ کا ہے اس کے عقب میں (الہ) لکھا ہوا ہے جب سالک ذاکر پردہ سیاہ کو صاف کر کے ذکر الہ سے اس پردہ میں قائم ہوتا ہے تو اس کے قلب مضغہ کی سیاہی روشنی سے بدل جاتی ہے اور نورانیت پیدا ہوتی ہے ۔
قلب مضغہ میں استعداد صفات ذمیمہ زائل ہو کر قابلیت اخلاق جمیلہ کی ہوتی ہے اس وقت اس کو قلب منیب کہتے ہیں اور اس کی اس استعداد نورانی کی وجہ سے نفس ناطقہ کی صفت امارہ فنا ہو کر اس میں صفت لوامہ حاصل ہو جاتی ہے اور نفس ناطقہ کو عالم لطیف سے قرب ہونے لگتا ہے ۔
بعض صوفیاء اسی وجہ سے اس پردہ کو منزل ملکوت کہتے ہیں۔ اس وقت نفس ناطقہ کا نام نفس لوامہ ہوتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ نفس لوامہ کا قلب منیب سے یہ تعلق ہے ۔
تیسرا پردہ سفید ہے اس کے عقب میں (الااللہ) لکھا ہوا ہے جب ذاکر اسے طے کرتا ہے تو منزل جبروت میں پہنچتا ہے اس لئے بعض صوفیاء اسی پردہ کو منزل جبروت کہتے ہیں ۔
سالک یہاں آ کر عالم لطیف سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور اس کا قلب مضغہ ماہیت کثیفہ جسمیہ سے پاک ہو کر لطیف ہو جاتا ہے اس وقت اس کو قلب سلیم کہتے ہیں اور اسی کے مطابق نفس ناطقہ بھی آگے ترقی کرتا ہے اور مطمئنہ کہلاتا ہے یہ معنی ہیں کہ نفس مطمئنہ متعلق قلب سلیم سے ہے ۔
چوتھا پردہ بیرنگ ہے اس کے عقب میں ''ہو'' لکھا ہے ۔ سالک اس پردہ میں آ کر منزل لاہوت میں آتا ہے۔ اسی لئے بعض صوفیاء اس پردہ کو منزل لاہوت کہتے ہیں اور ذاکر کا قلب بالکل نور ہی نور ہو جاتا ہے اسی لئے قلب شہید کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اسی کے مطابق نفس ناطقہ کثافات اعتباریہ سے صاف ہو کر لطافت توحید سے مزین ہو جاتا ہے اور نفس ملہمہ کہلاتا ہے ۔قلب شہید سے نفس ملہمہ کا یہ تعلق ہے ۔
نفس ناطقہ : جوہر نورانی ہے ، مجرد ہے مادہ سے ، برزخ ہے درمیان روح اور نفس حیوانی کے اپنی لطافت مجردہ کے سبب متصل ہے روح سے اور کثافت جوہریۃ کے سبب متصل ہے ۔
نفس حیوانی سے اسی لئے ان دونوں کا ملانے والا ہے ۔ یہی حقیقت انسانیہ ہے اور اسی کو قلب بھی کہتے ہیں۔ جس طرح قاف کی بحث میں قلب کی چار اقسام بیان کیے ہیں ۔ قلب مضغہ صنوبری ۔ قلب منیب ۔ قلب سلیم ۔ قلب شہید ۔بعض روح انسانی کو کہتے ہیں اور یہی برزخ ہے درمیان قلب اور روح القدس کا اور روح حیوانی اس کا مرکب ہے اور قلب جب مصفےٰ ہو جاتا ہے تو وہ بھی روح کا رنگ پکڑ لیتا ہے اسی وجہ سے بعض صوفیہ نے قلب کو بھی نفس ناطقہ کہہ دیا ہے ،

کیونکہ اس کی حقیقت نفس کلیہ ہی ہے۔
نفی : ا۔ایک صفات ذمیمہ کی نفی کرنا، دوسرے اپنی ہستی و خودی کو مٹانا نیز جملہ اعتبارات غیریت اور حجابات کو اٹھادینا۔
۲۔بعض نیست و نابود کرنے کو کہتے ہیں اور صفات مذمومہ نفسانیہ کو بھی کہ قابل نیست و نابود کرنے کے ہیں اور کبھی اس سے نفی و اثبات مراد لیتے ہیں۔
نفی اثبات : توحید کی دو جہتیں ہیں۔نفی اور اثبات ،کلمہ طیبہ مرکب ہے نفی اور اثبات سے ۔ ذات باری تعالیٰ ان اوصاف ناقص سے منزہ ہے جو اس کی شان کے شایان نہیں اور ان اوصاف ناقصہ سے اس کی نفی کی جاتی ہے۔ اور چونکہ وہ اپنی ذات سے کامل اور اپنی صفات سے مستکمل ہے ان اسمائے حسنیٰ اور ان صفات کاملہ سے جن کو اس نے خود اپنی شان میں بیان فرمایا ہے اس کا اثبات کیا جاتا ہے ۔لیکن حقیقت خداوند عزوجل ''نفی'' اور ''اثبات'' دونوں سے منزہ و ماورے ہے۔
نقاب : ا۔حجاب موانع عاشق میں تجلی معشوق کی قابلیت کا کم ہونا ، اس وجہ سے معشوق عاشق پر اپنی صاف تجلی وارد نہیں کرتا۔
۲۔نقاب وہ مانع جو عاشق کو معشوق سے باز رکھے موافق ارادہ معشوق کے کیونکہ عاشق کو ہنوز استعداد تجلی کی حاصل نہیں ہوئی۔
نقباء : جمع نقیب کی ہے یہ تین سو ولی ہیں۔ نیز یہ اولیاء کرام کا ایک خاص گروہ ہے جن کا بحکم ربی یہ کام ہے کہ مخلوق کے باطنی حالات معلوم کریں اور بحکم ربی کسی مصلحت کے لئے ان حالات اور پوشیدہ باتوں کو بھی ظاہر کرتے ہیں ان کی تعداد تین سو ہوتی ہے اس گروہ کو اللہ تعالیٰ کے اسم باطن کی فنائیت حاصل ہوتی ہے اس لئے مخلوق کے باطنی حالات ان پر روشن رہتے ہیں ،۔
کسی حکمت سے پوشیدہ باتوں کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔
نقطہ : سے مراد ذات بحت ہے اور مرتبہ سلب صفات کو کہتے ہیں جو منقطع الارشاہ ہے اس کو نقطہ ذات بھی کہتے ہیں اور بعض نقطۂ باسم اللہ سے ذات مراد لیتے ہیں۔
نقطۂ جوالہ : مرکز توحید اس مرکز کا دائرہ ممکنات ہیں۔ اسی کے ایک سرے میں شعلہ ہو اور دوسرا سرا ہاتھ میں ہو اور اسی کو تیزی سے گھماؤ تو دائرہ بن جائے گا حالانکہ فی الحقیقت وجود صرف ایک شعلے کا ہے اسی طرح مرکز توحید کے گرد بے شمار دوائر ممکنات بنتے رہتے ہیں جو محض اعتباری ہیں۔
نقطۂ خال: سے مراد وحدت حقیقی ہے اس واسطے کہ نقطۂ خال بسبب ظلمت کے نقطۂ دل کے ساتھ کہ مقام اخفائے شعور اور ظہور اور ادراکِ موثر ظلمت سے ہوتا ہے۔
جیسا کہ تجلی ظہوری معبر نور سے ہوتی ہے اور بندگی شیخ جمال کے نزدیک خال عبارت نقطۂ روح انسانی سے ہے۔
نقطۂ شک : ا۔اس عالم فانی یعنی عالم اجسام کا نام ہے۔
۲۔بعض وہم غیریت کو اور بعض وحدت میں اجمال تشبیہی کو کہتے ہیں اور یہی نقطہ کمال ہے اسی کی وجہ سے حضرت حق کو مرتبہ استغناء غیب الغیوب سے تشبیہہ کی طرف توجہ ہوئی ہے۔
نقل : پوشیدہ اسرار و باطنی معانی کا کشف ہو جانا۔
نکاح الساری فی جمیع الذراری : ا۔اس سے یہ مراد ہے کہ پہلے تو ذات احدیت کو مرتبہ واحدیت کی کثرت اسماء یعنی صور علمیہ سے مرتبہ وحدت یعنی حب ذاتی (حقیقت محمدیہ ﷺ) نے ملایا ہے۔یعنی وہ ذات کنز مخفی اپنے حب ذاتی یعنی تعین اول حقیقت محمدیہ ﷺ کی وجہ سے کثرت اسماء و صفات میں ظاہر ہوئی اور حقائق عالم کی اپنے علم میں تفصیل فرمائی یہی مرتبہ واحدیت ہے اور پھر وہ ذات حقانی اپنے اسماء یعنی صور علمیہ کے مطابق مراتب اکوان میں جلوہ گر ہوئی اور وجود خارجی میں ظاہر ہوئی تو اس احدیت ذاتیہ کا اقتران کثرت اسمائیہ سے مرتبہ واحدیت میں اور پھر اس کا اقتران مراتب اکوان سے خارج میں بمنزل نکاح ہے اور اس کا باعث وہی حب ذاتی یعنی حقیقت محمدیہ ﷺ ہے اور یہ اقتران ایسا ساری و نافذ ہے کہ کوئی شئے اس سے خالی نہیں ہو سکتی اور کس طرح خالی ہو سکتی ہے جب وہی ذات احدیت بعینہ تو جمیع کائنات و جملہ موجودات میں جلوہ گر ہے اس کے سوا اور ہے کیا ذرہ ذرہ میں وہی ہے بلکہ صاف ہی کہو سب کچھ وہی ہے۔
۲۔ نیز اس سے مراد توجہ حبی حق ہے جس کی طرف اشارہ ہے کنت

کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف الخ سے پس قول کنت کنزاً مخفیا سے اشارہ ہے خفا اور غیبت اور اطلاق کے سابق ہونے کی طرف ظہور اور تعین برسبقت ازل کے ساتھ اور **فاحببت ان اعرف** سے اشارہ ہے میلان اور حب ذاتی کی طرف اور حب ذاتی ایک وصل ہے اور ارتباط درمیان اس خفا اور ظہور کے اور یہی ارتباط نکاح ساری ہے جمیع ذراری میں کیونکہ وحدت جو مقتضی ہے حب شیون احدیت کی وہ کل تعینات میں سرایت کرتی ہے اور اس سے کوئی شئے خالی نہیں ۔

نکاح معنوی: مختلف الخاصیت اجزا کی ترکیب باہمی سے تناسب واعتدال نے مساوات پیدا کر کے جس صورت انسانی کو پیدا کیا اس میں حسن جھلکا ، اس حسن نے نفس انسانی کو اپنی جانب کھینچا اور اپنا عاشق بنا لیا چنانچہ روح و بدن کا تعلق عاشق ومعشوق کا تعلق ہے ۔ وحی مطلق یعنی حق تعالیٰ نے دونوں کے درمیان نکاح معنوی کردیا ۔ نکاح ایک عقد ہے اور تصرف ہے۔ نکاح بلا مہر نہیں بندھتا چنانچہ یہاں مہر میں تمام عالم کو ملک انسانی بنا دیا گیا اور اُسے انسان کے تحت میں کر دیا گیا اجزا اور انسان ہی کی فروع ہیں اس نکاح معنوی سے جو اولاد پیدا ہوئی وہ حسب ذیل ہے علوم ۔ نطق ۔ فصاحت ۔ اخلاق حسنہ ۔ صباحت بالفاظ دیگر صفات کمال وجلال و جمال ۔

نکتہ : ا۔لغت میں باریکی اور شخص پاکیزہ اور پوشیدہ کو کہتے ہیں ۔

۲۔عبد اور رب کے درمیان جو ایک بھید ہے اسے نکتہ کہتے ہیں اور وہ بھید یہ ہے کہ عبد عین رب ہے فرق ایک تعین وہمی اور اعتبار فرضی سے ہے : ورنہ حقیقت ایک ہے بعض صوفیا نکتہ سے عبد مراد لیتے ہیں ۔ اور بعض خواطر کو نکتہ کہتے ہیں ۔

نکتہ ب : وحدت کو کہتے ہیں کیوں کہ دائرہ کثرت کا مرکز وحدت ہی ہے۔

نگار : معشوق کو اور بعض ذات مع الصفات کو کہتے ہیں ۔

نگاہداشت : ا۔مراد قطع کرنا مسافات ہستی کا اور طے کرنا عقبات خود پرستی کا یکے بعد دیگرے ۔ مسلسل طور پر ۔

۲۔ نگاہداشت سے مراد مراقبہ خواطر : اس طرح پر کہ ایک سانس میں چند بار کلمہ طیبہ کہے اور اس سے خالی نہ رہے۔ نیز نفس کو ذمائم سے بچانا اس کو بھی نگاہ داشت کہتے ہیں ۔

نما : اس سے مراد عشرت پانا ہے کہ جس سے بڑھ کر کوئی عیش سالک کے لئے متصور نہیں۔

نماز : اس سے مراد توجہ باطن الی اللہ اور اعراض از ماسوائے اللہ اطاعت معشوق حقیقی و توجہ الی الحق ازما سوائے اللہ ہے یہ بھی تین طرح پر ہے ۔

(۱) نماز عام۔ (۲) نماز خاص۔ (۳) نماز خاص الخاص۔

نماز عام یہ ہے کہ نماز پڑھے فرض ہو یا واجب یا سنت یا نفل اوقات مقررہ میں ۔

نماز خاص یہ ہے کہ خطرات نفسانی کو دور کر کے حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھے ۔

نماز خاص الخاص یہ ہے کہ ماسوائے اللہ کو اپنے اوپر حرام کرے دنیا سے۔ وضو کرے اور آخرت سے غسل نفس کو قربان کر کے دریائے فنا میں غوطہ لگادے اور اپنے وجود کو ترک کرے۔ یہی نماز عاشقوں کی ہے ۔

نماز و روزہ: توجہ باطن الی اللہ ماسوائے اللہ سے اعراض کرنا اور حق سبحانہ کی طرف متوجہ ہونا ۔

نمط : اس سے مراد مقام حضور اور مشاہدہ ہے ۔

نوال : مراد اس سے وہ چیز ہے کہ جو حق عطا کرتا ہے اہل قرب کو رضا اور تسلیم نیز فیض الٰہی سے سالک کے قلب پر وارد ہوتا ہے بالخصوص اور بالعموم اس سے فیض رحمانی مراد ہے کہ تمام خلق کو شامل ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں ”عام ہوئی بخشش اس کی“ نیز انعامات الٰہی و عطیات جناب باری جو مقربین بندوں کو عطا ہوتے ہیں ۔

نوالہ : اس سے مراد خلعت خاص ہے کہ جو عطیہ حق برائے مقربین افراد کے لئے ہے اور کبھی خلع مطلقہ کو کہتے ہیں ۔

نور : ا۔اللہ تعالیٰ کا نام ہے اس کے چند معنی ہیں۔ (۱) ذات حق سبحانہ (۲) مرتبہ وحدت یعنی حقیقت محمدیہ ﷺ۔ (۳) ظل ذات حق سبحانہ (۴) وجود ظاہری جو صور اکوان میں ظاہر ہے۔ (۵) واردات اعلام ذاتیہ اردات الٰہیہ جو سالک کے دل پر منکشف ہوں ۔

۲۔ اُس وجود کو بھی کہتے ہیں جو طاری ہے تمامی صور اکوان میں اور بعض کے نزدیک ذات اور ظل ذات کو بھی نور کہتے ہیں جیسا کہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اللہ نور السموات والارض) اور نور سے اشارہ ہے وحدت کی طرف کہ اس مرتبہ میں حق ظاہر ہے اپنے واسطے اور مظہر ہے اپنے غیر کے واسطے۔
صوفیہ کہتے ہیں (نور وہی ظاہر ہے اپنی ذات میں اور ظاہر ہونے والا ہے غیر میں) اور کبھی اطلاق کیا جاتا ہے نور کا ان امور مکشوفہ پر کہ جو مستعد ہے علوم ذاتیہ اور واردات الٰہیہ میں۔
نورالانوار: ذات حق سبحانہ تعالیٰ ہے۔
نورِ اسود: حق تعالیٰ کا ایک مقام ہے جسے نور اسود کہتے ہیں۔ کوئی سالک اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا مگر بذریعہ سماع کے۔ صاحب سماع جب اس مقام پر پہنچتا ہے تو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتا ہے۔
نورِ حقیقت: مختلف اعتبارات کو لیا جائے تو ہر نوع کا ایک مبداء ہے روحانیات کا مبداء عقل ہے۔ جسمانیات کا مبداء قلم ہے۔
مرتبہ میں اول عقل ہے اور حقیقت میں سب سے اول نور حقیقت ہے جو دوسرا نام ہے نورِ نبوت کا۔
نورِ قدس: روح میں ایک قوت خاص ہے جسے نور قدس کہتے ہیں۔ جسم سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ کشف معنی اسی نور کی چمک سے ہوتا ہے۔ قوت فکریہ کو چونکہ جسم سے تعلق ہے۔ نور قدس کے لیے یہ قوت حجاب بن جاتی ہے اور معانی غیبیہ کی بجلی کی چمک کو نہیں دیکھنے دیتی۔
نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: عقل اول اور قلم اعلیٰ حقیقتاً ایک ہی نور کے دو نام ہیں۔ جب عبد کی جانب اس نور کی نسبت کی جاتی ہے تو اسے عقل اول کہتے ہیں اور جب حق سبحانہ تعالیٰ کی جانب اس کی نسبت کی جاتی ہے تو اسے قلم اعلیٰ کہتے ہیں۔
عقل اول سے جو کہ در اصل نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے ازل میں جبرئیل علیہ السلام پیدا کئے گئے اور ان کا نام روح الامین رکھا گیا کیوں کہ وہ ایسی روح ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ نے علم کا خزانہ بطور امانت سپرد کیا اس نور کی انسان کامل کی جانب اضافت دی جائے تو وہ روح محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے ملقب ہوتا ہے۔
نورِ نبوت: نور نبوت کا مبدی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ حقیقت میں اول نور حقیقت ہے جو دوسرا نام ہے نورِ نبوت کا اور یہ نور عقل اور قلم دونوں پر غالب ہے۔
نوروز: مقام تفرقہ (حجابات کثرت میں وحدت دیکھنا) یعنی ذات حق سبحانہ تعالیٰ کا ذرہ ذرہ میں مشاہدہ کرنا اور فرق مراتب رکھنا۔
نون: اسم الٰہی اور تجلی حق باسم "ظاہر" ہے صور مجموع اکوان میں اور بعض کے نزدیک علم اجمال کو نون کہتے ہیں۔
نون و القلم: نون سے مراد علم اجمالی۔ مرتبہ وحدت یعنی حقیقت محمدیہ ﷺ ہے۔
اور قلم سے علم تفصیلی یعنی مرتبہ واحدیت مراد ہے اس لئے کہ نون کے معنی دوات ہیں۔ قلم اس میں سے روشنائی لے کر لکھتا ہے اور روشنائی کو پھیلاتا ہے تو مرتبہ وحدت حقیقت محمدیہ ﷺ جملہ کائنات کی مجمل حقیقت ہے۔
مرتبہ واحدیت نے اس سے روشنی لے کر جملہ حقائق و اسماء و صفات کی تفصیل کی تو بمنزلہ قلم کے ہوا۔ اور کبھی نون و القلم سے عالم دنیا بھی مراد لیتے ہیں۔
نہایت سفر اول: اس سے مراد رفع حجابات کثرت کونیہ ہے بوجہ وحدت کے اکوان میں یعنی مربوبات کونیہ میں۔ نیز سفر اول کی نہایت افق مبین۔ و مقام قلب ہے۔
نہایت سفر ثانی: اس سے مراد رفع حجابات کثرت علمیہ باطنیہ ہے وحدت کی وجہ سے مربوبات علمیہ میں۔ نیز سفر ثانی کی نہایت افق اعلیٰ یعنی مرتبہ واحدیت ہے۔
نہایت سفر ثالث: اس سے مراد زاول تقید ضدین ہے احدیت میں اور ضدین عبارت ہے ظاہر اور باطن۔
نیز سفر ثالث کی نہایت عین الجمع و حضرت احدیت یعنی مقام قوسین اور اس سے آگے مقام اوادنیٰ یہ ولایت کی انتہا ہے۔
نہایت سفر رابع: اس سے مراد رفع اضمحلال خلق ہے حق سے یہاں تک کہ بسبب وصول سالک ملاحظہ کرتا ہے اس مقام وحدت کو

نیل : دوستی حق سبحانہ تعالیٰ اور اس میں جدوجہد کرنا۔
نیم نگہی : نیم نگہی ایک کرشمہ ہے تجلی جلال کا جس سے حشر برپا ہوجاتا ہے یہ غمزۂ خاص ہے۔
نیم مستی : ذات حق میں مستغرق ہونا اور اپنے اس استغراق کا شعور اور آگاہی بھی رکھنا۔

و

واجب/واجب الوجوب : وہ ہے جو اپنے وجود و بقا میں کسی دوسرے غیر کا محتاج نہ ہو ظاہر ہے کہ بجز ذات حق سبحانہ تعالیٰ کے کوئی شے واجب نہیں ہے۔
کیونکہ جملہ کائنات و موجودات وجود و بقا میں ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔
واجب الوجود : وہ ہے کہ جس کی ذات خود اپنی مقتضی ہو اور خود بخود موجود۔ قدیم ہو۔ اپنے وجود و بقا میں کسی کا محتاج نہ ہو اور سب اس کے محتاج ہوں اور کبھی واجب الوجود بمعنی لازم الوجود بولا جاتا ہے اس سے مراد جسم عنصری ہوتا ہے۔
ممکن الوجود وہ ہے جو اپنی موجودیت کے لیے کسی غیر کا محتاج ہو اور اس میں حکم کے اختلافات جاری ہوں۔
واحد : حق سبحانہ وتعالیٰ کا نام ہے اسم ذات کا باعتبار اسماء وصفات کے۔ ذات کے تینوں مراتب داخلی (احدیت۔ وحدت۔ واحدیت) پر اس اسم کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ یہ تینوں مراتب ایک ہی ہیں۔
واحُد الوجود : مرتبہ احدیت ہے اور بعض مراتب داخلی کے مجموعہ کو کہتے ہیں اور اسی کا نام حق ہے کہ مقابل خلق کے ہے اور اسی کو عارف الوجود اور شاہد الوجود بھی کہتے ہیں۔
واحدتین : وحدتِ حقیقی ''حق اور وحدت حقیقی انسان''۔
واحدیت : ا۔ مرتبہ ذات کا علم تفصیلی۔ اس مرتبۂ واحدیت میں اسماء و صفات و حقائق الٰہیہ و کیانیہ متعین ہوتی ہیں۔ اس کی تفصیل بحث تعین و تنزلات ستہ میں درج ہو چکی ہے۔

۲۔ علم حق تعالیٰ قبل تخلیق عالم موجود تھا اور اب بھی موجود ہے۔
اسے مقام واحدیت بھی کہتے ہیں۔
قوس احدیت اور قوس واحدیت احدیت باطن ہے اور واحدیت ظاہر، جو کچھ احدیت میں باطن تھا وہ واحدیت میں اجمالاً ظاہر ہے۔
وادیٔ ایمن : مقام شہود، تصفیۂ قلب جو تجلی الٰہی کے قابل ہو جائے۔
وارد : خواطر محمودہ وہ ہے جو سالک کے دل پر بغیر اس کے کسب کے محض وہبی طور پر معانی عالم غیب سے نازل ہوں جو بغیر کسب کے سالک کے دل پر وارد ہوں۔
واسطہ : ا۔ تصور شیخ ہے۔ اسی سے محبت شیخ پیدا ہوتی ہے اور وہ واصل حق کر دیتی ہے۔
۲۔ اس سے مراد مرید کی وہ توجہ ہے جو ذکر کے وقت اس کی شیخ سے ہوتی ہے۔
واسطہ وفیض و مدد : حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کہ آپ ہی کی ذاتِ مبارک باعثِ تخلیق عالم اور فیض وجودی ہے۔ آپ ہی شان میں لولاک لما خلقت الافلاک ہیں۔
آپ ہی کی ذات پاک اُدھر ذاتِ احدیت سے واصل ادھر مخلوق میں شامل ہے دونوں کے درمیان واسطہ و برزخ ہے بلا آپ کے واسطہ کے کوئی حق تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور ہر قسم کا فیضان ذاتِ احدیت کی طرف سے بلا آپ کے واسطے کے مخلوق پر ہو نہیں سکتا۔
واصل : وہ شخص ہے جس نے جملہ اعتبارات و اضافات کو اٹھا دیا۔ اور آلائش ماسوائے اللہ سے پاک ہو کر محو ذات و عین حقِ سبحانہ ہو گیا۔ اور (ترجمہ اخلاق سیکھو تم اخلاق اللہ کے ساتھ) اللہ سے مصوف ہو کر بے نام ونشان ہو کر ایسے بے نام ونشان ہو جیسے قطرہ دریا میں محو گیا۔
واقع : محل صور علمیہ یعنی اعیان ثابتہ۔ تقدیر الٰہی۔ علم الٰہی کو کہتے ہیں۔
واقعہ : سالک کے دل پر عالم غیب سے جو کچھ وارد ہو خواہ وہبی طور پر یا کسبی، سالک سے لطف آمیز ہو یا قہر آمیز تجلی، جمالی ہو یا جلالی۔ بصورتِ خطاب ہو یا مثال۔ اور بعض کہتے ہیں کہ واقعہ وہ ہے جو مرید اپنے شیخ سے عرض حال کرے معاملات سلوک کے متعلق ہے۔
واقف : راہ سلوک میں واقف اسے کہتے ہیں جو کسی مقام پر رک جائے

اور اس کی ترقی بند ہو جائے ۔ ایسی حالت کو جمود کہتے ہیں ۔
واو : سے اشارہ وجہ مطلق یعنی وجہ اللہ ، اللہ کی طرف چنانچہ اس آیت پاک میں وارد ہے (فَاَینما تُولوا فَثم وجہ اللہ)۔
وتر: سے مراد ذات بحت ہے بمرتبۂ لابشرط شے وسقوط جمیع اعتبارات و مراسم کے اس لئے کہ نہ احدیت کی نسبت کسی شے کی طرف ہے نہ کسی شے کی نسبت احدیت کی طرف کیونکہ اس مرتبہ میں کسی شے کا اعتبار نہیں بخلاف اُس شفع کے کہ جس کے اعتبار کے لئے اعیان ثابتہ اور حقایق اسماء متعین ہوئے ہیں ۔
وثقیٰ / وثقیٰ : کے معنی مضبوط و استوار کے ہیں اور اس سے مراد اللہ کی رسی ہے چنانچہ اس آیت میں (فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ) عوام الناس کے لئے اللہ کی مضبوط و استوار رسی ایمان کے ساتھ عبادت و طاعت بجالانی ہے ۔
خواص کے لئے محبت الٰہی ہے اور بعض اخص الخواص کے لیے وہ جذبات الٰہی ہیں جو ان کو فنا فی اللہ کر کے بقا باللہ بناتے ہیں ۔
وجد : ا. جذبۂ معشوق ہے یعنی کشش کرنا دلِ عاشق کو اپنی طرف ۔
اپنی طرف بلا کسی ارادہ یا کوشش کہ قلب پر کسی حالت کے طاری ہونے کو وجد کہتے ہیں، احوال صادقہ جبکہ قلب شہود میں فانی ہو۔
۲. مراتب محبت کے درجات میں عشق کا تیسرا درجہ ، واردات غیبی جو طالب حق کے باطن کو التفات یا حزن و ملال سے متاثر کرے ۔
وجدان : مقام شہود ، قلبی لذت یعنی سالک کا ذات حق سبحانہ کو ہر ذرہ میں مشاہدہ کرنا اور اس میں محو ہونا اور اس سے لذت و ذوق لینا ۔
وجوب : مراد اس سے مقتضی ہونا ذات واجب کا اپنی وجود کو اور ناممکن اور ممتنع ہونا اُسی کے عدم کا ہے اور بعض وجوب سے ذات حق مراد لیتے ہیں۔
وجود: ا. اس سے مراد ذات حق سبحانہ تعالیٰ ہے کہ وہ اپنے وجود کو آپ متقضی ہے اور عدم اس کا محال ہے ۔ ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ ہے ماسوائے اس عدم سے ۔
صوفیا نے اپنی اصطلاح میں اس کی چھ اقسام لکھی ہیں۔ (۱) واحد الوجود یعنی مرتبہ احدیت۔ (۲) واجب الوجود حقیقی ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ۔
(۳) واجب الوجود بمعنی لازم الوجود ، اجسام عنصرتیہ۔ (۴) ممکن الوجود یعنی جسم مثالی ، ممتنع الوجود یعنی روح اضافی۔ (۵) عارف الوجود یعنی اعیان ثابتہ۔ (۶) شاہد الوجود یعنی مرتبۂ وحدت ، حقیقت محمدیہ ﷺ ۔
۲. ذات بحت اور ہستی مطلق اور احدیت کو کہتے ہیں جو مرتبہ سلب صفات ہے اس کی تین قسمیں ہیں ۔ (۱) واجب الوجود۔ (۲) ممکن الوجود۔ (۳) ممتنع الوجود ۔
۳. وجود شہود ۔ نور ۔ علم ۔ مطالب رشیدی میں لکھا ہے کہ ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ کا علم اجمالی یعنی اسماء و صفات سے مجملاً متصف ہونا وجود ہے اور حق سبحانہ تعالیٰ کا اپنی صفات کو خود بخود معلوم کرنا علم ہے اور حق سبحانہ کا اپنے جمال کو خود بخود دیکھنا نور ہے اور خود بخود معلوم و مشہود ہو جانا شہود ہے ۔
یہ چاروں اعتبارات ذاتی ہیں جب ذات نے مرتبۂ گنج مخفی سے نزول فرما کر مرتبۂ وحدیت یعنی تعین اول میں جلوہ فرمایا تو یہ چار اعتبارات اس مرتبہ میں ملحوظ ہوئے۔ صفات و اسماء کا یہاں گزر ہی نہیں ہے ذات ہی ذات ہے مرتبہ صفات و اسماء کا اسماء کے بعد ہے یعنی مرتبۂ واحدیت ۔
بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ سالک کا اوصاف بشریہ کو فنا کرنا اور اپنی ہستی کو مٹا کر ذات حق میں محو ہو جانا وجود ہے ۔
توحید ابتدا ہے ، وجود انتہا ہے اور وجدان دونوں کے درمیان واسطہ ہے۔
وجودِ اکبر: وہ واصل جو نقطۂ انتہا کو پہنچ گیا ہو اور جس میں جمال و جلال کا اجتماع و امتزاج نہایت اعتدال کے ساتھ ہوا ہو اسے وجود اکبر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے لوگ ہدایت کرنے کی بہترین صلاحیت و قابلیت رکھتے ہیں ۔
جمال و جلال کا اعتدال اس درجہ حسن کا پہلو لئے ہوئے نہیں ہوتا انہیں وجود کبیر کہتے ہیں ۔
وجود کبیر قطب مدار اور قیوم عالم وغیرہ ہوتے ہیں اور یہ لوگ نادر و کمیاب ہوتے ہیں ۔
وجود اکبر اور بھی زیادہ نادر و کمیاب ہیں اور یہی لوگ ظاہر و باطن میں

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل قدم با قدم ہوتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے جمال و جلال کے اعتدال کا پرتو ان پر پڑتا ہے۔

وجودِ عام : حق سبحانہ کے ماسوائے جملہ موجودات کو وجود عام کہتے ہیں ، وہ وجود جو محمدیت ﷺ میں مقید ہے۔ وجود ذہنی اور وجود خارجی سب اُسی کے اظلال ہیں۔

وجودِ مکتسب : اولیا اللہ کو بعض صورتوں میں بعد اکتساب صورت مثالی عطا فرمائی جاتی ہے۔ ہر شخص ایک صورت مثالی رکھتا ہے۔ یہ صورت روح وجسم کے درمیان برزخ ہے۔ خواب کی ملاقاتیں انہی مثالی صورتوں سے ہوا کرتی ہیں یہ صورتیں جو اس کی روح کا مرکب بنتی ہے یہ وہی صورت ہے جو اس دنیا میں بدن جسمانی میں حلول کئے ہوتی ہے۔ بعض اولیا اللہ کو یہ قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ جس شکل اور جس صورت میں چاہیں اپنے آپ کو ایک ہی وقت میں ہزاروں مختلف مقامات پر دکھلا دیں۔

وجہ : ذات واجب تعالیٰ ، وجود حقیقی۔

وجہ الاطلاق وتقلید : یعنی ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ کی ایک وجہ اطلاق ہے دوسری وجہ تقلید ، وجہ اطلاق یہ ہے کہ ذات سے جمیع اعتبارات و جملہ صفات و افعال و آثار کو ساقط کیا جائے اور غیریت و اضافت کو اٹھا دیا جائے تو وہ ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ اس حیثیت سے مطلق ہے اور عین ہے جمیع موجودات کے یہ معنی ہیں معیت حق کے (وھو معکم) میں اسی طرف اشارہ ہے۔

وجہ تقلید یہ ہے کہ اضافات اور اعتبارات ذات کے ساتھ منسوب کیے جائیں اور اس کے ساتھ کوئی قید لگائی جائے اس صورت میں بھی وہ مطلق عین ہے ہر شے مقید کا کیونکہ شے مقید وجود مطلق سے ہی موجود ہے ورنہ بدوں اس کے معدوم ہے اس سے ثابت ہوا کہ وہ ذات حق سبحانہ تعالیٰ جیسی احد وصمد مرتبہ گنج مخفی میں تھی ویسے ہی احد وصمد مرتبہ تعینات و عالم کثرت میں ہے اس میں کچھ تغیر نہیں ہوا نہ ہو سکتا ہے (الا ان کما کان) کے یہی معنی ہیں ، کثرت سے اس کی وحدت میں کچھ فرق نہیں آیا نہ آ سکتا ہے۔ حقیقت میں تو کثرت میں وحدت ہے اور وحدت میں کثرت ہے۔

وجہ الحق : یعنی ذات حق اس لیے کہ وجہ الشئی کے معنی ذات شے کے ہوتے ہیں اس آیت پاک (فاینما تولوا فثم وجہ اللہ) میں یہی اشارہ ہے یعنی ہر شے ذات حق تعالیٰ ہے۔

وجہ العنایت : یعنی عنایت حق کی دو وجہیں وہ جذبہ وسلوک ہیں انہیں دو طریقوں سے اللہ تعالیٰ کی عنایت اور قرب سالک کو حاصل ہوتا ہے ، یہ دونوں وجہیں ہدایت کی ہیں۔

وجہ جمیع العابدین : سے مراد حضرت الوہیت ہے۔

وحدت : ا۔ تعین اول یعنی حقیقت محمدیہ ﷺ کا نام ہے اسے علم اجمالی ، حب ذاتیہ برزخ کبریٰ بھی کہتے ہیں۔ وحدت کی پانچ قسمیں ہیں۔

۱۔ ایک وحدت شخصی جیسے کہ زید خالد و بکر وغیرہ۔

۲۔ دوسری وحدت نوعی جیسے کہ انسان بہ نسبت زید و خالد و بکر وغیرہ کے۔

۳۔ تیسری وحدت جنس سے جیسے جوہر بہ نسبت انواع موجودات کے۔

۴۔ چوتھی وحدت ارادی جیسے مومن حق کو انبیاء کے تبلیغ احکام پر واحد جانتا ہے۔

۵۔ پانچویں وحدت حقیقی جو تعین اول ہے۔

۲۔ مراتب وجود کے باب میں تصوف کی عبارات میں وجود سے ہمیشہ وجود حق تعالیٰ مراد ہوتی ہے۔

وحدت اسمائی/وحدت اصلی ذاتی : وحدت اسمائی جو کثرت کے مقابل ہے اس کی وحدت اصلی ذاتی کی ظل ہے۔ وہ نور محض ہے۔

وحدت ال مجموع : ظہور حق کل میں ہے ھُوَالکُل یہ کل مجموعہ ہے ظاہر و باطن کا ھُوَالاوّل والآخر والظاہرُ والباطِن بھی وحدت ال مجموع ہے۔

وحدت وجود و وحدت شہود : لفظ وجود کا اطلاق اصطلاح صوفیا میں واجب تعالیٰ پر ہوتا ہے مراد صرف ذات حق تعالیٰ ہے جو اپنی ذات سے قائم ہے برعکس دیگر اشیاء کے جو ہستی مطلق سے قائم ہیں۔

ہر چہ آید در نظر غیر تو نیست یا توئی یا بوئے تو یا خوئے تو (خسرو)

یہاں توئی سے مراد ذات ہے، بوئے تو سے مراد صفات اور خوئے تو سے افعال باری تعالیٰ ہیں چنانچہ وحدت الوجود سے یہی مراد ہے۔
اس حقیقت تک ازروئے کشف و مشاہدہ پہنچنے سے قبل ایک درمیانی منزل آتی ہے جس میں سالک بوجہ غلبۂ انوارِ حق جملہ موجودات کو اپنی اپنی نظر سے غائب پاتا ہے۔ اور غیر حق سے یہاں تک روگردانی کر لیتا ہے کہ بسا اوقات حفظ مراتب سے بھی غافل ہو جاتا ہے اور غلبۂ حال میں سبحانی ما اعظم شانی یا انا الحق کے نعرے بلند کرنے لگتا ہے
ابتدائے سلوک میں سالک کی حالت رات کو ستارے دیکھنے والے کی سی ہوتی ہے، دن کو آفتاب میں ستارہ معدوم ہوتا ہے مگر ہوتا ہے۔
وسطِ سلوک کی حالت وحدت شہود کی ہے۔
اور انتہائے سلوک کی حالت وحدت وجود کی ہے۔ جمہور صوفیا توحید وجودی پر متفق ہیں۔
وحدت حقیقی : وہ وحدت جس میں کسی وجہ سے کثرت نہ ہو اور نہ اس کے مقابل کو ضد ہو یہ وحدت حقیقی ہویت مطلقہ ہی کے شایان شان ہے۔
وحدت مجازی : وہ وحدت جو تمام محدثات میں جاری ہے مثلاً ایک شخص یا ایک جماعت یا ایک صدی یا ایک ہزار۔
وحی : ہر وہ چیز جو بطریق استدلال حاصل نہ کی گئی ہو۔ بلکہ قلب سالک پر حق تعالیٰ کی جانب سے یقین کامل کے ساتھ وارد ہوئی ہو۔ القاء ہے یا الہام ہے۔ یا وحی ہے۔
ابتدائی حالت القاء اور انتہائی حالت کو الہام اور وحی کہتے ہیں۔ اولیاء اللہ کو الہام ہوتا ہے۔
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل ہوتی ہے۔ الہام بلا کسی فرشتہ کے ہوتا ہے اور وحی فرشتہ کے واسطہ سے ہوتی ہے۔
وحی اصطلاحی : سب سے قوی اور سب سے زیادہ واضح طریقہ ہم کلامی وحی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے وحی اصطلاحی مقرب فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام رسولوں کے پاس لاتے تھے (سورۃ الشوریٰ آیت ۵۱،۵۲)۔
وحی صریح : اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے خوب گفتگو کی اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے "اپنے بندہ کی طرف جو کچھ وحی کرنی تھی وہ کر دی" اسے وحی صریح کہتے ہیں۔
وحی فی المنام : وحی فی المنام یعنی خواب میں وحی ہونا۔ یہ محض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہے۔
ودّ : مراتب محبت کے درجات میں سے چوتھا درجہ ودّ ایک سرّ ہے جو کیفیت ہوا کے پیدا ہونے سے محبّ کے باطن میں داخل ہوتا ہے۔
وراء اللبس : مراد اس سے ذات حق ہے مرتبۂ احدیت ہے کیونکہ یہ مرتبۂ ذات کا سلب صفات وتعینات کا ہے اس کے بعد ذات لباس تعین میں جلوہ گر ہوتی ہے چنانچہ پہلا لباس تعین مرتبۂ وحدت یعنی حقیقۃ محمدیہ ﷺ ہے اس کے بعد مرتبۂ واحدیت اس کے بعد ارواح پھر عالم مثال پھر عالم اجسام ہے۔
وراء الوریٰ : ذات بحت اور احدیت کو کہتے ہیں کلام مجید میں ہے (واللّٰہ من ورائھم محیط) یعنی اللہ نے ان کے گرد سے گھیرا ہے۔
ورقا/ورقہ : نفس کلیہ کو کہتے ہیں جو لوح محفوظ ہے۔
وری : وہ انتہائی فوائد جو عقول سالک اور قلوب عارفاں، اسرارِ تجلیات اور انوارِ تجلیاتِ صفاتی سے حاصل کرتے ہیں۔
وسواس : خطرہ نفسانی جسے ہو/حبس بھی کہتے ہیں۔ شیطان کی جانب سے ہے تو خطرہ شیطانی ہے جسے وسواس کہتے ہیں۔ فرشتہ کی جانب سے ہے تو خطرہ ملکی۔ حق تعالیٰ کی جانب سے ہے تو خطرۂ رحمانی ہے۔
وسیلہ : مقام قربت اور یہی مقام محمود ہے۔
وصال/وصال حق : تعین کا اُٹھ جانا اور ہستی مجازی سے جدائی کا واقع ہو جانا۔ یہ وصال حق ہے اسے آشنائی حق بھی کہتے ہیں۔ واصل حق ہے۔ صوفیا نے اس کے چند معنی لکھے ہیں۔
(۱) حقیقت محمدیہ ﷺ۔ کیونکہ سالک جب سلوک تمام کر کے یہاں پہنچتا ہے تو واصل بحق ہو جاتا ہے۔
(۲) سالک کا اپنی صفات بشریت کو صفات حق سبحانہ میں فنا کر دینا
(۳) وصل وہ حالت ہے کہ سالک ایک لحہ حق سے غافل و جدا نہ ہو زبان ذکر میں دل فکر میں روح شاہد پر حق سبحانہ میں ہر وقت مشغول رہے۔

(۴) سالک کا جملہ صفات و اعتبارات غیریت کو فنا کرنا ماسوائے اللہ سے منقطع ہو جانا اور اپنی ہستی و خودی کو ذات حق میں فنا کرنا اور عین ذات حق سبحانہ ہو جانا یہاں پہنچ کر سالک کو قرب حق حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ حالت ایک ساعت ہی کیوں نہ ہو، بعض پر یہ حالت کبھی کبھی طاری ہوتی ہے اور بعض دفعہ دیر تک قائم رہتی ہے۔

حالت سکر اسی کا نام ہے اور بعض اسے تلوین بھی کہتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے نزدیک تلوین تمکین سے اور سکر صحو سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ لیکن جمہور صوفیاء کرام کے نزدیک تمکین اور صحو اعلیٰ ہے۔

وصال فراق : اسے فراق وصال بھی کہتے ہیں۔ کیفیت وجد و سماع میں جو کچھ عاشق پر گزرتی ہے اس کو بیان نہیں کر سکتا کیوں کہ یہ حالت نہ وصال کی ہے نہ فراق کی بلکہ اسے فراق وصال بھی کہہ سکتے ہیں اور وصال فراق بھی۔

وصف : وہ تصریف جو موجب تمیز عرضی ہو۔

وصف خلق : سے مراد خلق کا امکان ذاتی ہے اور مخلوق کا فقر ذاتی۔ ''انتم الفقراء'' سے یہی اشارہ ہے۔

وصف ذاتی حق سبحانہ : سے مراد مرتبہء احدیت الجمع۔ وجوب ذاتی اور غنی ذاتی ہے۔ ''غنی عن العلمین'' سے یہی اشارہ ہے۔

وصل : ۱. مراد اس سے وحدت حقیقی ہے کہ جو واصل ہے اور رابطہ ہے درمیان بطون اور ظہور کے اور کبھی مراد لی جاتی ہے اس سے سبقت رحمت محبت کے ساتھ۔

۲. بعض کہتے ہیں کہ وصل عبارت ہے نسیان خودی سالک سے بسبب شہود انوار وجود حق کے اور منقطع ہو جانا ماسوائے اللہ سے اور عدم التفات تمامی اکوان کی طرف سے اور منہمک اور مستہلک ہو جانا بے رنگی صرف اور اطلاق محض میں جس کا مقدمہ بیخودی اور غیبت ہے تمامی حواس سے۔

وصل الفصل : یعنی وحدت کا کثرت میں ظہور۔ اسی کو جمع الفرق کہتے ہیں کیونکہ کثرت باعث فصل اور فرق ہے اور وحدت اس تمام کثرت کی جامع اور وصل کرنے والی ہے۔

وصل الوصل : ۱. مراد یہ ہے کہ سالک عالم کثیف جسمانی سے عروج کرتا ہوا جمیع مراتب نزول کو یکے بعد دیگرے طے کرتا ہوا احدیت الجمع میں پہنچے اور واصل بحق ہو جائے۔

۲. مراد اس سے عود ہے بعد ذہاب اور عروج بعد نزول کے اس لئے کہ ہر ایک نے نزول کیا ہے اعلیٰ مراتب سے ادنیٰ مراتب کی طرف مراد اعلیٰ مراتب سے عین جمع احدیت ہے کہ جو وصل مطلق ہے ازل میں اور مراد ادنیٰ مراتب سے عالم عناصر متضادہ ہیں۔

وصلت : عاشق کی صفت ہے یعنی معشوق کے وصال کی خواہش رکھنا۔

وصول : سالک کا مقام مرآتیہ تک پہنچنا یعنی بندہ کا آئینہ ذات بن جانا اور اس سے ذات کا ظہور واقع ہونا۔

وفا : عنایت ازلی جو کہ عمل پر التفات کئے بغیر آغوش میں لے لیا کرتی ہے جو بلا اکتساب عبد کے اس پر حق کی جانب سے مرحمت ہو۔

وفا بحفظ عہد التصرف : ۱. یعنی تصرفات و خرق عادات و کرامات کے وقت کاملین کا اپنے آپ کو حضرت باری میں عجز و نیاز کے ساتھ پیش کرنا اور باوجود کمال کے اپنے اختیارات اور تصرف اور خوارق کو ہیچ و ناچیز سمجھنا۔ ۲. مراد اس سے ذہولی اور نسیان اختیار کرنا ہے اپنی عبودیت سے اور عجز اپنا ظاہر کرنا وقت تعرفات اور خرق عادات کے۔

وفا بالعہد : ۱. مراد اس سے عہد میثاق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے الست بربکم سے مخاطب کر کے ارواح سے عہد لیا تھا اس کے جواب میں جن روحوں نے بلیٰ عرض کر کے عہد و اقرار ربوبیت کیا تھا اس عہد کو پورا کرنا وفا بالعہد ہے۔

۲. (i) عوام الناس کا عہد ربوبیت پورا کرنا عبادت بجا لانا ہے یعنی اوامر شریعت کی پابندی بہ امید جنت اور نواہی و معصیات سے پرہیز بخوف دوزخ۔

(ii) خواص کا عہد ربوبیت پورا کرنا عبودیت ہے یعنی حق سبحانہ سے محبت کرنا اور خلوص نیت سے اس کی عبادت کرنا۔

(iii) اخص الخواص کا عہد ربوبیت پورا کرنا عبودت ہے یعنی ماسوائے اللہ سے منقطع ہو کر اپنے نفس کو حضور حق میں حاضر رکھنا اور مقام جمع و فرق دونوں میں عبادت کرنا۔ اس کے آثار میں سے یہ ہے کہ ہر

کمال کو حق کی طرف منسوب کرنا اور ہر نقص کو اپنے نفس کی طرف منسوب کرنا۔

وقت : حالتِ موجودہ۔ وقت اُس حالت کو کہتے ہیں جو انسان پر کسی وقت غالب ہو۔ اگر انسان دنیا میں مبتلا ہے تو اُس کا وقت دنیا ہے۔ عقبٰی کی فکر دامن گیر ہے تو اُس کا وقت عقبٰی ہے۔ سرور میں سرشار ہے تو وقت سرور ہے۔ رنج میں غرق ہے تو وقت حزن ہے۔ خوشی میں مسرور ہے تو اُس پر وقت خوشی ہے۔ غرض یہ کہ انسان پر جس وقت جو حال طاری ہو وہی اُس کا وقت ہے۔ جو زمانہ گزر چکا ہے وہ ماضی ہے اور ہاتھ سے نکل گیا۔ جو زمانہ کہ ابھی آیا نہیں وہ مستقبل ہے اور ہاتھ نہیں آتا بس حال ہی سے سروکار ہے اور حال ہی نقد وقت ہے جو مٹھی میں ہے اور حال ہی سے سالک کو ہر وقت سابقہ رہتا ہے۔ مثل شمشیر برق کے آتا ہے اور چلا جاتا ہے الوقتُ سیف قاطع سے وقت کی اس برق رفتاری ہی کی جانب اشارہ ہے۔

نیز حالت موجود وقت اور حال سالک کے حاضر زمانہ کو کہتے ہیں جو زمانہ گزر چکا وہ ماضی ہے اس کی فکر ہی کیا۔ جو آئندہ آنے والا ہے، مستقبل ہے اس کا کیا اعتبار۔ موجودہ حاضر زمانہ کہ بیکار نہ کھونا چاہیے یہی وقت کہلاتا ہے۔

خواجہ عبد اللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اے عزیز ماضی گزر گیا پھر نہیں آئے گا مستقبل پر اعتماد نہیں تو اسے پائے گا یا نہیں وقت یعنی حاضر زمانہ کو غنیمت جان کہ اس کا قیام نہیں ہے اسے بھی بیکار چھوڑا تو بجز افسوس اور کیا حاصل ہو گا۔

وقت دائم : بمعنی آن دائم (حدیث "واسطے میرے اللہ کے ساتھ ایک وقت ہے کہ نہیں سماتا ہے اس میں فرشتہ مقرب اور نہ نبی مرسل")۔

وقف / وقفہ : وقفہ یعنی سالک کا دو مقام کے درمیان کچھ ٹھہرنا۔ اس خیال سے پہلے مقام طے شدہ کی کوئی بات باقی تو نہیں رہی اور یہ کہ دوسرے مقام (جس میں وہ آگے ترقی کرنا چاہتا ہے) کی پوری تیاری اور قابلیت موجود ہے۔

وقوفِ زمانی : یعنی اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا۔ اگر حسنات ہیں تو شکر حق بجا لانا اور اگر کوئی فعل مکروہ سرزد ہو گیا ہے تو توبہ استغفار کرنا اور نفس کو اس کی سزا دینا۔ اسے محاسبہ بھی کہتے ہیں۔ محاسبہ اوقات اولیاء اللہ کے مراتب کا لحاظ رکھنے کو بھی وقوف زمانی کہتے ہیں۔

وقوف صادق: سالک کا فنا فی اللہ ہوکر قائم بحق اور بقا باللہ ہوجانا ہے۔

وقوف عددی : حضرات نقشبندیہ علیہم الرحمۃ کی یازہ مصطلحات میں سے ہے۔ نفی اثبات کے ذکر میں عدد طاق کی رعایت رکھنا اس لیے اللہ طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے رعایت اعداد و ذکر قلبی ہے جمع خواطر متفرقہ کے ساتھ خاص طور پر موثر ہے۔

وقوف قلبی : حضرات نقشبندیہ علیہم الرحمۃ کی یازہ مصطلحات میں سے ہے۔ اس سے مراد بیداری اور حضور قلب جناب باری تعالیٰ کے ساتھ ہے اس طرح پر کہ قلب کو غرض سوائے اس کے نہ ہو یعنی حضرت احدیت میں حضور قلبی حاصل کرنا اور دل سے ماسوائے اللہ کو دور کرنا۔ حضوری و آگاہی ضروری شرط ہے جس کے بغیر ذکر موثر نہیں ہوتا۔

وِلایت : ۱. کہتے ہیں حق سے قربت حاصل کرنا اور اپنی خودی فنا کرنا اور نہایت مقام قرب و تمکین تک پہونچنا۔

۲. ولایت وہ فیضانِ اسرار توحید جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام لی مع اللہ میں بلاوساطت جبرئیل علیہ السلام براہ راست حق سبحان تعالیٰ سے اخذ فرماتے ہیں۔

ولایت کی دو قسمیں ہیں۔ عام و خاص۔

ولایت عامہ : تمام ایمان اور اسلام کی تعلیمات عمل کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے۔

ولایت خاصۃ : یہ واصلین حق کے لیے ہے جو فنائیت کے مقام سے بقا بالحق تک کا سفر کرتے ہیں۔ اعلیٰ مراتب کی ولایت خاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندہ پر اپنے اسماء و صفات بطور علم و یقین و حال کے ظاہر فرما کر تصرفات کی قوت عطا فرماتا ہے۔

ولایت خاصہ کی دو نوعیت ہیں۔

۱. ولایت (بفت و) سے مراد وہ ولایت جس میں تصرفات عطا ہوتے ہیں اور سالک کو مقامات قرب تک پہنچایا جاتا ہے۔

۲. ولایت (بکس و) تصرفات جو عطا ہوتے ہیں اس سے خلق میں مقبولیت ہوتی ہے۔ خوارق عادات، کمالات اور ولایت کی کوئی انتہا

نہیں۔ یہ تین قسم کی ہیں ۔ ا. ولایت صغریٰ اس کا مقام قلب ہے ۔ ۲. ولایت کبریٰ اس کا مقام لطیفہ قالبیہ ہے ۔۳. ولایت علیا دوام تجلی ذات بلا پردہ اسماء و صفات میں حاصل ہوتی ہے اسے ولایت ملاء اعلیٰ بھی کہتے ہیں ۔

صاحب مرآۃ الاسرار لطائف اشرفی سے نقل فرماتے ہیں ولایت کی چار قسمیں ہیں ۔

ا. ولایت باطن نبوت مطلقہ : ہر ولایت کے ایک ایک خاتم ہیں ۔ اس ولایت کے خاتم امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں ۔

۲. ولایت مقیدہ : ہر نبی اس ولایت کے خاتم بقول خود شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی ہیں ۔

۳. ولایت مطلقہ ہر نبی : جو کہ ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اسے ولایت مطلقہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کہتے ہیں ۔ اس کے خاتم امام آخرالزماں حضرت امام مہدی علیہ السلام ہیں جو کہ نسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہوں گے ۔

۴. ولایت جو مخصوص بہ نبوت نہ ہو ۔

بقول صاحب فتوحاتِ مکی ولایت کی چار اقسام ہیں ۔

ا. ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : جو کہ جامع ہے درمیان تصرفات صوری و معنوی کے اور مقرون بہ خلافت ہیں۔ خاتم اس کے مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں آپ کو خاتم کبیر بھی کہتے ہیں ۔

۲. ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو جامع ہے درمیان تصرفات صوری و معنوی کے اور قرون بہ خلافت نہیں ۔ خاتم اس کے امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ آپ کا ظہور آخری زمانے میں ہو گا۔ آپ کے بعد کوئی ولی سلطان نہ ہو گا۔ آپ خاتم صغیر ہیں ۔

۳. ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس میں تصرفاتِ معنوی کے ساتھ تصرفات صوری جمع نہ ہوں گے۔ خاتم اس نوع کے حضرت محی الدین ابن عربی صاحب فتوحات مکی ہیں۔ آپ خاتم اصغر کہلاتے ہیں ۔

۴. ولایت عامہ جس کے خاتم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے ۔ آپ کے بعد اصلاً کوئی ولی نہ ہو گا۔ آپ خاتم اکبر ہیں ۔ آپ کے بعد بس قیامت ہے ۔

ولایت : صفات و ذات کی فنائیت کر کے سالک کا باقی باللہ ہو جانا یہ انتہاء مقام قرب وتمکین ہے ۔

ولایت بفتح الواوَ کے معنی مدد دینا ۔ خدمت خلق کرنا۔ پہلے معنی کی ولایت جس کو حاصل ہوتی ہے وہ دائمی ہے یعنی اس عالم میں بھی اور اس عالم میں بھی ۔ اور دوسرے معنی کی ولایت یعنی خود واصل بحق ہو کر دوسرں کی حاجت روائی کرنا اور خدمت امت پر کمربستہ ہو جانا ۔

یہ اکثر اسی عالم کے ساتھ ہے جب ولی اس عالم میں منتقل ہو جاتا ہے چالیس سال کے بعد یہ کام اس سے منقطع ہو جاتا ہے لیکن بعض اخص الخواص اولیاء کرام اس عالم میں بھی اس خدمت خلق پر مامور رہتے ہیں اور بعض اولیاء کو صرف پہلی ولایت ہوتی ہے ۔

ولایت شمسی و ولایت قمری : اقطاب ہر زمانے میں سب سے بڑا قطب ایک ہوتا ہے ۔ قطب عالم حق تعالیٰ سے براہ راست بلا واسطہ فیض حاصل کرتا ہے اور اس فیض کو ماتحت اقطاب میں تقسیم کرتا ہے ولی کو معزول و مقرر کرنے کا مجاز ہے۔ خود ولایت شمسی رکھتا ہے ۔ برعکس قطب ابدال کے جس کو ولایت قمری ہوتی ہے ۔

ولی : وہ ہے جس کو ولایت حاصل ہو۔ خواہ صرف پہلے معنی کی ہو یا دونوں معنی کی ہو اور ظاہر ہے دوسری معنی ولایت بلا پہلی کے ممکن ہی نہیں اس کے چند اقسام ہیں ۔

(۱) حق تعالیٰ کے نزدیک ولی اور مخلوق اسے ولی نہیں جانتی ہو۔ بلکہ وہ خود بھی اپنی ولایت کو نہیں جانتا ۔

(۲) حق سبحانہ کے نزدیک ولی ہے اور خود بھی اپنی ولایت کو جانتا ہے لیکن خلق نہیں جاتی۔

(۳) حق سبحانہ کے نزدیک بھی ولی ہے وہ خود بھی جانتا ہے اور خلائق بھی مانتی ہے ۔

(۴) بعض نام کے ولی ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے آپ کو ولی سمجھتے ہیں اور مخلوق بھی ان کو ولی مانتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ولی نہیں ہوتے ۔

(۵) بعض ایسے ہوتے ہیں کہ نہ حق سبحانہ کے نزدیک ولی ہیں نہ خلق ان کو ولی سمجھتی ہے مگر وہ اپنے آپ کو ولی جانتے ہیں ۔

وَلَہ : ۱. آئینہ دل میں جمال دوست کو محفوظ کر لینا اور مست شراب جمال دوست ہو کر ہمیشہ بیمار سا بنا رہنا وَلَہ تفرع و اخلاص سے سوال ۔ ۲. شراب سلسبیل۔ ۳. عشق کا نوش کرنا سکر۔ ۴. اضطراب و بے خودی۔ ۵. تلف۔ یعنی ذات محبوب میں فنا ہونا اور اس فنا سے بقا اور حیات سرمدی کا حاصل کرنا۔

وہم : پندار انسان میں بدترین چیز قوت وہمیہ ہے جو ایک مہلک قوت ہے اور ہر خوبی کو ہلاک کر دیتی ہے ۔

ہ

ھا : سے مراد اعتبار ذات حق سبحانہ باعتبار ظہور اور وجود کے ہے، ذات کا بحسب بطون اور غیب ہویت کے ۔

ہاہوت : وہ مقام جس کی جانب کنت کنزاً مخفیاً سے اشارہ ہے ۔

ہباء : حقائق کیانیہ کلیہ میں سے ہے ۔عقل کل، نفس کل، طبیعت کل کے بعد اور جسم کل، شکل کل سے پہلے۔

یہ مربوب ہے اس کا فاعل حقیقت کلی اسم آخر ہے ۔ اور چھ حقائق کیانیہ غیر مجسم ہیں ۔ عالم اجسام کی جملہ صور اس جوہر ہباء میں متعین و قائم ہوتی ہیں ۔ پھر اس کے مطابق عالم اجسام کا ظہور ہوتا ہے ۔

کبھی لفظ ہباء سے اعیان ثابتہ مراد لیتے ہیں اور کبھی اس سے ہیولیٰ اجسام یعنی مادہ بھی مراد ہوتا ہے اور کبھی ہیولیٰ و ہباء سے حقیقۃ محمدیہ ﷺ مراد لیتے ہیں ۔ گویا وہ اصل اور ہیولیٰ ہر شئے کی ہے کیونکہ جملہ عالم اس حقیقت محمدیہ ﷺ سے ہی بنا ہے ۔

۲. عبارت ہے مادۃ المواد : حق نے صور عالم کو مفتوح فرمایا جس کو عنقاء اور ہیولیٰ بھی کہتے ہیں اور یہی ہیولیٰ دو قسم پر ہے۔

ایک روحانی جس کو روح اعظم اور ابوالارواح اور روح قدسی کہتے ہیں اور اس کو روح محمدی ﷺ سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور اسی روح سے تمامی ارواح ظہور میں آئے۔ دوسرا ہیولا جسمانی جس کو مادۃ المواد کہتے ہیں جو مادہ جمیع اجسام کا ہے ۔

۳. تنزلاتِ وجود کا وہ مرتبہ جس میں اجسام عالم کو کشادہ کیا جاتا ہے ۔

یہ مرتبہ عینی نہیں ہے بلکہ مثل عنقا کے ہے جو دیکھنے میں نہیں آتا بلکہ سننے میں آتا ہے ۔ عقل کے بعد یہ چوتھا مرتبہ ہے ۔ ایک جوہر ہے جس میں صور اجسام مفتوح ہوتے ہیں ۔

ہجر: اس سے مراد محجوب و محروم رہنا مشاہدۂ حق سے بوجہ حجاب و موانع خلقیہ کی خواہ وہ موانع لطیف ہوں یا کثیف۔

ہجراں/ہجران : ۱. ظاہر و باطن میں غیر کی جانب التفات کرنا، اشتیاق میں تڑپنا ہجران ہے ۔ ہجر دراصل وہ کیفیت ہے جو فراق بعد وصال میں پیدا ہو ۔

معشوق و مطلوب سے جدائی و دوری اور غیر مطلوب کی طرف متوجہ ہونا ہجراں ہے ۔

وصل سے قبل جو کیفیت ہوتی ہے اسے ہجر نہیں اضطراب کہتے ہیں ۔

ہجوم : اس سے مراد وہ ہے جو دل پر وارد ہو بغیر کسی کوشش و عمل کے۔

ہدایت : یہ بالذات ایک بھید ہے ۔ وجودی اور الہامی جو اللہ کے بندوں پر طاری ہوتا ہے اور ان جذبہ الٰہی کے نور سے عارف خدا کے راستہ پر تائید الٰہی سے مناظر اعلیٰ کی جانب ترقی کرتا ہے ۔

ہدیہ : ۱. ولایت خواہ کسی نوعیت کی ہو ہدیہ کہتے ہیں ۔ ۲. عالم ظہور میں جو اعیان کے استعدادات کھلے ہیں موافق ان کے اعمال نیک و بد کے ان کا نام ہدیہ ہے کیونکہ جس طرح اول میں اعیان کی اجمالی استعدادات ملاحظہ فرما کر حضرت حق نے ہر ایک کا اندازہ مقدر کر دیا تھا اسی طرح آخر میں اُن اعیان کی تفصیلی استعدادات پیش ہونگی اور اسی کو سر القدر بھی کہتے ہیں ۔

ہر شئے مظہر اسم اللہ و اسم محمد ﷺ : وجود ہر شئے کا وجود حق سے ہے اور وجود حق عین ذات حق ہے اور ذات مجمع الصفات و الکمالات کا نام اللہ ہے پس ہر شئے اللہ کے وجود سے موجود ہوئی اور جس شئے کا نام اللہ ہے اس کو حقیقت محمدی ﷺ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں جس کو وحدت بھی کہتے ہیں پس اللہ عین محمد ﷺ اور محمد ﷺ عین اللہ ہیں اسی وجہ سے ہر شئے حقیقت محمدی ﷺ سے ظاہر ہوئی اور اسی وجہ سے ہر شئے مظہر اسم اللہ و مظہر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوئی ۔

ہست نیست نما : ۱. وجود حق سبحانہ تعالیٰ ہے کہ وہ ہر جگہ اور تمام عالم

میں موجود ہے اگر نظر نہیں آتا دیکھنے میں تو وجود اضافی یعنی مخلوق آتی ہے جو کہ خود نیست ہے۔ اسی لیے خلق کو ہست نیست نما کہتے ہیں۔
۲. نیز عبارت ہے وجود مطلق اور موجود حقیقی سے کہ ہمیشہ موجود ہے باعتبار تنزہ کے کسی کی نظر میں نہیں آتا ہے کیونکہ بغیر حجابات اسماء و صفات کے ذات بحت کا دیکھنا محال ہے اس لئے کہ ذات بحت منزہ اور مطلق ہے، قید نظر میں کیونکر آسکتی ہے۔ وجود حق سوائے حق اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔
ہشیاری : غلبہ عشق سے افاقہ سکون میں آنا۔ صوفیا غلبات عشق سے پھرنا مراد لیتے ہیں یعنی مقام سکر سے مقام صحو میں آنا۔
ہفت منزل : یہ وہ سات وادیاں ہیں جو سالک کو راہ سلوک میں پیش آتی ہیں : حضرت خواجہ فرید الدین عطار علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اول منزل وادی طلب ، دوسری منزل وادی محبت اور عشق ، تیسری منزل وادی معرفت ، چوتھی منزل وادی استغناء ، پانچویں منزل وادی توحید ، چھٹی منزل وادی حیرت ، ساتویں منزل وادی فقر اور فنا۔
اس سے مراد قرب حق اور ولایت ہے۔
ہمت : ۱. دل سے خدا کی طرف متوجہ ہونا بغرض حصول کمال و وصال حق اور مرید کا ارادت میں مضبوط ہونا بھی ہمت ہے۔
۲. قلب کا تمام قوائے روحانیہ کے ساتھ حق کی طرف متوجہ ہونا اور بلا یافت حق کے کسی چیز سے راضی نہ ہونا اور کسی چیز سے نہ ڈرنا۔
ہمت ایک براق العارفین ہے جس کی بدولت طالبانِ حق کو معراج نصیب ہوتی ہے۔ سوائے نیک مقبول بندوں کسی اور کے حصے میں نہیں آتی ہے۔
اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنے اسم قریب سے تجلی فرمائی اور اسم سریع اور اسم مجیب سے نظر ڈالی۔ ہمت جب کسی چیز کا قصد کرتی ہے تو اسے پالیتی ہے۔ ہمت عمل اور کوشش سے حصول مقصود کی سعی ہے جس میں ہمت کامل نہیں تو وہ ہرگز صاحب ہمت نہیں بلکہ جھوٹی امید اور بے کار آرزوؤں والا ہے۔ قلم اور سیاہی اور لکھنے کا طریقہ جاننے کے بغیر کوئی شخص کتابت نہیں کرسکتا۔
سیاہی بمنزلہ توجہ، قلم بمنزلہ یقین اور لکھنے کا طریقہ اور اس طریقہ کو عمل میں لانا یعنی عمل صالحہ کے ہے۔
ہمت کے موثر ہونے کے لیے یقین لازمی چیز ہے۔ شیطان دلوں میں حلول کر کے وسواس ڈالتا ہے۔ مایوسی شیطان کا ایک دھکا ہے۔ ہمت کی اصل خدا سے اصلی تعلق ہے۔
میکائیل علیہ السلام ہمت ہی کے نور سے پیدا ہوئے۔ دل میں جو خطرہ کسی امر کے متعلق گزرتا ہے اس میں خطا کا احتمال نہیں ہوتا۔ جب وہ خطرہ قوی ہو کر نفس میں متحقق ہو جاتا ہے تو اسے ارادہ کہتے ہیں جب تردد اور غور و خوض کرتے ہیں تو اس میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے تو اسے ہمت کہتے ہیں۔ جب اس میں مضبوطی آجاتی ہے تو اس کا نام عزم ہو جاتا ہے۔ عزم کے عمل میں لانے کا خیال قصد کے نام سے موسوم ہے اور اس کام کو شروع کرنے لگتے ہیں تو وہ قصد، نیت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔
ہمت ارباب الہمم العالیہ : ۱. یہ ہمت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ اس میں سالک ماسوائے اللہ سے منقطع ہوتا ہے اور سب آرزوؤں سے خالی محض ذات حق میں محو و مستغرق رہتا ہے۔
۲. اس قسم کی ہمت والے راضی نہیں ہوتے احوال اور مقامات پر اور نہ وقوف و معرفت اسماء وصفات پر اور سوائے ذات کے اور کوئی قصد و ارادہ نہیں رکھتے ہیں۔ یہ درجہ ثالث ہے درجات ہمت سے۔
ہمت الافاقہ : ہمت کا پہلا درجہ ہے۔ اس میں سالک ماسوائے اللہ سے منقطع ہو کر ہمہ تن لقاء حق سبحانہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جویائے رضائے حق ہوتا ہے۔
ہمت الآنفہ : یہ دوسرا درجہ ہے اس میں سالک بلا کسی آرزو کے متوجہ بحق ہوتا ہے اور جویائے رضائے حق ہوتا ہے۔
یہ وہ ہمت ہے جو تنگ کر دیتی ہے سالک کو طلب اجر سے کسی عمل پر یعنی تنگ ہو جاتا ہے قلب اس کا طلب اجر سے اور طلب نہیں کرتا اجر کسی عمل پر بلکہ عبادت کرتا ہے وہ حق کی بطریق احسان مشاہدہ کے ساتھ محض واسطے رضا اور قرب مولیٰ کے۔ یہ درجہ ثانیہ ہے درجات ہمت سے۔
ہمہ ازوست : یعنی سب کچھ اسی کی طرف سے ہوتا ہے۔ وہی خالق

کل افعال خیر و شر کا ہے، اس کا یقین کرنا توحید افعالی ہے۔
یہ مرتبہء شریعت ہے اور اس کو اصطلاح میں توحید افعالی کہتے ہیں کیونکہ افعال سے بھی توحید اور یگانگی ذات ثابت ہوتی ہے اس طرح پر کہ خیر و شر و رنج و راست نفع و راست نفع و ضرر موت و حیات و کفر و ایمان طاعت و عصیان وغیرہ جو کچھ کہ افعال عالم میں ہیں حق ہی سے ہیں جو فاعل حقیقی ہے تمامی افعال کا اور اس کی تقدیر سے ہے۔
(القدر خیرہ و شرہ من اللہ) (ترجمہ: خیر اور شر اللہ سے ہے) اللہ تعالیٰ وارد ہے پس اس صورت سے توحید افعالی ثابت ہوئی۔ اس کو مرتبہ شریعت کہتے ہیں۔

ہمہ اوست: یعنی تمام عالم و جملہ موجودات و افعال و آثار و صفات سب کچھ عین حق سبحانہ تعالیٰ ہے بلکہ سب کچھ وہی ذات حقانی ہے۔
یہ توحید حقیقی ہے معرفت و حقیقت یہی ہے۔
صوفیا حضرات فرماتے ہیں۔
وجود اور ظہور صفات اور افعال اور آثار کا کہ عالم میں نمودار ہے بغیر ذات کے ممکن نہیں اور یہ سب کبھی ذات سے جدا اور منفک نہیں اور ہر صفت اور فعل اور اثر ذات میں موجود ہے بلا ظرفیت اور بغیر ذات کے کسی صفت اور فعل اور اثر کا ظہور نہیں پس وجود و صفات اور افعال اور آثار کا ازروئے حقیقت کے عین وجود اور ذات حق کا ہے اس وجہ سے ہمہ اوست کہتے ہیں اس کا نام حقیقت اور معرفت بھی رکھتے ہیں۔

ہمہ با اوست: یعنی یہ یقین کرنا حیات۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر۔ کلام۔ خالقیت، رزاقیت وغیرہ تمامی صفات حق سبحانہ اس کی ذات کے ساتھ ہیں اور اس کے عین ہیں۔ یہ توحید صفاتی ہے اور مرتبہء طریقت ہے اور اس کو اصطلاح میں توحید صفاتی کہتے ہیں اس لیے کہ تمامی صفات سے بھی توحید اور یگانگی ذات کی ثابت ہے اس طرح پر کہ حیات اور علم اور ارادہ اور قدرت اور سمع اور بصر اور کلام اور خالقیت اور رزاقیت وغیرہ تمامی صفات کا وجود و بدون ذات کے محال ہے پس تمامی صفات کی معیت ذات کے ساتھ ہے اور صفات ذات سے اور ذات صفات سے کسی وقت جدا اور منفک نہیں۔ کلام مجید میں ہے (ترجمہ: وہی تمہارے ساتھ ہے جہاں رہو) پس اس سے توحید صفاتی ثابت ہوئی۔ اس کو محبت اور نسبت اور عینیت اور اضافت طریقت کہتے ہیں۔

ہمہ براہ راست اند: ۱. یعنی ہر شئے اپنے مقررہ راستہ پر چلتی ہے، جو کچھ تقدیر الٰہی میں مقرر ہے وہی ظہور ہوتا ہے۔ ہر کارے و ہر مردے جو ازل میں مومن مقرر ہو چکا ہے وہ ایمان اور صراط مستقیم پر چلے گا اور جو کافر مقرر ہو چکا ہے وہ راہ ضلالت اختیار کرے گا۔
۲. حضرات صوفیا کا ایک مسئلہ مشہور ہے وہ یہ کہ ہر مومن اور ہر کافر راہ راست اور صراط مستقیم پر ہے۔ کیونکہ ہر مومن اپنے رب ہادی کی راہ پر اور ہر کافر اپنے رب مضل کی راہ پر ہے، پس اس وجہ سے ہر شخص راہ راست پر ہے اپنی استعداد کے موافق۔

ھُو: ۱. سے مراد ذات بحت بلا اعتبار صفات و ظہور یعنی با حیثیت ظہور حق سبحانہ کا نام ہے اور ھُو خالص اور ذات بحت کا نام ہے جہاں کسی صفت اور ظہور کا دخل نہیں ہے۔
۲. یہ نقطہ ذات کا اسم ہے اس کے ذکر سے سالک کی صفات بشریت فنا ہو جاتی ہیں اور جملہ اعتبارات غیریت زائل ہو جاتے ہیں اور بجز ہستی حق سبحانہ کے کچھ باقی نہیں رہتا۔ اسی لیے یہ جلالی اسم ہے۔ خواص سالکین اس کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ اسم نقطہ ذات سے خبر دیتا ہے اور اس اسم کے ذکر کو سلطان الاذکار کہتے ہیں۔ اسی اسم پر اختتام ذکر سالک ہوتا ہے۔

ہوا / ہویٰ: ۱. خواہش نفسانی و لذات جسمانی کی طرف میلان رکھنا ہوا و ہوس ہے۔
۲. مراد اس سے میلان اور خواہش نفس ہے مقتضیات طبیعت کی طرف اور اعراض کرنا جہت علویہ سے بسبب متوجہ ہونے نفس کے جہت سفلیہ کی طرف جھکنے کی خواہش مراتب محبت کا تیسرا درجہ ہوا۔ مودت و محبت کے ظہور کی ابتدا محبت کے اصلی مراتب یہیں سے شروع ہوتے ہیں۔
حضرت شیخ عبدالعزیزؒ رسالہ عشقیہ میں محبت کے دس مراتب اور ہر مرتبہ کے پانچ مدارج تحریر فرماتے ہیں۔ ان میں ہوا چوتھا مرتبہ ہے۔ اس کے مدارج خضوع، بذل، صبر، تضرع، تسلیم و رضا ہیں۔

ہوا وجس : خطرات نفسانیہ ہیں ۔ جمع ہے یا جس کی ۔

ہواجم : بمعنی بوارد یعنی جو کچھ سالک کے دل پر بغیر اکتساب عمل کے علی التواتر وارد ہو ۔ جمع ہجوم ۔

ہوش دردم : اصطلاحات حضرات نقشبندیہ سے ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی سانس یاد خدا سے غافل نہ ہو ۔ جو سانس اندر سے باہر آوے وہ حضور اور آگہی سے ہو اور غفلت کو اس میں راہ نہ ہو ۔ مولانا سعدالدین کاشغری نے فرمایا ہے ہوش و دردم یعنی انتقال ایک نفس کا دوسرے نفس کی طرف غفلت سے نہ ہو حضور سے ہو اور جو سانس ہو وہ ذکر حق سے غافل اور خالی نہ ہو ۔ غفلت کسی وقت نہ ہو ۔ ہمیشہ ہوشیار اور اپنے نفس پر آگاہ ہو ۔ اس شغل سے تفرقہ نفسی دفع ہوتا ہے ۔

ہوئیت : ا مراد حقیقت شئے ہے جملہ اشیاء کی حقیقت وہی وجود حقانی ہے۔
۲. ہویت لفظ ھُو سے مشتق ہے جو غائب کی طرف اشارہ کرنے کے لیے مستعمل ہے ۔ ہویت سے حق تعالیٰ کی جانب اشارہ ہے ۔

ہیبت و انس : ا. یہ قلبی کیفیات ہیں ۔ پہلے قلب میں خوف یا رجاء کی کیفیت ہوتی ہے اس کے بعد کیفیت خوف سے قبض اور کیفیت رجاء سے بسط ہوتا ہے اور کیفیت قبض سے ہیبت اور بسط سے انس پیدا ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہیبت ایک کیفیت ہے جو مشاہدۂ ذات حق سبحانہ سے حیرت و محویت کی سی حالت طاری ہوتی ہے ۔ جس سے سالک پر سکر غالب ہو جاتا ہے ۔ اور انس ایک حالت ہے جس سے سالک سکر سے حالت صحو میں آ جاتا ہے ۔
۲. صوفیائے محققین نے ہیبت و اُنس سے بھی پناہ مانگی ہے ۔ وہ جمال و جلال کی تفریق سے بھی بلند تر پرواز کرنے اور آشیانہء ذات میں متمکن ہونے کے آرزو مند رہتے ہیں ۔ ان کے لیے نہ ہیبت ہے نہ اُنس ۔ اللہ نے انسان کو بھی ہیبت و اُنس پر وضع کیا ۔

ہیولیٰ : ا. حکماء اور فلسفیوں کے یہاں ہیولیٰ ایک جوہر ہے جو محل ہے صورت جسمیہ کا ۔ ۲. ہویت سے مراد حقیقت شئے ہے جملہ اشیاء کی حقیقت وہی وجود حقانی ہے ۔ ۳. صوفیائے کرام اعیان ثابتہ کو ہیولیٰ کہتے ہیں وہ نفس رحمانی ہے ۔ ہر وہ باطن بھی ہیولیٰ ہے جو صورت ظاہر رکھتا ہو ۔
ترتیب ما بعد عقل کے بعد نفس اور نفس کے بعد ہیولیٰ کو پیدا کیا جو کہ مادّہ ہے اور مثل شہوت کے تمام صورتوں کو قبول کرتا ہے ۔ شہوت گھوڑے کو دامن گیر ہوئی تو اس سے گھوڑے ہی کی صورت اور نوع انسان میں برانگیختہ ہوئی تو انسان کی ہی صورت پیدا ہوئی۔ ہیولیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ نے طبیعت کو پیدا کیا جو ہیولیٰ پر مسلط ہوئی اور جس نے ہیولیٰ کو اس کی صورت کے ساتھ آراستہ کیا جس کے وہ لائق تھا یعنی انسان کے ہیولیٰ کو انسانی صورت عنایت کی ۔

ی

یاد : ا. ماسوائے اللہ کو فراموش کرنا اور مشغول بحق ہونا ہے اور بعض ضد فراموشی کو کہتے ہیں ۔
۲. اصطلاح میں غیر حق کو فراموش کرنا اور بحر مواج نور حق میں مستغرق ہونا اور اپنی خودی کو نیست اور نابود کرنا اور اسم کی یاد سے مسمیٰ میں پہنچنا اور اس میں گم ہونا ۔

یاد داشت : ا. اس سے مراد توجہ صرف مجرد الفاظ اور تخیلات سے ہے حقیقت واجب الوجود کی طرف اور یہ دولت حاصل نہیں ہوتی ہے بغیر فنائے تام اور بقاء کامل کے ۔
۲. اصطلاحات حضرات نقشبندیہ علیہم الرحمۃ سے ہے ۔ اس سے مراد ذاتِ حق سبحانہ میں محو و فنا ہو کر بقا باللہ ہو جانا ۔ یاد داشت یہ ہے کہ سالک کے دل پر استیلائے شہود حق بتوسط حب ذاتی ہو جائے اور اسی کو مشاہدہ کہتے ہیں ۔

یاد کرد : اصطلاحات حضرات نقشبندیہ علیہم الرحمۃ سے ہے۔ اس سے مراد ذکر لسانی و ذکر قلبی ہے جس سے غفلت دور ہو اور حق تعالیٰ کی یاد تازہ رہے ۔

یار : تجلی صفات ، صفت نصرت الٰہی کو کہتے ہیں ۔

یاقوت الحمراء : ا. اس سے مراد نفس کلی ہے بہ سبب ممتزج ہونے

نورانیت کی ظلمت ۔
جسم کے ساتھ بخلاف عقل کلی کے جو مجرد ہے جسم سے جس کو درۃ بیضاء کہتے ہیں ۔

یادگاری : مراد یادِ خدا میں سانس جاری ہونا جس کو پاس انفاس کہتے ہیں ۔

ید اللہ/ یدان : یعنی حق سبحانہ کے دو ہاتھ اس سے مراد وجوب اور امکان ہیں بعض کہتے ہیں اس سے مراد جلال و جمال ذات ہیں کیونکہ جملہ عالم کا ظہور انہیں دو صفات سے ہے ۔ کوئی مظہر جلال ہے ، کوئی مظہر جمال ، کوئی جامع جلال و جمال ہے ۔
"کس چیز نے منع کیا تجھ کو اس سے کہ سجدہ کرے تو اس کو جس کو کہ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا" (ترجمہ سورۃ ص آیت : ۳۵) ۔

یقظہ : اس سے مراد فہم ہے خدا کی طرف سے اس چیز کے لیے مقصود اس کی زجر میں ہے ۔

یقین : اس سے مراد یکتا اور یک رنگ ہونا حق کے ساتھ اور غیریت بالکل اُٹھا دینا اور بقا باللہ حاصل کر کے تمام مراتب اور اکوان اور اعیان میں سریان حقیقی سے ساری و طاری ہونا اسی طرف اشارہ ہے (واعبد ربک حتی یاتیک الیقین) (ترجمہ : اور عبادت کر تو اپنے رب کی یہاں تک کہ تجھ کو یقین آئے) ۔ یقین جس میں شک و شبہ کو مطلق دخل نہ ہو ۔ رویت عیان بقوت ایمان ۔

یلچی : یل ترکی زبان میں راہ کو اور چی دارندہ کو کہتے ہیں اور معنی ترکیبی اس کی راہ بر اور قاصد کے ہیں اور یہ مرادف ایلچی کا ہے ۔
اصطلاح میں خواطر کو کہتے ہیں جو ایک راہبر اور قاصد ہے کہ ہر آن سالک کے دل پر وارد ہوتا ہے اور سالک کی راہبری کرتا ہے اور مرشد کامل کو بھی کہتے ہیں ۔

یَوْمَ : یوم ازل کی طرف اشارہ ہے یوم کا لفظ قرآن مجید میں مجموعی طور پر ۳۵۰ دفعہ آیا ہے اس جگہ ۲۳۶ بار صرف یوم سے منسوب کو درج کر رہا ہوں اس میں الیوم اور والیوم شامل نہیں ہیں یوم بمعنی دن، دن کا ایک حصہ، ایک ساعت کے ہماری زندگی میں اور قرآن پاک میں جابجا استعال ہوئے ہیں یوم جزا یومِ حشر یوم حساب، یوم القیامت اس کے علاوہ بھی یوم کا لفظ مجموعی طور پر غور و فکر کے لیے درج کر رہے ہیں۔

یَوْمَ اُجِّلَت : کس دن کے لیے ٹھہرائے گئے تھے (سورۃ المرسلت ۱۲)۔

یَوْمَ اَحَقُّ : مسجد قبا جس کی بنیاد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھی۔ آپ ﷺ ہر ہفتے مسجدِ قبا میں تشریف لاتے۔ یہاں دو رکعت نفل نماز پڑھنے کا ثواب مبرور ومقبول عمرہ کے برابر ہے۔ (یہ آیت مسجد قبا کے حق میں نازل ہوئی جس کی بنیاد پرہیز گاری پر رکھی گئی) مسجد مدینہ النبوی میں بھی یہ اوصاف نہ ہوں یہ ممکن نہیں (سورۃ توبہ ۱۰۸)۔

یَوْمَ اِقَامَتِکُم : منزلوں پر ٹھہرنے کے دن (سورۃ النحل ۸۰)۔

یَوْمَ الْاَحْزَاب : اگلے گروہوں کے دن کا سا خوف تباہی کا دن پہلی قوموں کا جنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی (سورۃ المومن ۳۰)۔

یَوْمَ الْاٰزِفَۃِ : اس نزدیک آنے والی ، آفت کا دن اس سے روز قیامت مراد ہے (سورۃ المومن ۱۸)۔

یَوْمَ اُبْعَثُ : ا.اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں گا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام فرمایا تو لوگوں کو حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی برأت وطہارت کا یقین ہوگیا۔ (سورۃ مریم ۳۳، سورۃ الروم ۵٦ ذ)۔

یَوْمُ التَّغَابُنِ : وہ دن ہے ہارنے والوں کا اور ان کی ہار کھلنے کا یعنی کافروں کی محرومی ظاہر ہونے کی، گھاٹے کا دن (سورۃ التغابن ۹)۔

یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ : جس روز دونوں مقابلے میں نکلے تھے دونوں لشکر آمنے سامنے تھے (سورۃ آل عمران ۱۵۵، سورۃ الانفال ۴۱)۔

یَوْمَ التَّلَاقِ : ملنے کے دن سے ڈرائے یعنی خلق خدا کو قیامت کا خوف دلائے جس دن اہل آسمان اور اہل زمین اور اولین و آخرین ملیں گے اور روحیں جسموں سے۔ اور ہر عمل کرنے والا اپنے عمل سے ملے گا ملاقات کے دن (سورۃ المومن ۱۵)۔

یَوْمَ التَّنَادِ : پکار کے دن سے جس دن پکار مچے گی قیامت کے دن ہر

شخص اپنے سرگروہ کے ساتھ اور جماعت اپنے امام کے ساتھ بلائی جائے گی جنتی دوزخیوں کو دوزخی جنتیوں کو پکاریں گے جس وقت موت ذبح کی جائے کہ اہل جنت کو اب دوام ہے موت نہیں۔(سورۃ المومن ۳۲)۔

یَوْمَ الْجَمْعِ : ا۔اکھٹے ہونے کا دن روز قیامت، روز قیامت اللہ تعالیٰ اوّلین اور آخرین اور اہل آسمان و زمین کو جمع فرمائیں گے (سورۃ الشوری ۷)۲۔اٹھنے کے دن تک تو یہ ہے وہ اٹھنے کا دن جس کے تم منکر تھے۔ ۳۔وقتِ بقاء و وصول بسوئے عینِ جمع۔ نیز سالک کا واصل بحق ہونا اور مرتبہ جمع میں پہنچنا۔

یَوْمَ الجمعہ : جمعہ کا دن۔ اس دن کا نام عربی زبان میں عروبہ تھا یعنی نماز کے لیے جماعتوں کا اجتماع ہوتا ہے سب سے پہلے جس شخص نے اس دن کا نام جمعہ رکھا وہ کعب بن لوی ہیں۔

پہلا جمعہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ پڑھا۔بارھویں ربیع الاول چاشت کے وقت مقام قباء میں دوشنبہ سہ شنبہ چہار اور پنج شنبہ یہاں قیام فرمایا اور مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔

روزِ جمعہ مدینہ طیبہ کا عزم فرمایا۔ بنی سالم ابن عوف کے بطن وادی میں جمعہ کا وقت آیا اس جگہ لوگوں نے مسجد بنائی۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں جمعہ پڑھایا۔ جمعہ کا دن سیدالایام ہے۔ جو مومن اس روز مرے اللہ تعالیٰ اس کو شہید کا ثواب عطا فرماتا ہے اور فتنۂ قبر سے محفوظ رکھتا ہے (سورۃ جمعہ ۵)۔

یَوْمَ الحج الاکبر : بڑے حج کے دن یعنی حج کو حج اکبر فرمایا اس لیے کہ اس زمانے میں عمرہ کو حج اصغر کہا جاتا تھا (سورۃ توبہ ۳)۔

یَوْمَ الْحِسَابِ : حساب کے دن کو بھلا دیا اس وجہ سے ایمان سے محروم رہے اگر انہیں روزِ حساب کا یقین ہوتا تو ایمان لے آتے۔ یہ لفظ قرآن کریم میں کثرت سے استعمال ہوا ہے (سورۃ ص ۲۶،۱۶)۔

یَوْمَ الحَسْرَۃ : پچھتاوے کا دن حدیث شریف میں ہے کہ جب کافر منازل جنت دیکھیں گے تو اُنہیں ندامت ہوگی کہ کاش وہ دنیا میں ایمان لے آئے ہوتے (سورۃ مریم ۳۹)۔

یَوْمَ الْحَقُّ : الیوم الحق وہ سچا دن ہے (سورۃ النبا ۳۹)۔

یَوْمَ الْخُرُوْجِ : قبروں سے باہر آنے کا دن (سورۃ ق ۴۲)۔

یَوْمَ الخُلُوْدِ : یہ ہمیشگی کا دن ہے اب نہ فنا ہے نہ موت (سورۃ ق ۳۴)۔

یَوْمِ الدِّین : روز جزاء بے شک قیامت تک مہمانی ہے انصاف کے دن کی (سورۃ فاتحہ ۳،سورۃ الحجر ۳۵،سورۃ الشعرآء ۸۲،سورۃ الصافات، ۲۰،سورۃ الذّریات، ۱۲،سورۃ الواقعہ ۵۶،سورۃ الصفت ۲۰،سورۃ الذّریات ۱۲،سورۃ الانفطار، ۱۵،۱۷،۱۸)۔

یَوْمَ الزینتہ : میلے کا دن فرعونیوں کی عید (سورۃ طٰہٰ ۵۹)۔

یَوْمَ الظُّلَّۃ : سائبان کا عذاب، اُنہیں شامیانے والے دن کے عذاب نے آلیا (سورۃ شعراء ۱۸۹)۔

یَوْمَ الْفَتْحِ : فیصلے کا دن جب عذاب الٰہی نازل ہوگا (سورۃ السجدہ ۲۹)۔

یَوْمَ الفُرْقَان : فیصلے کا دن اتارا اس دن سے یوم بدر مراد ہے یہ واقعہ سترہ رمضان المبارک کو پیش آیا مشرکین ہزاروں کی تعداد میں تھے اُنہیں ہزیمت دی (سورۃ انفعال ۴۱)۔

یَوْمُ الْفَصْلِ : بے شک فیصلے کا دن یہ انصاف کا دن ہے۔ یہ حساب و جزا کا دن ہے۔ اس کے ہول اور شدت کا کیا عالم ہے۔ روز قیامت (سورۃ الصّفت ۲۰، سورۃ الدخان ۴۰، سورۃ المرسلات ۱۴، ۳۸، سورۃ النبا ۱۷)۔

یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ : قیامت کا دن، میری طرف پلٹ کر آؤ گے۔

(سورۃ البقرۃ ۸۵، ۱۱۳، ۱۷۴، ۲۱۲، سورۃ آلعمران ۵۵، ۷۷، ۱۶۱، ۱۸۰، ۱۸۵، ۱۹۴ سورۃ النسآء ۸۷، ۱۰۹، ۱۴۱، ۱۵۹. سورۃ المائدہ ۱۴، ۳۶، ۶۴. سورۃ الانعام ۱۲، ۲۵، ۲۷. سورۃ الاعراف ۳۲، ۱۶۷، ۱۷۲. سورۃ یونس ۶۰، ۹۳. سورۃ ھود ۶۰، ۹۸، ۹۹. سورۃ النحل ۹۲، ۱۲۴. سورۃ بنی اسرائیل ۱۲،

۵۸، ۶۲، ۹۷. سورۃ الکہف ۱۰۵. سورۃ مریم ۹۵ . سورۃ الحج ۹، ۱۷،
۶۹. سورۃ المومنون ۱۶ .سورۃ الفرقان ۲۹. سورۃ القصص ۴۱، ۴۲، ۶۱، ۷۱،
۷۴. سورۃ العنکبوت ۱۳، ۲۵ .سورۃ السجدہ ۲۵ .سورۃ فاطر ۱۴. سورۃ الزمر
۱۵، ۲۴، ۳۱، ۴۷، ۶۰، ۶۷. سورۃ حم السجدہ ۴۰. سورۃ الشوریٰ ۴۵.
سورۃ الجاثیہ ۱۷، ۲۶. سورۃ الاحقاف ۵. سورۃ المجادلہ ۷. سورۃ القلم
۳۹. سورۃ القیمۃ ۶. سورۃ الانفطار ۱۵، ۱۷، ۱۸. سورۃ الممتحنہ ۳).

یَوْمَ الوعید : یہ ہے وعدہ عذاب کے دن کا (سورۃ ق ۲۰)۔

یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ : ۱.اس معلوم وقت کے دن تک مہلت ہے۔ جس دن تمام خلق مر جائے گی اور وہ نفخہ اولیٰ ہے تو شیطان کے مردہ رہنے کی مدت نفخہ اولیٰ ہے (سورۃ الحجر ۳۸، سورۃ ص ۸۱)۔
۲. نفخہ ثانیہ تک چالیس برس ہے اور اس کو اس قدر مہلت دینا اس کے اکرام کے لیے نہیں بلکہ اس کی شقاوت اور عذاب کی زیادتی کے لیے ہے یہ سن کر شیطان بولا میں انہیں دنیا میں گناہوں کی رغبت دلاؤں گا (سورۃ الحجر ۳۸)۔

یَوْمَ الیم : درد ناک دن، مصیبت والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار پچاس سال کی ہوئی (سورۃ ہود ۲۶، سورۃ الزخرف ۶۵)۔

یَوْمَ اَمُوْتُ : جس دن مروں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام فرمایا حضرت مریم کی برأت اور طہارت کا لوگوں کو یقین ہو گیا (سورۃ مریم ۳۳)۔

یَوْمَ تَاتِی : ۱۔ یاد کرو اُس دن کو جب آئے گا ہر نفس کہ جھگڑا کر رہا ہوگا ۔ (سورۃ النحل ۱۱۱) ۲۔ اس دن جب ظاہر ہوگا آسمان پر صاف نظر آنے والا دھواں (سورۃ الدخان ۱۰)۔

یَوْمَ تُبَدَّلُ : جس دن بدل دی جائے گی اس سے روز قیامت مراد ہے (سورۃ ابراھیم ۴۸)۔

یَوْمَ تُبلی السرآئِرُ : اس دن فاش کر دیئے جائیں گے راز جس دن چھپی باتوں کی جانچ ہو گی یعنی عقائد اور نیتیں اللہ ان کو ظاہر کر دے گا (سورۃ الطارق ۹)۔

یَوْمَ تَبْیَضُّ : جس دن کتنے منہ سفید ہوں گے یعنی اس دن روشن ہوں گے (سورۃ آل عمران ۱۰۶)۔

یَوْمَ تَجِدُ : جس دن ہر جان موجود پائے گا جو بھلا کام کیا ہے جزا ملے گی (سورۃ آل عمران ۳۰)۔

یَوْمَ تَرْجُفُ : جس دن تھرتھرائیں گے لرزنے لگیں گے زمین اور پہاڑ وہ روزِ قیامت ہو گا (سورۃ المزمل ۱۴، سورۃ النزعت ۶)۔

یَوْمَ تَرَوْنَهَا : جس دن تم اسے دیکھو گے قیامت کا منظر (سورۃ الحج ۲)۔

یَوْمَ تری المومنین : جس دن تم ایمان والے پل صراط پر دیکھو گے ان کے ایمان اور طاعت کا نور ہے (سورۃ الحدید ۱۲)۔

یَوْمَ ترویہ : یہ ذی الحجہ کے آٹھویں دن کا نام ہے ترویہ کے معنی ہیں غور کرنا سوچنا ، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آٹھ تاریخ کی رات کو خواب دیکھا۔ عرفہ کی شب غیب سے ندا آئی جو کہا ہے وہی کرو اسی بنا پر اس کا نام ترویہ ہے۔

یَوْمَ تَشَقَّقُ : جس دن پھٹ جائے گا آسمان حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا آسمان دنیا پھٹے گا وہاں کے رہنے والے فرشتے اتریں گے یہ تمام اہل زمین اور جن و انس سے زیادہ ہیں پھر دوسرا آسمان پھٹے گا اسی طرح ساتواں آسمان پھٹے گا پھر حاملین عرش اتریں گے یہ روز قیامت ہو گا (سورۃ فرقان ۲۵، سورۃ الجاثیہ ۴۳، سورۃ ق ۴۴)۔

یَوْمَ تَشْهَدُ : جس دن یعنی روزِ قیامت وہ یاد کریں گے گواہی دیں گے (سورۃ النور ۲۴)۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ : جس روز وہ پھینکے جائیں گے، جس دن ان کے منہ الٹ الٹ کر آگ میں تلے جائیں گے (سورۃ الاحزاب ٦٦)۔

يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ : جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن الگ ہو جائیں گے مومن اور کافر پھر کبھی جمع نہ ہوں گے (سورۃ روم ١٢، ١٤، ٥٥، سورۃ المومن ٤٦، سورۃ الجاثیہ ٢٧)۔

يَوْمَ تَكُوْنُ : جس دن آسمان ہوگا جیسے گلی چاندی اس روز ہوگا روزِ قیامت کا منظر (سورۃ المعارج ٨)۔

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ : جس روز پیٹھ دے کر تم بھاگو گے (سورۃ المومن ٣٣)۔

يَوْمَ تَمُوْرُ : جس روز تھرتھرا رہا ہوگا آسمان چکی کی طرح گھومیں گے جیسے کھلی چاندی اور پہاڑ ہلکے ہو جائیں گے ہوا میں اڑتے پھریں گے (سورۃ الطور ٩)۔

يَوْمَ حَصَادِهٖ : جس دن کٹے معنی یہ ہیں کہ یہ چیزیں جب پھلیں کھانا تو اس وقت سے تمہارے لیے مباح ہے اور اس کی زکوۃ یعنی عشر اس کے کامل ہونے کے بعد واجب ہوتا ہے جب کھیتی کاٹی جائے یا پھل توڑے جائیں اور فضول خرچی نہ کرے (سورۃ انعام ١٤١)۔

يَوْمَ حُنَيْنٍ : حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی۔ حنین ایک وادی ہے طائف کے قریب مکہ مکرمہ سے چند میل کے فاصلے پر یہاں فتح مکہ سے تھوڑے دن پہلے قبیلہ ہوازن ثقیف سے جنگ ہوئی اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار سے زیادہ تھی مشرکین چار ہزار تھے۔ کسی شخص نے اپنی کثرت پر کہا اب ہم ہرگز مغلوب نہ ہوں گے یہ کلمہ رسول کریم صلی اللہ علی وآلہ وسلم کو گراں گزرا کیوں کہ آپ اللہ تعالیٰ پر توکل فرماتے تھے جنگ شروع ہوئی تو مشرکین بھاگے اور مسلمان مال غنیمت لینے میں مصروف ہو گئے تب کفار نے دوبارہ حملہ کر دیا مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے لشکر بھاگ پڑا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ ﷺ کے ابن عم سفیان بن حارث کے کوئی نہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سواری کو کفار کی طرف آگے بڑھایا اور حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ اپنے اصحاب کو پکاریں لوگ لبیک لبیک کہتے ہوئے پلٹ آئے کفار سے جنگ شروع ہوئی آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک میں سنگ ریزے لے کر کفار کے منہ پر مارے یہ دیکھ کر کفار بھاگ پڑے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غنیمتیں مسلمانوں میں تقسیم فرما دیں۔ (سورۃ توبہ ٢٥)۔

يَوْمَ خَلَقَ : جس دن اس نے پیدا فرمایا ان میں سے چار حرمت والے ہیں تین ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام اور ایک جدا ہے۔ رجب یہ تعظیم کے مہینے ہیں حرمت اور عظمت والے (سورۃ التوبہ ٣٦)۔

يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ : بھوک کے دن کھانا دینا یعنی قحط وگرانی کے وقت اس مال کا نکالنا نفس پر بہت شاق اور اجر عظیم کا موجب ہوتا ہے (سورۃ البلد ١٤)۔

يَوْمَ سَبْتِهِمْ : ہفتے کا دن (سورۃ اعراف ١٦٣)۔

يَوْمَ شک : یوم شک سے مراد ہے شعبان کی ٣٠ تاریخ ایسی صورت میں کہ مطلع ابر آلود تھا چاند نظر نہیں آیا تو کوئی اسے ٣٠ شعبان کہے گا اور کوئی یکم رمضان المبارک کی پہلی تاریخ کہے گا۔ (غنیۃ الطالبین ترجمہ شمس صدیقی، ٧٢٠)

يَوْمَ ظَعْنِكُمْ : تمہارے سفر کے دن اور منزلوں پر ٹھہرنے کے دن (سورۃ النحل ٨٠)۔

يَوْمٍ عَاصِفٍ : ہوا کا سخت جھونکا آیا آندھی کا دن شکر سے نعمت زیادہ ہوتی ہے منعم کی محبت یہ مقام صدیقوں کا ہے۔ (سورۃ ابراھیم ١٨)۔

يَوْمَ عرفه : ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو یوم عرفہ (پہچان کا دن سے تعبیر کیا جاتا ہے)۔

يَوْمَ عَسِير : یہ دن سخت ہے اہل قریش کے لیے (سورۃ القمر ۸)۔

يَوْمَ عَسِيْر : یہ بڑا سخت دن ہے (سورۃ المدثر ۹)۔

يَوْمَ عَصِيبٌ : یہ بڑی سختی کا دن ہے کافروں پر حضرت لوط کے یے قوم لوط پر جب تک خود اس قوم پر چار مرتبہ گواہی نہ دیں ان فرشتوں کے بارے میں حضرت لوط علیہ السلام کی عورت نے اپنی قوم کو خبر دی ان حسین خوب رو مہمانوں کی (سورۃ ہود ۷۷)۔

يَوْمَ عَظِيْم : بے شک اس دن جو بہت بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے یعنی روزِ قیامت کے عذاب کا ڈر ہے (سورۃ الانعام ۱۵، سورۃ الاعراف ۵۹، سورۃ یونس ۱۵، سورۃ مریم ۲۷، سورۃ الشعراء ۱۳۵، ۱۵۶، ۱۸۹، سورۃ الزمر ۱۳، رۃ الاحقاف ۲۱)۔

يَوْمَ عَقِيْم : عذاب کا دن جس کا پھل اچھا نہ ہوا اس سے بدر کا دن مراد ہے جس میں کافروں کے لیے کچھ راحت نہ تھی، منحوس دن بعض مفسرین نے اس سے روزِ قیامت بھی مراد لیا ہے (سورۃ الحج ۵۵)۔

يَوْمَ فَسْئَلِ : دن کا حصہ جس دن وہ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ ہم ایک دن رہے یا دن کا حصہ؛ یہ جواب اس وجہ سے دیں گے کہ اس دن کی دہشت اور عذاب کی ہیبت سے انہیں اپنے دنیا میں رہنے کی مدت یاد نہ رہے گی (سورۃ المومنون ۱۱۳)۔

يَوْمَ كَانَ مِقْدَارُهٗ : روزِ قیامت اس دن کی مقدار پچاس ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں۔ یعنی ایام دنیا کے حساب سے وہ دن روز قیامت ہے۔ روزِ قیامت کی درازی بعض کافروں کے لیے ہزار برس اور بعض کے لیے پچاس ہزار برس کے برابر ہو گی لیکن ایک مومن پر یہ دن ایک فرض نماز کے وقت سے بھی ہلکا اور سبک تر ہو گا جسے وہ دنیا میں پڑھتا تھا (سورۃ السجدہ ۵، سورۃ المارج ۴)۔

يَوْمَ كَبِيْر : دن بڑا اللہ کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے، عذاب کا خوف کرتا ہوں یعنی روزِ قیامت کا (سورۃ ہود ۳)۔

يَوْمَ لَّا بَيْعٌ : جس دن نہ خرید ہو گی نہ فروخت انہوں نے روزِ قیامت کے لیے کچھ نہ کیا (سورۃ بقرہ ۲۵۴، سورۃ ابراھیم ۳۱)۔

يَوْمَ لَا تَسْتَاْخِرُوْنَ : اس دن تم پیچھے نہ ہٹ سکو گے (سورۃ سبا ۳۰)۔

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ : جس دن کوئی جان کسی جان کا کچھ اختیار نہ رکھے گی (سورۃ الانفطار ۱۹)۔

يَوْمَ لَا مَرَدَّ لَهٗ : وہ دن ٹلتا نہیں یعنی روزِ قیامت (سورۃ الروم ۴۳، سورۃ الشوریٰ ۴۷)۔

يَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ : دن جو ہفتے کا نہ ہوتا (سورۃ الاعراف ۱۶۳)۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ : جس دن نفع دے گی نہ مال کام آئے گا جس دن ظالموں کو ان کے بہانے کچھ کام نہ دیں گے کوئی عذر قبول نہ کیا جائے گا (سورۃ الشعراء ۸۸، سورۃ المومن ۵۲)۔

يَوْمَ لَا يُخْزِى : اس روز رُسوا نہ کرے گا اللہ (سورۃ التحریم ۸)

يَوْمَ لَا يُغْنِى : جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا، قرابت اور محبت کچھ نفع نہ دے گی غرض کسی طرح عذاب آخرت سے نہ بچ سکیں گے (سورۃ الدخان ۴۱، سورۃ النجم ۴۶)۔

يَوْمَ مَّجْمُوْعٌ : وہ دن جس میں سب لوگ اکٹھا ہوں گے اگلے پچھلے حساب کے لیے جس سے کسی کو رہائی میسر نہ ہو (سورۃ ہود ۱۰۳)۔

يَوْمَ مُّحِيْطٍ : گھیر لینے والا دن کے عذاب کا ڈر ہے (سورۃ ہود ۸۴)۔

يَوْمَ مَّشْهُوْد : وہ دن حاضری کا، وہ دن جس میں آسمان اور زمین والے سب حاضر ہوں گے (سورۃ ہود ۱۰۳)۔

يَوْمَ مَّعْلُوْمٍ : ا۔ایک معین دن تمہاری باری یہ حضرت صالح علیہ السلام کی

اونٹنی کے پانی پینے کے لیے دن ہے (سورۃ الشعراء ۳۸، ۱۵۵) ۲.اس کتاب کا کہا ہوا انجام سامنے آئے جس دن اس کا بتایا ہوا انجام واقع ہو گا یعنی روزِ قیامت۔۳.دن کی معیاد یعنی روزِ قیامت اس دن تک کہ وہ اٹھائے جائیں یعنی قیامت کے دن تک اس سے شیطان کا مطلب تھا کہ کبھی نہ مرے اس نے مہلت مانگ لی اور اللہ نے اسے قبول بھی کر لیا (سورۃ الحجر، ۳۶، سورۃ واقعہ ۵۰)۔

یَوْمَ نبعَثُ : جس دن ہم ہر گروہ امت میں ایک گروہ انہیں میں سے اٹھائیں گے کہ ان پر گواہی دے (سورۃ النحل ۸۴، ۸۹)۔

یَوْمَ نَبْطِشُ : جس روز ہم سب سے بڑی پکڑ پکڑیں گے (سورۃ الدخان ۱۶)۔

یَوْمَ نَحْسٍ : ایک دوامی نحوست کے دن میں جس کی نحوست ان پر ہمیشہ رہے گی حتیٰ کہ ان میں سے کوئی نہ بچا وہ دن مہینہ کا پچھلا برہ تھا (سورۃ القمر، ۱۹)۔

یَوْمَ نَحْشُرُ: جس روز ہم اکٹھا کریں گے (سورۃ النحل ۸۳ سورۃ حم سجدہ ۱۹)

یَوْمَ نَحْشُرُہُمْ : ا.جس دن ہم اٹھائیں گے سب کو جس روز ہم جمع کریں گے (سورۃ الانعام ۲۲، سورۃ یونس ۲۸، ۴۵، سورۃ سبا ۴۰، سورۃ حٰمٓ السجدہ ۱۹)۔ ۲.حساب کا دن تمام مخلوق کو موقف حساب میں جمع کریں گے (سورۃ یونس ۲۸)۔

یَوْمَ نَدعُوْا : جس دن ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے جس کا وہ دنیا میں اتباع کرتا تھا (سورۃ بنی اسرائیل ۷۱)۔

یَوْمَ نُسَیِّرُ: جس دن ہم پہاڑ کو چلائیں گے وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر ابر کی طرح روانہ ہوں گے (سورۃ الکہف ۴۷)۔

یَوْمَ نَطْوِی : جس دن ہم لپیٹ دیں گے جیسے سجل فرشتہ جو کاتب اعمال ہے (سورۃ الانبیاء ۱۰۴)۔

یَوْمَ نَقُوْلُ : اس دن ہم پوچھیں گے (سورۃ ق ۳۰)۔

یَوْمَ ولد : جس دن پیدا ہوا جس دن مروں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام فرمایا حضرت مریم کی برأت اور طہارت کا لوگوں کو یقین ہو گیا (سورۃ مریم ۱۵)۔

یَوْمَ ولدت : جس دن پیدا ہوا جس دن مروں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام فرمایا حضرت مریم کی برأت اور طہارت کا لوگوں کو یقین ہو گیا (سورۃ مریم، ۳۳)

یَوْمَ ہُم برزُوْنَ : جس دن وہ بالکل ظاہر ہو جائیں گے قبروں سے نکل کر کوئی چھپنے کی جگہ یا آڑ نہ پائیں گے اور انہیں عذاب دیا جائے گا (سورۃ مومن ۱۶)۔

یَوْمَ ہم علی النار : اس دن ہو گا جس دن وہ آگ پر تپائے جائیں گے اور اُنہیں عذاب دیا جائے گا (سورۃ الذاریات ۱۳)۔

یَوْمَ ہو فی شان : اسے ہر دن ایک کام ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر وقت اپنی قدرت کے آثار ظاہر فرماتا ہے شان نزول یہود کہتے تھے اللہ تعالیٰ سنیچر یعنی ہفتے کے دن کو کام نہیں کرتا (سورۃ الرحمٰن ۲۹)۔

یَوْمَ یَاتِ : جب وہ دن آئے گا یعنی روزِ قیامت (سورۃ ہود ۱۰۵)۔

یَوْمَ یَاْتِی : جس دن ظاہر ہو گا تمہارے رب کی ایک نشانی آئے گی نشانی آنے کے بعد والے کی توبہ قبول نہ ہو گی (سورۃ الانعام ۱۵۸، سورۃ الاعراف ۵۳، سورۃ النحل ۱۱۱)۔

یَوْمَ یَاْتِیھِمْ : جس دن اُن پر آئے گا ان سے پھیرا نہ جائے گا (سورۃ ہود ۸)۔اور لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ یعنی قیامت کا خوف دلاؤ (سورۃ ابراھیم ۴۴)۔

یَوْمَ یبعث : جس دن زندہ اٹھایا جائے گا جس دن پیدا ہوا، جس دن مرا، جس دن زندہ اٹھایا جائے گا یہ تین دن انتہائی دہشت ناک ہیں جو اس سے پہلے نہ دیکھے نہ سنے (سورۃ مریم ۱۵)۔

یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ : ا. اس دن جب مردے اٹھائے جائیں گے قیامت کا دن.۲. وہ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے(سورۃ الاعراف ۱۴، سورۃ ص ۷۹، سورۃ المومنون، ۱۰۰. سورۃ الشعرآء ۸۷. سورۃ الصافات ۱۴۴.)۔

یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ : جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا کسی ایک کو باقی نہ چھوڑے گا (سورۃ النجم ۴۶، سورۃ المجادلۃ ۶،۱۸)۔

یَوْمَ یتذکّر : اس دن یاد کرے گا جو کوشش کی تھی دنیا میں نیک یا بد (سورۃ النزعت ۳۵)۔

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہ : جس دن اللہ جمع فرمائے گا رسولوں کو یعنی روزِ قیامت (سورۃ المائدہ ۱۰۹)۔

یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ : جس دن تمہیں اکٹھا کرے گا سب کے جمع ہونے کے دن یعنی روزِ قیامت (سورۃ التغابن ۹)۔

یَوْمَ یُحْشَر : اس دن جب جمع کئے جائیں گے،جس دن اللہ کے دشمن یعنی کفار اگلے پچھلے آگ کی طرف ہانکے جائیں گے (سورۃ حٰمٓ السجدہ ۱۹)

یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ : جس دن اکٹھا کرے گا انہیں مشرکوں کو (سورۃ الفرقان ۱۷. سورۃ الانعام ۱۲۸. سورۃ یونس ۴۵. سورۃ سبا ۴۰)۔

یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھا : جس دن وہ تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں اور شدت حرارت سے سفید ہو جائے گا یہ سونا چاندی (سورۃ التوبہ، ۳۵)

یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ : جس دن اللہ تعالیٰ تمہیں بلائے گا قبروں سے موقف قیامت کی طرف (سورۃ بنی اسرائیل ۵۱)۔

یَوْمَ یدع الداع : جس دن بلانے والا یعنی حضرت اسرافیل صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر (صور) پھونکیں گے (سورۃ القمر ۶)۔

یَوْمَ یدعون : جس دن جہنم کی طرف دھکا دے کر دھکیلے جائیں گے جہنم کے خازن کافروں کے ہاتھ گردنوں سے اور پاؤں پیشانیوں سے باندھ کر انہیں منہ کے بل جہنم میں دھکیل دیں گے (سورۃ الطور ۱۳)۔

یَوْمَ یُرْجَعُوْنَ : اس دن جب وہ لوٹائے جائیں گے (سورۃ النور ۶۴، سورۃ الفرقان ۶۴)۔

یَوْمَ یَرَوْنَ : جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے یعنی موت کے دن یا قیامت کے دن (سورۃ الفرقان ۲۲، سورۃ الاحقاف ۳۵)۔

یَوْمَ یَرَوْنَھا : جس روز اس کو دیکھیں گے (سورۃ النزعت ۴۶)۔

یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ : جس دن آگ میں اپنے مونہوں پر گھسیٹے جائیں گے (سورۃ القمر، ۴۸)۔

یَوْمَ یَسْمَعُوْنَ : جس دن سب لوگ چنگھاڑ سے سنیں گے مراد اس سے نفخۂ ثانیہ ہے (سورۃ ق، ۴۳)۔

یَوْمَ یخرجون : جس دن قبروں سے نکلیں گے جھپٹتے ہوئے محشر کی طرف (سورۃ المارج ۴۳)۔

یَوْمَ یعض : جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبا چبا لے گا حسرت و ندامت سے یہ حال اگر کفار کے لیے عام ہے مگر عقبہ بن ابی معیط سے اس کا خاص تعلق ہے ایمان لا کر یہ مرتد ہو گیا اور "بدر" میں مارا گیا روز قیامت اس کا حال سب سے بدتر ہوگا (سورۃ الفرقان ۲۷)۔

یَوْمَ یُعْرَضُ : جس روز وہ کافر لوگ (آگ) دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے جس روز کھڑا کر دیا جائے گا (سورۃ الاحقاف ۲۰، ۳۴)۔

یَوْمَ یَغْشٰھُمُ : جس دن ڈھانپ لے گا انہیں عذاب(سورۃ العنکبوت ۵۵)۔

یَوْمَ یفرالمرءُ : اس دن بھاگے گا اپنے بھائی سے۔ ان میں سے کسی کی طرف ملتفت نہ ہوگا اپنی ہی پڑی ہوگی (سورۃ عبس، ۳۴)۔

یَوْمَ یَغْشٰھُمُ : جس دن ڈھانپ لے گا انہیں عذاب (سورۃ العنکبوت ۵۵)۔

یَوْمَ یُكْشَف : جس دن پردہ اٹھایا جائے گا کشف ساق کھولی جائے گی حساب و جزا کا سخت دن ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جس دن ایک ساق کھولی جائے گی جس کے معنی اللہ ہی جانتا ہے کشف ساق روزِ قیامت کی سختی سے مراد ہے (سورۃ القلم ۴۲)۔

یَوْمَ یَلْقَوْنَہٗ : جس روز وہ اپنے رب کریم سے ملیں گے (سورۃ الاحزاب ۴۴، سورۃ التوبہ ۷۷)۔

یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ : اس دن کے بارے میں جب پکارنے والا پکارے گا (سورۃ ق ۴۱)۔

یَوْمَ یُنْفَخُ : جس دن پھونکا جائے گا (صور) نام کو بھی کوئی سلطنت کا دعویٰ کرنے والا نہ ہوگا (سورۃ الانعام ۷۳، سورۃ المائدۃ ۱۱۹، سورۃ طٰہٰ ۱۰۲، سورۃ النمل ۸۷، سورۃ النبا ۱۸)۔

یَوْمَ یَنْفَعُ : وہ دن جس میں سچوں کو فائدہ پہنچائے گا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (سورۃ المآئدہ ۱۱۹)۔

یَوْمَ یَرَوْنَ : جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے یعنی موت کے دن یا قیامت کے دن (سورۃ الفرقان ۲۲، سورۃ الاحقاف ۳۵)۔

یَوْمَ یَمُوت : جس دن وہ مرے گا (سورۃ مریم ۱۵)۔

یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ : جس دن پکارنے والا پکارے گا یعنی حضرت اسرافیل علیہ السلام (سورۃ ق ۴۱)۔

یَوْمَ یُنَادِیهِمْ : جس دن اللہ اُنہیں (ندا) آواز دے گا یعنی کفار سے فرمائے گا (سورۃ القصص، ۶۲، ۶۵، ۷۴، سورۃ حٰم السجدہ ۴۷)۔

یَوْمَ یَقُولُ کُنْ : جس دن فنا ہوئی ہر چیز اس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہو جا وہ فوراً ہو جائے گی جس دن فرمائے گا اللہ تعالیٰ کافروں سے (سورۃ الانعام ۷۳، سورۃ الکہف ۵۲)۔ جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے کہیں گے (سورۃ الحدید ۱۳)۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ : جس دن قائم ہوگا حساب (سورۃ ابراھیم ۴۱، سورۃ المومن ۵۱)۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ : جس دن کھڑے ہوں گے روح امین جبرئیل علیہ السلام (سورۃ النبا ۳۸)۔

یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ : جس دن کھڑے ہوں گے لوگ پروردگار عالم کے سامنے (سورۃ المطففین، ۶)۔

یَوْمَ یَکُوْنُ : جس دن ہوں گے (سورۃ القارعۃ ۳)۔

یَوْمَ یَنْظُرُ : جس دن آدمی دیکھ لے گا ہر نیکی بدی اس کے نامہ اعمال میں درج ہوگی (سورۃ النبا ۴۰)

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

زیرِ نظر کتاب فرہنگِ تصوف کو پڑھنے کا موقع ملا، عزیزی و مخدومی جناب عقیل احمد صدیقی صاحب نے یہ علمی کام کرکے جہاں تصوف کے بزرگوں کی روحانی خدمت کی ہے وہیں مجھ جیسے ناواقف لوگوں پر حقیقتاً احسان فرمایا۔ بندہ نے اگرچہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے علمی ماحول میں آنکھ کھولی۔ لیکن مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی حجاب نہیں کہ میں تصوف سے بالکل ناواقف تھا اور ہوں۔ البتہ یہ کتاب پڑھنے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ تصوف جو کہ اصل میں علم الآداب والاخلاق ہے. وہ انسانی زندگی کے لئے کتنا ضروری ہے اور وہ انسانی زندگی پر کیسے اثر انداز ہوتا ہے۔ مجھے اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میں علمِ تصوف سے بالکل ناواقف تھا پہلے تین بار مسودہ پڑھا پھر کتابت کی تصحیح پر کچھ قدرت ہوئی۔ اب بھائی عقیل صاحب کی ترغیب پر دل میں اس بات کا داعیہ بھی پیدا ہوا کہ بھائی عقیل نے اس کتاب کے آخر میں یوم کے عنوان کے تحت جس علم کے سمندر کو سمویا ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیقِ مقبول عطا فرمائے آمین! آخر میں دعا ہے کہ اللہ پاک بھائی عقیل رحمانی کی اس کاوش کو اور اِس کتاب کی اشاعت میں ادارہ اُردو لغت بورڈ کے سید عقیل عباس جعفری، سید عامر عالم رضوی اور سید معراج علی نواب اور اُن کے معاونین ارشد محمود، سید امیر علی، سید ارشد علی، طاہر اقبال، محمد ریاض کی مخلصانہ کوشش و تعاون کو قبول فرمائے۔ اور اسے اُن کے شیخ صوفی شاہ محمد فاروق رحمانی صاحب اور تمام بزرگوں کے فیوض میں اس کتاب اور صاحبِ کتاب دونوں کو شامل فرمائے اور بندہ کے تمام نسبی اور روحانی بزرگوں اور خاندان ثلاثہ کے تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

بندہ مفتی مسعود احمد امام وخطیب مسجد نور کراچی۔

کوئی علم اور کوئی فن ایسا نہیں ہے جس کے لیے فرہنگِ اصطلاحات وضع نہ ہوئی ہوں۔ فہم انسانی کی رہنمائی اور بطونِ حقیقت تک رسائی کے لیے ہر فن کی فنی اِصطلاحات مُمِدّ و معاون ہوتی ہیں۔ گویا ہر علم و فن اپنی اپنی اِصطلاحات کا محتاج ہے۔ راہِ تصوّف میں جن امور سے سابقہ پڑتا ہے وہ محسوسات سے بالاتر ہیں اور ان کے ذریعہ رموز و حقائقِ الٰہیّہ کے صحیح طور سے سمجھنے پر سالک کی ترقی کا انحصار ہے اس لیے اِس علم میں فرہنگ اصطلاحات کی اشد ضرورت ہے۔

اہلِ تصوّف وہ لوگ ہیں جو صوف کا کپڑا پہنتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ صوفی وہ لوگ ہیں جو اصحابِ صُفّہ کے مشرب پر ہوں۔

صحابۂ کرام کی وہ جماعت تھی جو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں ہمیشہ رہا کرتی تھی، یہ لوگ قریب ستر (۷۰) اَسی (۸۰) کے تھے، کم و بیش ہوتے رہتے تھے، علمِ دین حاصل کیا کرتے تھے۔

اسمِ صوفی ''صفا'' سے مشتق ہے اور صوفی اہلِ صفا سے ہوتے ہیں۔ ''بیکار چیزوں کو ترک کرنا تصوّف ہے۔''

حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ ''کم کھانا خلق سے بھاگنا اور خالق کی عبادت کرنا تصوّف ہے۔''

تصوّف اس کو کہتے ہیں کہ تمام تکالیف کو منجانب اللہ سمجھ کر صبر کرے اور ماسوائے اللہ کو ترک کردے۔''

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں: ''صوفی وہ ہے جو نصیحت ایسی کرے جس پر خود عامل ہو چکا ہو'' اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''صوفی وہ ہے جس نے تمام چیزوں کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کو اختیار کر لیا ہو، اور اللہ اُسے دوست رکھتا ہو۔''

حضرت بشر حافیؒ فرماتے ہیں: ''جو شخص خدا کے ساتھ دل صاف رکھے اس کو صوفی کہتے ہیں۔'' ''حُسنِ خُلق تصوّف ہے۔''

حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں: ''حقائق کا اعتبار اور دقائق کا بیان کرنا اور خلق سے نا اُمید ہونا تصوّف ہے۔''

حضرت ابوبکر شبلی کہتے ہیں ''درگاہِ الٰہی میں بے غم زندگی بسر کرنا کا نام تصوّف ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تصوّف مشتق ہے اصطفا سے، جو برگزیدہ ہوا وہی صُوفی ہے۔'' ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں: ''صوفی وہ ہے جو خلّت ابراہیم علیہ السّلام اور تسلیم اسماعیل علیہ السّلام اور اندوہ حضرت داؤد علیہ السّلام اور صبر ایوب علیہ السّلام اور شوق موسیٰؑ علیہ السّلام اور اخلاص حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتّسلیم حاصل کرے۔'' فرماتے ہیں: ''تصوّف ایسی نعمت ہے کہ بندہ کا قیام اس پر منحصر ہے، اس کی حقیقت نعمتِ حق اور رحمتِ خلق ہے۔''

تصوّف کی اصل ہے احسان جو عبارت ہے صدق توجہ الی اللہ سے، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے احسان کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی ہے۔

اَنۡ تَعۡبُدَ اللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنۡ لَّمۡ تَکُنۡ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ (یعنی یہ کہ عبادت کرے تو خُدا کی گویا کہ تو اُسے دیکھتا ہے پس اگر نہیں دیکھ سکتا تو اس کو پس تحقیق وہ دیکھتا ہے تجھ کو) وہ تمام علوم اور اعمال اور احوال جو رجوع الی اللہ کے لیے ضروری یا مفید ہیں تصوّف کے تحت میں آتے ہیں۔ تصوّف نام ہے اس زینہ کا جس پر چڑھ کر انسان جملہ کمالاتِ صوری و معنوی کی معراج پر سرفراز ہوتا ہے اور اس دُنیا میں حیات مستعار لے کر اپنے آنے کے مقصد کو کما حقہ پورا کرتا ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں ترجمہ جو صوفی بنا اور علم سے بے بہرہ رہا زندیق ہوا اور جس نے علم دین حاصل کیا مگر تصوّف حاصل نہ کیا فاسق بنا اور جس نے دونوں کو حاصل کیا پس اس نے تحقیق سے کام لیا۔ تصوّف کلیۃً اسلام ہے اسلام کی رُوح ہے۔

عقیل احمد صدیقی

عقیل احمد صدیقی ۲۷ رستمبر ۱۹۵۵ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کراچی ہی میں حاصل کی جامعہ کراچی سے ایم اے اُردو فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا۔ ۱۵ رمارچ ۱۹۸۶ء کو اُردو لغت بورڈ میں بحیثیت اسکالر تقرری ہوئی۔ لغت نویسی کا رجحان استاد محترم ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی تحریک پر پیدا ہوا۔ ۲۶ رستمبر ۲۰۱۵ء تک دفتر ہذا میں خدمات انجام دیتے رہے۔ یہ لغت (فرہنگِ تصوف) ان کی چھ سال کی محنت کا نچوڑ ہے۔

ISBN-978-969-9113-02-4